ڈیوٹی بدل کر اپنا کام انجام دیں گے۔"

"چہرہ بدلنے کے لیے کوئی ماسک، مصنوعی داڑھی یا ریڈی میڈ میک اپ استعمال کیا جا سکتا ہے۔" ویرا بے نیازی سے بولی۔

اول خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور فوری طور پر پوری بات سمجھتے ہوئے نرمی سے بولا "چڑنے کے بجائے ڈینی کی کہی ہوئی بات کی روح تک پہنچنے کی کوشش کیا کرو۔"

"میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتی کہ خود میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔"

جلال ہنستے ہوئے اٹھ گیا "تم لوگوں کی آپس کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ میں یہاں بیٹھ کر کبھی بور نہیں ہوا۔"

"پھر اٹھ کیوں گئے؟ کہاں جا رہے ہو؟" ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

"دھماکے کے ساتھ سب کچھ تباہ ہو گیا تھا۔ میرا وہاں رکنا بے سود تھا۔ اب دیکھنا ہو گا کہ قانونی صورت کیا بنتی ہے۔ سب سے اہم مرحلہ ڈرائیور کی شناخت کا ہے۔ وہ کون تھا اور کس کی ملازمت میں تھا۔"

"نیلی ڈاج میں بارود چھپانے والوں نے یہ خیال ضرور رکھا ہو گا کہ مرنے کے بعد ڈرائیور کے پاس سے ایسی کوئی چیز برآمد نہ ہو جو اس کی شناخت میں مدد دے سکے۔" میں نے کہا۔

"نہ ہو۔ اخباروں میں تصویر چھپے گی تو اس کا کوئی نہ کوئی والی وارث سامنے آ جائے گا۔" جلال نے بے پروائی سے کہا۔

مجھے شبہ تھا کہ نیلی ڈاج میں ہونے والے خوفناک بارودی دھماکے اور پھر آتش زدگی کے بعد دونوں میں سے کوئی لاش اس قابل رہ سکے گی کہ اسے تصویر سے شناخت کیا جا سکے۔ دوسری طرف لاش کی پہچان نہ ہونے کا سارا فائدہ امریکیوں بلکہ سی آئی اے والوں کو پہنچتا کیونکہ ان کے گناہوں پر پردہ پڑا رہتا۔ کسی کو یہ پتا نہ چل پاتا کہ نیلی ڈاج کو بھیجنے والے کون لوگ تھے۔ اس بارے میں ہمارے پاس اکلوتا ثبوت یہ تھا کہ جلال نے اپنے کانوں سے ایم ففٹی پر بن ڈیوڈ اور را کے ایک کارندے کی گفتگو سنی تھی جس میں پورا پروگرام طے کیا گیا تھا۔

وہ نرے الفاظ تھے جو ایم ففٹی نامی ایریٹس سے ریڈیائی لہروں کی صورت میں خارج ہو کر فضا میں تحلیل ہو چکے تھے۔ ایک بار سننے جانے کے بعد ان لفظوں کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ اس گفتگو کا اکلوتا گواہ جلال تھا جو اس معاملے میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ اپنے دشمنوں کے خلاف اس کے کسی بیان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

نیلی ڈاج کے ذریعے دو انسانوں کے قتل میں ملوث افراد تک پہنچنے کے صرف دو امکانات باقی رہ گئے تھے۔ کار کے موجودہ مالک کی صحیح نشان دہی ہو جاتی یا پھر مرنے والے ڈرائیور کے ورثا اپنی ساری شہادتوں کے ساتھ سامنے آ جاتے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ان لوگوں نے اس طے شدہ واردات کے لیے وہ نیلی ڈاج بہت سوچ سمجھ کر استعمال کی تھی۔ وہ یقینی طور پر اوپن ٹرانسفر لیٹر پر بازار میں گردش کرنے والی گاڑی تھی جو نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزر چکی تھی۔ اس کے اصل مالک کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

دوسری طرف ڈرائیور کی شناخت کا مسئلہ اس سے زیادہ ٹیڑھا تھا۔ گاڑی کے اندر ہونے والے طاقت ور بارودی دھماکے نے دونوں سواروں کو کسی حد تک مجروح یا مسخ کر دیا ہو گا، اس کا اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔ رہی سہی کسر پیٹرول کی ہولناک آگ نے پوری کر دی ہو گی۔ آگ میں جلنے کے بعد ان دونوں لاشوں کے بس ڈھانچے ہی باقی رہ گئے ہوں گے۔ خدوخال کے نام پر کسی چیز کا بچنا محال تھا۔ ایک یا ایک ہزار میں سے کسی ایک استخوانی ڈھانچے کو کوئی ماہر ہی شناخت کر سکتا تھا۔ وہ کام کسی عام آدمی کے بس کا نہیں تھا۔

اصل مجرموں تک رسائی کی تیسری راہ ڈرائیور کے ورثا پیدا کر سکتے تھے مگر ان کی طرف سے بھی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجرموں کے بارے میں یہ بات بارہا میرے تجربے میں آ چکی تھی کہ وہ بہت دور بین اور دور اندیش تھے۔ ہر پہلو پر غور کر کے کوئی منصوبہ بناتے تھے اور پوری سفاکی سے اس پر عمل کر گزرتے تھے۔

وہ بظاہر معزز اور باحیثیت لوگ سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کو اس خطرناک مشن پر ایسی گاڑی میں نہیں بھیجا ہو گا جو اس سے پہلے ایک بار بھی ان میں سے کسی کے استعمال میں رہی ہو۔ ان کی اس احتیاط کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ نیلی ڈاج کی تباہی کا ذکر اخبارات میں پڑھ لینے کے باوجود ڈرائیور کے اہل خانہ کے کانوں پر جوں نہ رینگتی۔ انہیں زیادہ سے زیادہ یہ پریشانی ہوتی کہ ان کا آدمی رات کو اپنے گھر واپس کیوں نہیں لوٹا۔

Downloaded from https://paksociety.com

گھر والے، آجروں میں سے کسی سے رابطہ کرتے تو میری دانست میں یہ نپا تلا جواب انہیں خاموش کر دیتا کہ ڈرائیور کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اچانک شہر سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ اس بھول میں چند دن گزارنے کے بعد وہ ڈرائیور کی پراسرار گمشدگی کا اعلان کر دیتے۔

غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ طبقے میں قانون اور پولیس سے گریز کی عمومی نفسیات کارفرما نظر آتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی براہِ راست کسی در پر دستک نہیں دیتا۔ وہ سارا کام ڈرائیور کے معزز آجروں پر چھوڑ دیتا جو انہیں دلاسے اور امدادی رقوم دے کر بہلاتے رہتے اور یوں رفتہ رفتہ وہ قصہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتا۔

"پہلے تم لاشیں دیکھ لو پھر کوئی قیاس آرائی کرنا۔" میں نے ہنس کر جلال سے کہا "پیٹرول کی آگ بہت بے رحم ہوتی ہے۔ ان کے جسموں کا ایک ایک ریشہ چاٹ گئی ہوگی۔"

"دیکھتا ہوں کہ اب کیا بنتا ہے۔" وہ رکنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت بن ڈیوڈ کا اہم معاملہ تمہارے اوپر چھوڑ کر چلا گیا۔" جلال کے چلے جانے کے بعد ویرا نے کہا۔

"دوستی اپنی جگہ پر ہے۔ اس کی خاطر وہ اپنے کام کرنے کے ضابطوں کو پامال نہیں کرتا۔" اول خان نے جواب دیا۔

"اس کے یہاں رکنے کا کون سا ضابطہ پامال ہو جاتا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"کیا تم نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ سی نائین کا معاملہ میرے سپرد کر دینے کے بعد اس نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟" اول خان نے ویرا کی بات کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہاں..... موضوع یکایک پولیس والوں کی طرف ہو گیا تھا۔" ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بس یہی اس کا اصول ہے۔ ایس ٹی ایف کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتی ہے تو ہر ایجنسی اس سے دور رہتی ہے۔ یہی جلال کا اصول ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آئینی اور آئین سے ماورا ادارے ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ نہیں چل سکتے۔ اب وہ غائب ہو جائے گا۔ بن کی خبر دینے کے لیے مجھے اس کو تلاش کرنا پڑے گا۔"

"اس کے دماغ کی یہ ٹیڑھ تم ہی سمجھ سکتے ہو۔" ویرا نے شانے اچکا کر اپنی بے زاری کا مظاہرہ کیا۔ "وہ ہمارے ساتھ بیٹھتا ہے۔ باتیں اور مشورے کرتا ہے۔ کام کا وقت

کون نہیں جانتا کہ؟

اعصابی طاقت

ہی اصل زندگی ہے

اب تو ہر سمجھ دار انسان اس بات کو بڑی فراخدلی سے تسلیم کرنے لگا ہے کہ واقعی اعصابی طاقت ہی اصل زندگی ہے ـــــ جو بھی انسان ـــــ چاہے عورت ہو یا مرد اگر اعصابی کمزوری کا شکار ہے تو اس کی زندگی میں بیزاری اور ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آپ ہم سے سچے موتی، زعفران، عنبر، کستوری جیسے قیمتی اجزا سے تیار کردہ اعصابی کورس منگوا کر اپنی لائف خوشگوار بنا سکتے ہیں لہٰذا آج ہی خود تشریف لائیں یا خط لکھیں یا ٹیلیفون کر کے گھر بیٹھے ہی بذریعہ ڈاک (V.P) وی۔ پی اعصابی کورس منگوالیں۔

رجسٹرڈ

المُسلم دارُالحکمت

بالمقابل جامع مسجد مبارک جلالپور روڈ

ضلع وشہر حافظ آباد ـــــ پاکستان

فون کوڈ: 0438

فون

522468

521787

اوقات فون

عصر 4 بجے سے

رات 9 بجے تک

Downloaded from https://paksociety.com

آتا ہے تو اپنی راہ لیتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کڑ کھاتا ہے تو گلگلوں سے پرہیز کیوں کرتا ہے۔"

"تمہاری اردو تشویش ناک حد تک بہتر ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ نت نئے محاورے تم کہاں سے سیکھ رہی ہو؟"

"بازار جاتی ہوں تو کتابیں بھی دیکھ لیتی ہوں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا "تمہارے یہاں تو کوئی کتابوں کو سونگھتا بھی نہیں۔ میں نے ردی میں سے صرف دس روپے میں ایک پرانی مجلد کتاب خریدی ہے جس میں اردو محاوروں کے ساتھ ان کی تخلیق کا پس منظر بھی لکھا ہوا ہے۔ بعض کہانیاں تو واقعی بہت دلچسپ ہیں۔"

"میں نے کبھی تمہیں کوئی کتاب پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔" سلطان شاہ نے اسے گھور کر کہا۔

"میں تمہیں دکھانے کے لیے نہیں پڑھتی۔ پیتے ہوئے میں اکیلے میں کچھ نہ کچھ ضرور پڑھتی ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! پی کر پڑھتی ہو تو کیا خاک سمجھ میں آتا ہوگا۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں نے پوری بائبل ہلکے سے سرور کے عالم میں دھیرے دھیرے ختم کی ہے اور اس کے بعض اہم اقتباس مجھے آج بھی یاد ہیں۔" ویرا نے اسے چڑایا۔

"بس اب آگے نہ بولنا۔ یہ تمہارے دین دھرم کے مسائل ہیں۔ تمہارا کوئی پادری تمہیں جوتے لگائے گا۔"

ویرا نے ہاتھ جھٹک کر اسے خاموش کیا اور اول خان سے بولی "تم جلال کی دماغی ٹیڑھ کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔"

"اس کا اصول دو طرفہ ہے۔ وہ اپنے کسی کام میں ایس ٹی ایف کو شریک کرتا ہے نہ ہمارے کام میں شامل ہوتا ہے۔ رہی مشوروں کی بات تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اس کی بہت اچھی عادت ہے کہ وہ مشورے دینے اور قبول کرنے کے معاملے میں بخیل نہیں ہے۔" اول خان نے اپنی پوری بات کو ایک جواب میں سمو دیا۔

"یہاں یہ چکر چلتے رہیں گے۔ اگر تم کو آج رات کچھ کرنا ہے تو کسی گوشۂ عافیت میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں ایک فاضل بیڈ روم بھی ہے۔" میں نے اول خان سے کہا۔

"کیا اس پروگرام میں میری کوئی گنجائش نہیں ہوگی؟" سلطان شاہ نے مایوسی سے پوچھا۔

"ناممکن!" میں نے سر کو نفی میں جنبش دی "اگر وہ کہیں اور ہوتا تو ہمیں ضرور نفری کی ضرورت پڑتی۔"

"پھر شاید میری شمولیت بھی خارج از امکان ہے!" ویرا پوچھ بیٹھی۔

"اس وقت تمہارا پس منظر میں رہنا بہتر ہے۔ سروے کرنے والی مشتبہ لڑکی تمہیں دیکھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ وہ سڑک پر کہیں بھی تمہیں پہچان لے۔"

"میں ویسے ہی گوشہ نشینی میں ہوں۔ اب مزید گوشے میں چلی جاتی ہوں۔ میرا کمرا میرے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ تم بن ڈیوڈ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔" تخلیہ ہو جانے کے بعد اول خان نے میری طرف جھک کر پوچھا۔

"اس کی موت اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس وقت وہ اکیلا ہے۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"تم یہ سب درست کہہ رہے ہو لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ وہیں چھپا ہوا ہوگا۔" اول خان اس بارے میں خاصا فکر مند تھا۔

"ادھر کا رخ کرنے سے پہلے اس سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرنی ہوگی۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا ایم ففٹی استعمال کرو گے؟" اول خان کا وہ سوال فطری تھا "وہ تو جلال کے پاس ہے۔"

"میرے ذہن میں قہقہہ سا خاکہ بن رہا تھا۔ چلتے ہوئے میں نے اس سے اپریٹس لے لیا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس بن سے رابطے کا وہی ایک ذریعہ ہے۔"

"ابھی تک میں تمہاری تائید کرتا رہا ہوں لیکن وہاں زیادہ نفری لے جانے میں کیا حرج ہے۔ ذرا ویرا وغیرہ کے خون میں بھی تھوڑی سی گرمی آجائے گی۔"

"ویرا کا تو خیر نام بھی نہ لو۔ ہدف کو اپنے قریب پا کر وہ اچانک بے قابو ہونے لگتی ہے اور اسے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی زیادہ نفری کے زیادہ مسائل ہوتے ہیں۔ سی نامین کے زیادہ سے زیادہ دو راستے ہوں گے۔ وہ کدھر سے بھاگے گا۔"

"ہوں.... اول! اول خان اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا "وہ کسی کھڑکی وغیرہ سے باہر کود تو ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے گا۔"

"ایسی صورت میں زیادہ نفری لے جانا مناسب نہیں ہو گا۔ ویسے تو خطرناک مجرم کو گھیرنے کے لیے ہر پیمانے کی تیاری ناکافی ہوتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ بن بھاگتے بھاگتے تھک چکا ہے۔ اگر اسے مناسب انداز میں گھیرا جائے

Downloaded from https://paksociety.com

تو وہ آسانی سے پسپائی کی راہ اختیار کر کے ہتھیار ڈال دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ صرف تم میرے ساتھ چلو گے۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"چاہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ مہم سنبھال لو گے۔ بس ایک بار یہ یقین ہو جانا چاہیے کہ وہ سی ٹائین کی مشتبہ عمارت میں ہی روپوش ہے۔ اپنے دو آدمیوں کو اس عمارت کے دونوں راستوں پر مامور کر کے تم اسے للکارو گے تو وہ ذرا سی مزاحمت کے بعد راہ راست پر آجائے گا۔"

"میرے اپنے طور طریقے ہیں۔ اپنی فوجی زندگی میں میرا زیادہ تر جنگی قیدیوں سے واسطہ پڑتا رہا۔ ان کی زبان کھلوانے کا ایک لگا بندھا طریقہ ہوتا ہے وہ مار کھاتے ہیں اور اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ جب ان کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے تو وہ ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولتے چلے جاتے ہیں۔ تم سے ملاقات ہونے سے پہلے میرا زیادہ تر کام جنگلوں اور ویرانوں میں چھپے ہوئے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے تک محدود رہا تھا۔ میری اور تمہاری پہلی ملاقات بھی اسی چکر میں ہوئی تھی۔ ان کو گھیر کر کسی بند علاقے کی طرف ہانکا جاتا تھا۔ پھر وہ لڑتے لڑتے مرجاتے تھے یا پھر گرفتار ہو جاتے تھے۔ ان کی گرفتاری کے بعد میرا کام ختم ہو جاتا تھا۔ انہیں پولیس کے حوالے کر کے ہم لوٹ آتے تھے۔"

"تم مجھے کیا بتانا چاہ رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔ کیونکہ اس نے اپنے پیشہ ورانہ تجربات کی تفصیل مجھے پہلی بار سنائی تھی۔ نہ جانے اسے وہ ان کہی باتیں دہرانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

"میں نے بارہا تم کو یہ سب بتانا چاہا لیکن کبھی مجھے موقع نہیں ملا' میں نے اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں کبھی شہری علاقوں میں یا شہری مجرموں کے خلاف کام نہیں کیا تھا۔ تم سے ملنے کے بعد میں نے ان سب بکھیڑوں میں ہاتھ ڈالنا شروع کیا۔ میں آج بھی پوری ایمان داری سے یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری مدد کے بغیر میرے لیے ان الجھنوں کو سلجھانا مشکل ہے۔"

"مطلب کی بات تم نے ابھی تک نہیں بتائی۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ بن چکر باز آدمی ہے۔ تم ساتھ رہو گے تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے غچا دے کر صاف نکل جائے۔"

میرا ارادہ تھا کہ میں بن سے اسی وقت ایم ففٹی پر رابطہ کرتا لیکن اول خان کے وہ الفاظ سننے کے بعد میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ اس کی مبینہ کمین گاہ سے قریب رہ کر اسے ہراساں کرنا زیادہ مناسب تھا۔

"تمہارے چار آدمی وہاں موجود ہیں۔ یہاں سے ہم دونوں چلیں گے۔ ایک کے مقابلے کے لیے یہ نفری کافی ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"ایک نہیں' تین کے مقابلے میں چھ کہو۔" اس نے میری تصحیح کی "اگر وہاں کوئی اور نہ ہوا تب بھی دو چوکیدار ضرور ہیں۔ وہ اپنے پُراسرار مہمان کے بارے میں اتنی رازداری سے کام لے رہے ہیں تو اس کی حمایت میں ہم سے لڑنے مرنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

"وہ مقامی ہیں۔ اگر انہوں نے ہمارے مقابلے پر آنے کی کوشش کی تو میں انہیں ٹانگوں پر کھڑا نہیں رہنے دوں گا۔ اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دینا کہ بلا تکلف ان کی پنڈلیوں پر گولیاں چلا دیں۔ ان کو اپنی جسارت کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"اس کے باوجود انہوں نے مزاحم ہونے کی کوشش کی تو مارے جائیں گے۔" اول خان نے سرد لہجے میں کہا "وہ مقامی ہیں تو ہوا کریں۔ غداروں کا ساتھ دینے والوں کا انجام غداروں کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔"

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے تیزی سے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے جہانگیر میری آواز پہچانتے ہی چہکنے لگا۔

"تنویر خان! مبارک ہو۔ اب تو شہر میں لونڈیاں تم کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سالے اس شہر کی ہر خوبصورت لڑکی کم از کم تمہارا نام ضرور جانتی ہے۔"

"یہ کیا بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہو۔" میں نے بے دھیانی سے اسے جھاڑ دیا "اپنی پینک میں تم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں خان نہیں ہوں۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں خان بن کر تمہیں عزت دینا چاہ رہا تھا۔ یہ تمہیں راس نہیں آرہی تو میں خطاب واپس لیے لیتا ہوں۔"

"یہ لونڈیوں کا کیا ذکر کر رہے تھے تم۔" میں نے چونک کر پوچھا "اس کی سرسری انداز میں سنی ہوئی وہ بات میرے دماغ کے کسی گوشے میں جاگی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک خوب صورت لڑکی پرفیوم بیچنے آئی تھی۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ”میں سمجھا نہیں کہ تم کس لڑکی کی بات کر رہے ہو۔“ میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

”لڑکیاں آتی رہتی ہیں۔ کبھی کوئی سروے کے لیے آتی ہے تو کوئی کچھ بیچنے یا مفت بانٹنے کے لیے آجاتی ہے۔“

”مفت بانٹنے..... کیا بک رہے ہو تم۔“ مجھے اس کے عامیانہ فقرے پر غصہ آگیا۔

”بھڑک کیوں رہے ہو؟“ میرے کان میں اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی ”کسی کمپنی کی مصنوعات کا مفت بانٹنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔“

”اوہ! تو یہ گند تمہاری بلڈنگ میں بھی چلتا ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”میرا خیال تھا کہ تمہارا سیکیورٹی سسٹم بہت اچھا ہے۔“

”الحمد اللہ! بہت اچھا ہے مگر خوش رو سروے اور سیلز گرلز کو وہ خود اندر آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ان سے بلڈنگ میں رونق رہتی ہے۔ آج تک کسی نے ان کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی۔“

”تمہارے پاس کوئی پرفیوم بیچنے کے لیے آئی تھی؟“

”ہاں‘ میرے اور سلمٰی کے لیے مفت میں دو سیمپل دے گئی ہے۔ بعد میں ہم نے اس سے ایک بوتل خرید لی۔“

”مجھے تمہاری خریداری سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا تم نے مجھے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟“

”یہ ذکر تو یوں ہی نکل آیا۔ میں تمہیں مبارکباد دے رہا تھا کہ وہ بھی تمہارے جاننے والی نکلی۔“

”وہ کسی کی جاننے والی نہیں تھی۔ اب اگر تم بن پیے بھی مدہوش رہنے لگے تو تمہارا اللہ حافظ ہے۔ میں تمہیں ہوشیار کر چکا ہوں کہ آئی مین کے آدمی میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں مگر لڑکیوں کو دیکھ کر تمہاری عقل ٹخنوں میں اتر جاتی ہے۔ اب اس کے ساتھی تم سے کچھ نہ کچھ جنوانے کے لیے آئیں گے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ میری پھنکار سن کر اس کی عقل ٹھکانے پر آگئی۔ ”وہ حرافہ تھی۔ مجھے جل دے گئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ بلڈنگ سے کیسے نکلے گی۔ ابھی سیکیورٹی والوں کو انٹرکام کرتا ہوں کہ وہ میرا بٹوا چرا کر لے گئی ہے۔“

”فضول باتیں مت سوچو۔ اب دور دور تک اس کا سایہ بھی نہیں ملے گا۔“ وہ تمہاری پشت پر پیاز کتر کر چلی گئی اور تم ابھی تک مدہوش ہو۔ کسی سے کوئی ہلکی بات کی تو خود تماشا بن جاؤ گے۔ لڑکی پھر بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔“

”یہ برا بلکہ بہت ہی برا ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آئی مین اتنا حرامی ہو گا کہ لڑکیوں کو تمہارے پیچھے لگا دے گا۔ بس یار‘ اس کی چھچھورا باتوں سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ تمہاری سلمٰی بیگم اس سے باتیں کرنے میں پیش پیش تھیں۔ تمہارا بھانڈا اُن ہی نے پھوڑا ہے۔“

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس پر غصہ کرنا بے سود تھا۔ جو ہونا تھا‘ وہ ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ ان دونوں نے نامعلوم لڑکی سے میرے بارے میں کیا باتیں کی تھیں۔

”بس خوشبوؤں کے سیمپل ٹیسٹ کراتے کراتے اس نے اچانک پوچھا تھا کہ ڈینی صاحب کس فلیٹ میں رہتے ہیں اور سلمٰی بیگم بول پڑیں کہ وہ یہاں نہیں گلشن میں رہتے ہیں۔“

”اس سے کہو کہ میرے گھر کا نمبر اور پتا بھی اس چمپتی کو بتا دیا ہوتا۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”اسے معلوم ہوتا تو وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بتاتی چلی جاتی۔ وہ تو مجھے خیال آگیا کہ وہ تمہارا نام کیسے جانتی ہے۔“

”پھر اس نے کیا بتایا؟“ میں نے بے تابی سے سوال کر ڈالا۔

”کہہ رہی تھی کہ کچھ روز پہلے اس نے تم کو ہماری بلڈنگ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ کمپنی کی گاڑی میں سڑک سے گزر رہی تھی۔ اس نے بلڈنگ کا نام نوٹ کر لیا۔“

”تم چغد ہو۔ اس نے تم کو اُلّو بنا کر اپنے مطلب کی بات معلوم کر لی۔ تم نے اس سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ وہ مجھے کب سے جانتی ہے۔“

”سوچا تھا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ تمہاری کون سی بات مجھ سے ڈھکی چھپی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ سلمٰی کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو بلاوجہ تمہاری سبکی ہو گی۔ سلمٰی تمہاری بہت عزت کرتی ہے بلکہ تم کو بہت شریف آدمی سمجھتی ہے۔“

میں دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گیا۔ اس سے وہ ساری حماقتیں اس لیے ہوئیں کہ وہ نازک حملہ ایک لڑکی نے کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو جہانگیر اس کی زبان سے میرا نام سنتے ہی اس کی گردن دبوچ لیتا اور اس وقت تک اسے نہ چھوڑتا جب تک اس کا اطمینان نہ ہو جاتا۔

”اس لڑکی کا حلیہ کیا تھا؟“ میں نے اپنے گھر میں چائے

Downloaded from https://paksociety.com

کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کا تصور کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھرے بھرے بدن والی دراز قامت اور خوب صورت لڑکی تھی تم اسے دیکھ لیتے تو ذرا سی دیر کے لیے چوکڑی بھول جاتے۔ سالی کے دائیں رخسار پر ایسا قیامت کا تل تھا کہ اس پر سے نظر ہی نہیں ہٹ رہی تھی۔ اس نے تمہارا نام نہ لیا ہوتا تو میں کسی بہانے سے اسے دوبارہ ضرور بلاتا۔"

"فکر نہ کرو بیٹے۔ تمہاری بیوی نے جو گل کھلایا ہے اس کے بعد وہ دوبارہ ضرور آئے گی اور اس بار اکیلی نہیں آئے گی۔"

"آ کے دیکھے.... میں آج ہی شکایت کر کے ہر ایرے غیرے کی آمد پر پابندی لگوا دوں گا۔" اس کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

مجھے اس کے انکشاف پر فوری طور پر بہت غصہ آیا تھا لیکن بات آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ میرے غصے میں کمی آتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنے بارے میں ہر خطرے کا مکمل ادراک تھا مگر میں سروے کے لیے آنے والی لڑکی کے فریب میں آ کر اسے گھر میں لے آیا تھا۔ اگر ویرا بھر کر اسے راہ داری سے نہ بھگا دیتی تو شاید میں اسے دیر تک ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس کا دیا ہوا سوال نامہ پورے خلوص سے پر کرتا رہتا۔ میرے مقابلے میں جہانگیر اور سلمٰی نے بات کو زیادہ پھیلنے نہیں دیا تھا۔

"سلمٰی کہاں ہے؟ اس وقت تم کھل کر بول رہے ہو!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نہا رہی ہے۔" جہانگیر کی آواز سے بے زاری مترشح تھی۔ "تاکہ اپنے بدن کو نئے پرفیوم کی جادوئی خوشبو میں رچا کر مجھے پاگل کر سکے.... پاگل کہیں کی!"

"گھر میں رہو' ہوشیار رہو اور ہو سکے تو عمارت میں اجنبیوں کے داخلے پر پابندی لگوا دو۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ اس وقت ہم دونوں بہت مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمارے لیے زندگی بھر کا روگ بن سکتی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اب مجھ سے غلطی نہیں ہو گی۔ حسینۂ عالم بھی سو ٹمنگ کاسٹیوم پہن کر میرے سامنے آ گئی تو میں اپنی آنکھیں بند کر کے اسے بھگا دوں گا۔ اس عمارت میں رہنے والوں کو حق ہے کہ وہ اجنبیوں کو اندر آنے سے روک دیں۔ ہماری ڈھیل کی وجہ سے لڑکیاں آتی ہیں کل سے کوئی نہیں آئے گی۔"

"یہ بھی دھیان رکھنا کہ عمارت میں داخل ہونے میں ناکامی کی صورت میں وہ فون پر تم سے رابطہ کریں گے۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی تو سلمٰی کو باہر آتے جاتے ہوئے تنگ کر سکتے ہیں۔ نیا آئی مین بہت گھٹیا اور خبیث آدمی ہے۔ اس سے ہر حربے کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"اچھا ہی ہوا کہ میں نے تم کو فون کر لیا۔" اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ "میرا ارادہ تم سے تھوڑی سی دل لگی کرنے کا تھا لیکن تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔ تم سے میری بات نہ ہوتی تو میں دوبارہ اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ دوسری مرتبہ وہ زیادہ سے زیادہ تیاری کے ساتھ آتی۔"

"اس وقت کسی معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز نہ کرو اور مجھ سے مسلسل رابطے میں رہو۔ میں فکر مند ہو گیا ہوں کہ آخر کار انہوں نے تمہارے گھر کا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ بہت تیزی اور جانفشانی سے کام لے رہے ہیں۔ ہم کو ان کی زد سے بچنا چاہیے۔"

لڑکی کے نام کے بارے میں جہانگیر نے کچھ بتایا نہ میں نے وہ غیر ضروری سوال پوچھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس لڑکی نے جہانگیر کو اپنا فرضی نام بتایا ہو گا۔

جہانگیر نے پرفیوم بیچنے والی کا جو نقشہ کھینچا وہ ہمارے گھر کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی سے یکسر مختلف تھا۔ ہمارے دشمنوں نے دو مختلف کاموں کے لیے ایک ہی لڑکی کو استعمال کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ اس طرح آلۂ کار بننے والی لڑکی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسے کسی مشتبہ کام کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ وہ اپنے شبے کا اظہار باہر کے کسی آدمی پر کر دیتی تو ان لوگوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

ایک آدمی' ایک کام کے اصول پر کاربند رہ کر انہوں نے بہت کامیابی کے ساتھ میرے اور جہانگیر کے قریبی تعلق کا سراغ لگا لیا تھا۔ جو وقت کے دھندلکے میں ایک طویل مدت سے دھندلایا ہوا تھا۔

جہانگیر سے فون پر میری گفتگو کے دوران بھی اندر سے کسی نے دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ لوگ میری اس فون کال کو بھی میرے اور اول خان کے سنجیدہ مذاکرات کا ایک حصہ سمجھ رہے ہوں گے۔ میں نے فون بند کیا تو اول خان ہمہ تن میری طرف متوجہ تھا۔

میری یک طرفہ گفتگو سے اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن اس پر سب کچھ واضح نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر

Downloaded from https://paksociety.com

حیرت ہوئی کہ جہانگیر پر بالکل وہی وار آزمایا گیا تھا جو پچھلے روز ہم پر کیا گیا تھا۔

"ویسے تو سبھی دشمنوں کو بہت شدت سے ہماری تلاش ہے لیکن کل یہاں آنے والی لڑکی کو شاید بلیک کیٹس کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ جہانگیر کے پیچھے بن کے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی تمہاری ہی تلاش ہے مگر وہ اس میں جہانگیر کو ایک آسان زینہ سمجھ رہے ہیں۔"

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہا "تمہاری اس بات سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بلیک کیٹس کے دونوں کارندے یہاں بن سے رابطے میں ہیں۔"

اول خان نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر اپنے بیان پر غور کیا پھر اثبات میں سر ہلا دیا "رابطہ نہ ہوتا تو دونوں ایک طریقہ کیسے استعمال کر سکتے تھے؟"

"ڈیوڈ اس وقت سی نائین میں روپوش ہے۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ایسی کوئی کارروائی کر سکے۔"

"بن ڈیوڈ ایک مہرہ ہے جسے ہوا بنا کر میدان میں اتارا گیا ہے اس کی پشت پناہی کرنے والے نام اور رنک شہر میں آزاد پھر رہے ہیں۔ وہ اس کے نام پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"نہیں اول خان! یہ مشکل نظر آ رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان کی ساری توجہ را کے بچے ہوئے ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ وہ بلیک کیٹس کو کہاں تلاش کر سکتے تھے۔ تم خود بتا چکے ہو کہ بلیک کیٹس طویل مقابلے نہیں کرتے۔ کہیں بھی پہنچ کر خاموشی سے کمانڈو ایکشن کرتے ہیں اور تیزی سے لوٹ جاتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹس نے خود سی آئی اے والوں سے رابطہ کیا ہو۔" اول خان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔ سی آئی اے والے مغرور اور بد دماغ ہیں۔ انہوں نے وجے اور اس کے تینوں آدمیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے وہ ہر بھارتی ذمہ دار کے علم میں آ چکا ہو گا۔ بلیک کیٹس اپنے ہاتھوں سے غلامی کا یہ طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالیں گے۔ یہاں را کے ہوتے ہوئے ان کو بھیجا گیا ہے تو وہ امریکیوں سے دور رہ کر اپنا ہدف پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتا۔ میں مانے لیتا ہوں کہ تمہاری ہر بات ٹھیک ہے مگر اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔"

"اس وقت امریکیوں کی ساری توجہ بن کو بچانے پر مرکوز ہے۔ ہمیں اصل خطرہ بلیک کیٹس سے ہے۔ وہی جہانگیر تک پہنچے ہیں۔ لڑکیوں کے استعمال کا مشترک طریقہ کار یہ بتا رہا ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی دماغ کام کر رہا تھا۔ انہیں عجلت ہے۔ وہ جلد از جلد مجھ تک پہنچنا چاہ رہے ہیں۔"

"کچھ دیر کے لیے میری یہ بات مان لو کہ آئین سے ماورا سہی لیکن میں ایک سروس کا افسر ہوں۔ متعدد اجلاسوں میں شریک ہو چکا ہوں۔ مجھے بہت سے امریکی اور بعض بھارتی پہچانتے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھ پر دانستہ ایک اوچھا حملہ کیا گیا۔ میری حماقت سے حملہ آوروں نے یہ گھر دیکھ لیا اور مزید چھان بین کے لیے ایک لڑکی کو سرویر بنا کر یہاں بھیج دیا۔ یہاں تک بلیک کیٹس کی کارکردگی قابل فہم ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے یکایک جہانگیر تک کیسے پہنچ گئے۔"

"اس کا جواب تمہاری اپنی باتوں میں پوشیدہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جو بھارتی افسر تمہیں پہچانتے ہیں وہ میرے اور میرے رابطوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہیں۔ ویرا' غزالہ اور جہانگیر۔ یہ تین نام ایسے ہیں جو میرے دشمنوں کے لیے نئے نہیں ہیں بلکہ سلطان شاہ بھی میری وجہ سے موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ چکا ہے۔ ان لوگوں نے بلیک کیٹس کو جہانگیر کی طرف متوجہ کر دیا ہو گا۔"

"نہیں ڈینی' بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "جب انہوں نے یہ گھر دیکھ لیا تھا' ایک لڑکی تمہارے ساتھ ویرا سے مل کر جا چکی تھی تو پھر ان کو جہانگیر کے گھر جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت رہ جاتی تھی۔ اگر وہ پہلے جہانگیر کے گھر گئے ہوتے پھر ادھر آتے تو کچھ بات بن سکتی تھی۔"

"اسے یوں سمجھ لو کہ ہمارے گھر کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی بالکل ناکام لوٹی۔" میں نے اس کی الجھن کا ادراک کرتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ویرا جیسی امریکی خدوخال والی سفید فام عورت کو شستہ اردو بولتے دیکھ کر حیران نہ ہوئی ہو۔"

"میں پرانی بات دہراؤں گا کہ وہ اسے پٹھان وغیرہ سمجھی ہو گی۔" میں نے زور دے کر کہا "میں اس لڑکی سے ملا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شریف اور ضرورت مند تھی مگر چالاک نہیں تھی۔ اسے سروے کے صحیح مقصد کا علم نہیں تھا اس لیے اس نے ویرا کو نظرانداز کر دیا۔"

"ہو سکتا ہے تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" اول خان نے بے بسی سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ ویرا کی جارحانہ مداخلت نے اس سرویر کو حواس باختہ کر دیا۔ وہ کوئی صحیح نتیجہ اخذ کیے بغیر یہاں سے رفو چکر ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری وہ رات خیریت سے گزر گئی اور بلیک کیٹس نے ادھر کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی مگر آج ان کا کام بن گیا ہے۔ سلمٰی نے گلشن اقبال میں میری رہائش کا ذکر کر کے انہیں دوبارہ اس مکان کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ اب وہ کسی بھی وقت ادھر آ سکتے ہیں۔"

"کیا اس بارے میں جلال سے کوئی مدد مل سکتی ہے۔" اول خان نے قدرے خاموشی کے بعد بوجھل آواز میں پوچھا۔

"وہ ادھر آ ہی گئے تو ہمیں خود ان کا مقابلہ کرنا ہو گا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس بارے میں جلال ہماری کیا مدد کر سکتا ہے۔"

"پھر بھی اس کا باخبر رہنا ضروری ہے۔ ہم جس طرح مل جل کر کام کر رہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ تازہ ترین حالات سے ایک دوسرے کو باخبر رکھا جائے۔ نیلی ڈاج کو آگ لگنے کے بعد وہ سیدھا ہمیں خبر دینے آیا تھا۔ اسے بعد میں پتا چلا تو وہ برا مانے گا۔"

وہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔ کراچی میں بلیک کیٹس کی موجودگی ایک اہم واقعہ تھی۔ وہ بھارتی سیکرٹ ایجنٹ ہی نہیں، تربیت یافتہ دہشت گرد تھے جو کمانڈو ایکشن کے ذریعے ملک کے کسی بھی حصے میں امن و امان کو تہ و بالا کر سکتے تھے اور ان کو روکنے کی ذمہ داری شاید جلال کے محکمے کے سر ہی جاتی تھی۔

میں نے سگریٹ پھونکتے ہوئے اس بارے میں خاصا غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جہانگیر کی فون کال کے ذریعے سامنے آنے والی باتوں نے صورتِ احوال کو یکایک ایک نیا موڑ دے دیا تھا۔ جلال کا ان حالات سے بروقت باخبر ہونا ضروری تھا۔

موبائل فون کی وجہ سے ہر وقت ذاتی رابطہ کی سہولت موجود تھی۔ میں نے اسی وقت جلال کا موبائل نمبر ملایا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" رابطہ ہوتے ہی وہ بول پڑا "دونوں ڈھانچے ناقابلِ شناخت ہیں۔ آگ اتنی شدید تھی کہ ان کی ہڈیاں تک کوئلہ ہو گئی ہیں۔"

"ایک اعتبار سے یہ اچھا ہے کہ دونوں لاشیں لاوارث اور گمنام رہیں گی تو کوئی اسکینڈل کھڑا نہیں ہو گا۔"

"یہ بات اتنی سیدھی نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہے ہو۔ ان کا تیسرا ساتھی کسٹم ہاؤس پر مارا گیا تھا۔ اس کی لاش بالکل صحیح سالم ہے، را والوں کی غیر معمولی احتیاط کے سبب اس کے کپڑوں سے بھی ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کی شناخت پر روشنی ڈال سکے مگر اس کی تصویر ہر متعلقہ آدمی پہچان لے گا...."

"پہچاننے کو تو انہیں سب کچھ معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کھیل کھیلا تھا اور اس کا انجام کیا ہوا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "بات کسی اور فریق کے شور مچانے کی ہے۔ وہ غریب ڈرائیور کے ورثا ہو سکتے تھے۔ اب وہ بے خبر اور خاموش رہیں گے۔ سب کچھ وزنی فائلوں میں دفن ہو جائے گا۔"

"نیلی ڈاج کے مالک اور ڈرائیور کی شناخت سے ان کے لیے دشواریاں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک چونکی ہوئی آواز میں کہا "ارے، میں نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیوں فون کیا تھا۔"

میں نے اسے جہانگیر کے فلیٹ میں رونما ہونے والے حالات کے بارے میں بتا دیا۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ اس نے تمہیں بروقت باخبر کر دیا۔ ابھی تم کیا کہہ رہے تھے؟ جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کے داہنے رخسار پر کوئی تل تھا۔"

اس کا غیر معمولی لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی بہت اہم بات تھی۔ میں نے کہا "ہاں! جہانگیر عورتوں کے معاملے میں ذرا جمال پرست واقع ہوا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لڑکی کے تل پر سے اس کی نگاہ نہیں ہٹ رہی تھی۔ وہ اس لڑکی کی شناخت کا بہت نمایاں حصہ ہے۔"

"میں اسی لیے چونکا تھا۔ مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ... دو تین برس پہلے وہ لڑکی لاہور میں کافی سرگرم رہی ہے۔ وہ را کی ایجنٹ ہے۔ لاہور میں اس نے کئی اہم افسروں پر ڈورے ڈال دیے تھے۔ بات پھیلی تو وہ سرحد پار فرار ہو گئی۔ میں ریکارڈ دیکھ کر اس کے بارے میں تمہیں بتاؤں گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ ہمارے گھر ایک مقامی سرویر بھیجی گئی تھی۔ شاید یہ اس کی ناکامی کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر معلومات حاصل کرنے کے لیے را کی اس چالاک لڑکی نے خود خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا تھا۔

"یہ کام جلد ہو جائے تو بہتر ہو گا۔" میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وقت ملتے ہی یہ کام

Downloaded from https://paksociety.com

کر گزروں گا۔"

"بس تو پھر میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔"

"واقعات کی رفتار اچانک تیز ہو گئی ہے۔ بن اور سی آئی اے والے مل کر کوئی نیا گل کھلانے کے چکر میں ہیں۔ ادھر بلیک کیٹس کی آمد کی خبریں ہیں۔ اب تم تل والی لڑکی کی کہانی سنا رہے ہو۔ کوئی بھی فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔"

"بن کا قصہ تو شاید آج ہی پاک ہو جائے۔ ہم ادھر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"ٹھنڈے دل سے اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس طرف جاؤ اور بلیک کیٹس تمہارے گھر پر ٹوٹ پڑیں۔ تم جانتے ہو کہ پیشہ ور ایجنٹوں کا کمانڈو ایکشن کس قدر تیز اور خطرناک ہوتا ہے۔ اس وقت ان کا مقابلہ زیادہ اہم ہے۔"

"تمہاری یاد دہانی کا شکریہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون سا قدم اٹھانا ہمارے لیے سود مند رہے گا۔"

اس سے بات ختم ہو گئی۔ اول خان نے جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کے بارے میں جلال کی رائے سنی تو اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "مجھے بھی کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ را کے خطرناک ایجنٹوں سے ایس ٹی ایف باخبر رہتی ہے تاکہ پاکستان کی سرزمین پر ان کی حرکتوں کا انسداد کر سکے۔ وہ لڑکی لاہور میں بہت تیز و طرار ثابت ہوئی تھی۔"

"تم بھی یاد کرنے کی کوشش کرو۔ رفتہ رفتہ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ بلیک کیٹس یہاں موجود ہیں۔ ویسے حیرت ہے کہ اس بار انہوں نے ایک لڑکی کو یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید انہیں توقع ہو گی کہ مردوں کی بھیڑ میں وہ آسانی سے اپنی راہ بنا سکے گی۔" اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ وہ جہانگیر کے گھر میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کی جگہ مرد ہوتا تو جہانگیر اسے دروازے سے ہی رخصت کر دیتا۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"بن کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کرو اور گھر میں رک کر آنے والوں کا انتظار کرو۔"

"ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ادھر آ جائیں۔ ہم کب تک ان کے انتظار میں رکے رہیں گے؟" میرے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ باہر تمہارے ایک اسٹرائیک یونٹ کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ اندر تین دلیر نفوس موجود رہیں گے۔ آنے والوں کے لیے یہ نفری کافی ہو گی۔"

"تمہیں رکنے کا مشورہ دینے کا سبب بھی وہی ہے جو تمہیں ساتھ لے جانے کا ہے۔ تمہاری موجودگی سے دل کو ڈھارس رہتی ہے۔ تم صحیح وقت پر تیزی سے صحیح فیصلے کر کے حالات کو اپنے حق میں ڈھال لیتے ہو۔ شاید اپنی اسی صلاحیت کی وجہ سے تم آج تک اپنے دشمنوں سے بچے ہوئے ہو۔"

"بلیک کیٹس یہاں ہم سے مذاکرات کرنے کے لیے نہیں آئیں گے۔ وہ بارود اور گولیوں کی زبان میں بات کریں گے۔ اس کا جواب دینے کے لیے صرف دلیری اور بے خوفی درکار ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہماری پوری نفری ان صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔"

"تم بن کی طرف جانے پر مصر ہو؟" اس نے براہِ راست پوچھ لیا۔

"ایک غیر یقینی مقابلے کے انتظار میں ہم یقینی شکار کو آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ وہ مسلسل بھاگتا چلا آ رہا ہے اور اب صرف دو چوکیداروں کے رحم و کرم پر ہے۔ خدا خدا کر کے سی نائین کا سراغ ملا ہے تو ہمیں ادھر چل دینا چاہیے۔ یہ بن پر ہاتھ ڈالنے کا بہترین موقع ہے۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو ہم دیر تک پچھتاتے رہیں گے۔"

آخر کار ہم نے رات کا کھانا جلد کھا لینے کے بعد دس بجے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

○☆○

وہ ڈیفنس کا ایک کمرشل علاقہ تھا جہاں بیشتر دکانیں وغیرہ بند ہو چکی تھیں۔ لیکن بیکریاں اور سوا سلف کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ مجموعی طور پر وہاں وہ رونق مفقود تھی جو بھرے پرے بازاروں میں نظر آتی ہے۔ ہر چیز پر ایک جمود اور ٹھہراؤ سا طاری نظر آ رہا تھا۔

سی نائین ایک دہری سڑک پر کئی خالی پلاٹوں کے درمیان کھڑی ہوئی ایک اکلوتی عمارت تھی۔ وہاں قرب و جوار کی عمارتوں کی زیریں دکانوں میں بیشتر موٹر ورکشاپ وغیرہ تھے جو اس وقت بند ہو چکے تھے۔ ان کے باہر کھڑی ہوئی بھانت بھانت کی گاڑیاں اپنی زبانِ حال سے یہ اعلان کر رہی تھیں کہ وہاں انجنوں کی دیکھ بھال سے رنگ و روغن کی مرمت تک کا کام ہوتا تھا۔ وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد زیادہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہاں ساری سہولتیں آس پاس ہی دستیاب تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے سست روی سے سی نائین کے سامنے سے گزرتے ہوئے عمارت کا ناقدانہ جائزہ لیا تو اس کا مین روڈ کا دروازہ بند تھا۔ باہر کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت کی تعمیر میں بہت فراخ دلی سے شیشہ استعمال کیا گیا تھا۔ اس وقت تمام شیشوں کے پیچھے گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ ظاہری طور پر اس عمارت کے آباد ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

اول خان مجھ سے پہلے اس خم دار' ڈھری سڑک سے گزر چکا تھا جہاں سی نائین کے سامنے کھیل کا تاریک میدان پھیلا ہوا تھا۔ اول خان کا ارادہ اسی میدان کے کسی تاریک حصے میں اپنی گاڑی چھوڑنے کا تھا۔ ہمیں اپنے آپریشن کے دوران پیدل رہ کر عمارت تک پہنچنا تھا۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق اس کمرشل ایریا میں دو سو گز رقبے کے پلاٹوں کی قیمت بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے تعمیری منصوبہ بندی میں زیادہ فراخ دلی سے کام لینا ممکن نہیں تھا۔ بیشتر عمارتوں میں داخلی راستہ زینوں کے ساتھ ہی عقبی گلی میں رکھا گیا تھا۔ اس طرح سامنے کے رخ پر ایک دکان کی زیادہ جگہ نکل آتی تھی لیکن سی نائین سمیت بہت سی ستھری عمارتوں میں ایک فاضل دکان کی قربانی دے کر آمدورفت کا راستہ سامنے کے رخ پر رکھا گیا تھا تاکہ اوپر کے فلیٹوں میں رہنے والے مکینوں کو ہر وقت پچھلی گلی کے تنگ اور گندے ماحول میں سے نہ گزرنا پڑے۔

میں نے اپنی گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی زیر مرمت گاڑیوں کے ساتھ پارک کر کے مقفل کر دی۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے دس بجنے میں چند سیکنڈ باقی تھے۔ میں منتظر رہا اور جوں ہی روشن ڈائل پر ساڑھے دس بجے میں نے اندھیرے میں کھڑے کھڑے' ایس ٹی ایف کے اپریٹس کا بٹن دبا کر اسٹرائیک یونٹ والوں کے ساتھ اول خان کے لیے پیغام نشر کر دیا کہ میں اپنی جگہ سے پیش قدمی کے لیے تیار تھا۔

اپریٹس جیب میں واپس رکھتے ہوئے مجھے اچانک بیم گن یاد آئی جو میں نے گھر سے روانگی سے پہلے اپنی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی تاکہ چلتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے لوں لیکن اس بے نظیر ہتھیار کا کسی جیب میں کوئی پتا نہیں تھا۔ میں گھر سے چلتے ہوئے اپنا وہ ہتھیار ساتھ لینا بھول گیا تھا۔

مجھے یکایک اپنے اوپر غصہ آگیا۔ وہ میری سنگین بھول تھی۔ اس اہم معرکے میں بیم گن کا میرے ساتھ ہونا بہت ضروری تھا۔

ہمارا بزدل دشمن کسی چوہے کی طرح اپنی کمین گاہ کے اندھیرے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ ہمیں اندر گھس کر اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ اپنی ابتدائی منصوبہ بندی میں ہم نے اس نکتے کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ بن سے دست بدست لڑائی میں بیم گن ایک بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی۔

اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گھر فون کر کے سلطان شاہ کے ذریعے بیم گن منگواتا۔ گھر پر دو عورتوں کے ساتھ وہ اکلوتا مرد رہ گیا تھا۔ گھر پر بلیک کیٹس کی طرف سے حملے کا اندیشہ قوی تھا۔ اگر وقت ہوتا تب بھی سلطان شاہ کو اس وقت گھر سے ہٹانا آسان نہ ہوتا۔

میں نے تن بہ تقدیر ہو کر بیم گن کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے پاس فاضل راؤنڈز کے ساتھ ایک بھرا ہوا ماؤزر اور دوسرا پستول موجود تھا۔ وقت پڑنے پر وہ میرے لیے کافی ثابت ہو سکتے تھے۔ ویسے بھی میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ ہتھیار استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

دس بج کر پینتیس منٹ پر اچانک فضا ایک ہولناک فائر کی آواز گونج اٹھی۔ فائر کی گونج کے ساتھ شیشہ ٹوٹنے کا پُرشور چھناکا ہوا اور ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے سی نائین کی اوپری منزل سے چھنا چھن نیچے آرہے۔ اول خان نے پہلی گولی چلا کر مقابلے کا آغاز کر دیا تھا۔

"اوئے خدائی خوار! کون ہے؟" سی نائین کی تین منزلہ عمارت کی چھت سے ایک ڈری ڈری' بھاری چیخ ابھری۔

یہ یقین ہو گیا کہ دو میں سے کم از کم ایک چوکیدار عمارت کی چھت پر موجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی بھی اسی کے ساتھ ہو اور ان دونوں کا پراسرار مہمان عمارت کی کسی نچلی منزل پر چھپا ہوا ہو۔ اس وقت تک ہمارے سامنے اس مہمان کی موجودگی کا کوئی کھلا ثبوت نہیں آیا تھا۔

پروفیسر ڈونلڈ کی زبان سے سی نائین کا تذکرہ اور پھر سی نائین کے چوکیداروں کی غیر معمولی خریداری سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی تھی کہ ہمارا مطلوبہ آدمی اس عمارت میں چھپا ہوا تھا' جس پر اول خان نے اپنی چاند ماری کا آغاز کر دیا تھا۔ مقابلے میں کوئی دو طرفہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد ہی صحیح صورتِ حال سامنے آسکتی تھی۔

اول خان کی طرف سے دوسری گولی چلائی گئی۔ اس مرتبہ پھر شیشے بکھر گئے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ اس علاقے کی کھلی ہوئی دکانیں تیزی سے بند ہو رہی تھیں اور لوگوں نے

Downloaded from https://paksociety.com

اندھی گولیوں کی زد سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے مخالف سمتوں میں دوڑ لگا دی تھی۔

میرے ساتھ اول خان بھی اس رائے سے متفق تھا کہ ٹام اور رنک نے بن کو سی نائین میں بالکل بے یارومددگار نہیں چھوڑا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر زائبنے کا کوئی ایسا آلہ دیا ہوگا جس پر وہ ہنگامی صورت حال میں ان دونوں سے رابطہ کر سکے۔ میرا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ اس وقت بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے سرپرستوں کو درپیش حالات سے آگاہ کر رہا ہو گا۔

اسے خوف زدہ کرنے کے لیے دو فائر کیے جا چکے تھے۔ ان کے بعد اول خان کا ایک آدمی سی نائین کے بند دروازے پر پہنچ کر اسے پیٹ رہا تھا۔ بقیہ تین میں سے ایک نے سی نائین سے ملحق خالی پلاٹ پر جا کر اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ اسٹرائیک یونٹ کے بقیہ دو کارندے اپنی باریوں کے منتظر تھے۔

میں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایم ففٹی نکالا اور بٹن دبا کر بن کو اس کے نام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔

میرے تیسرے پیغام کے بعد اس کی پُرسکون آواز سنائی دی۔ "تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟" اس نے آواز کی حد تک پرسکون رہنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی آواز سے سارا تحکم رخصت ہو چکا تھا۔ "میں تمہاری کمین گاہ کے نیچے موجود ہوں۔ تعارف کے لیے تمہارا اتنا جاننا کافی ہے۔"

"پتا نہیں تم کیا بک رہے ہو۔ کیسی کمین گاہ۔ میں آرام سے اپنے گھر پر ہوں۔ تم کون ہو اور تم کو یہ ٹرانسمیٹر کہاں سے ملا۔"

"آج کسٹم ہاؤس پر ایک نامعلوم اور مشتبہ آدمی کو کسی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ اپریٹس مقتول کے قبضے میں تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم کوئی پولیس افسر ہو۔ تم کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔"

"یہ بات اب پورے شہر کو معلوم ہو چکی ہے کہ تم آئی مین کا روپ دھار کر یہاں غیر قانونی حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ پاکستان کے شہری اتنے خبیث ہیں تو میں بھول کر بھی ادھر نہ آتا۔"

"تمہاری شامت تمہیں یہاں لے آئی ہے تو اب نتیجہ بھگتنے کی بھی تیاری کر لو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم سی نائین کے کسی کمرے میں موجود ہو۔" یہ کہہ کر میں نے بٹن چھوڑ دیا۔

اچانک فضا سب مشین گن کے مختصر سے نغمے سے گنگنا اٹھی۔ میری پوری توجہ اپریٹس پر مرکوز تھی۔ فائرنگ کی وہ آواز اپریٹس سے بھی سنائی دی اور پھر معدوم ہو گئی۔ شاید بن نے بات کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد ملتوی کر دیا تھا۔ یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ اس کی آواز کے ساتھ فائرنگ کا شور بھی ریڈیائی لہروں پر نشر ہو گا اور اس کے اس دعوے کا بھانڈا پھوڑ دے گا کہ وہ سی نائین کے بجائے کسی اور محفوظ مقام پر روپوش تھا۔

"تمہاری آواز کے ساتھ مجھے کچھ فائرنگ کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ کیا تم مجھے ریکارڈنگ سنا کر ڈرانا چاہ رہے ہو۔" اس کی آواز ابھری پھر وہ غرایا "کیا سب مر گئے ہو۔ کوئی یہ بکواس نہیں سن رہا۔"

"مائی ڈارلنگ بن! واقعی سب مر چکے ہیں۔ وجے' تریا ٹھی' سیٹھی اور راجو میں سے کسی ایک کا اپریٹس میرے ہاتھ آیا ہے۔ باقی تین' مرنے والوں کی لاشوں کے ساتھ ضائع ہو گئے۔ اب اس ایم ففٹی پر صرف ہم دونوں رابطے میں رہ گئے ہیں۔"

"تم نے مجھے کیوں چھیڑا ہے۔ مجھ سے تم کیا چاہتے ہو؟"

"سی نائین بھاری محاصرہ میں ہے۔ ابھی شیشے ٹوٹ کر گر رہے ہیں پھر کنکریٹ کے ڈھیر گرنے لگیں گے اور تم ان میں دفن ہو کر رہ جاؤ گے۔ شرافت سے خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"میں ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تم پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنے کے بعد بھی میرا سراغ نہیں لگا سکو گے کیونکہ میں یہاں نہیں ہوں۔ اب میں اپریٹس آف کر رہا ہوں۔ اس پر مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

اس کی آواز معدوم ہونے کے بعد میں نے اسے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میری کال نے اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر اپنا اپریٹس واقعی آف کر دیا تھا۔ باہر سے چلنے والی گولیوں نے میری باتوں کا وزن بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔

دورانِ گفتگو اس نے مجھے جھٹلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن آخر میں اس سے نفسیاتی چوک ہو گئی تھی۔ اس نے 'میں یہاں نہیں ہوں' کے الفاظ استعمال کر کے لاشعوری طور پر بات اگل دی تھی کہ وہ سی نائین میں ہی موجود تھا۔ اس کا ثبوت اگلے ہی لمحے سامنے آگیا۔ سی نائین کی تیسری

Downloaded from https://paksociety.com

منزل سے دو پُرشور شعلے اس ویران میدان کی طرف گئے تھے جہاں اول خان موجود تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر بن سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس بار بھی انتظار کے باوجود ناکامی ہوئی۔

اس دوران میں دروازے پر موجود شخص نے اندر سے کوئی جواب نہ پا کر گولی سے دروازے کا قفل توڑ دیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پھرتی سے اپنے قدم بدلے اور یکایک دروازے کے سامنے آکر گولیوں کا ایک تیز برسٹ زینوں کی بلندی کی طرف فائر کر دیا۔ وہ کھلا اعلان تھا کہ بن کے شکاری اس کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔

اچانک فضا ایک شدید دھماکے سے لرز اٹھی۔ سڑک کے کنارے، میدان سے دھول اور کنکروں کا ایک زبردست غبار پھیلا جو میرے بدن تک بھی آیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ سی ٹائین سے پھینکا جانے والا وہ ہینڈ گرینیڈ سڑک سے زیادہ دور تک نہ جا سکا ورنہ اول خان ملبے کی زد میں آکر بری طرح زخمی ہو سکتا تھا۔

ہینڈ گرینیڈ کا استعمال بن کے جنون کی نشان دہی کر رہا تھا۔ میں نے ایس ٹی ایف والے اپریٹس پر مخصوص کوڈ ٹنشر کیا۔ اسی لمحے سی ٹائین میں بھونچال آگیا۔ ایس ٹی ایف والوں نے عمارت پر آنسو گیس کے دو گولے داغ دیے تھے اندھیرے میں کچھ زیادہ نظر نہیں آرہا تھا۔ زینے سے عمارت میں گھسنے کی کوشش خودکشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔ میں نے خالی پلاٹ پر موجود آدمی کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ اپنے گردوپیش میں ہونے والے دھماکوں سے یکسر بے پروا ہو کر سی ٹائین کی دوسری منزل کے ایک بغلی روشندان میں وزنی آنکڑا پھنسانے میں کامیاب ہو چکا تھا اور بے فکری سے زور لگا کر آنکڑے کے ذریعے زمین تک آئی ہوئی مضبوط رسی کا جائزہ لے رہا تھا۔

اوپر سے چند ثانیوں کے وقفے سے مزید دو بم پھینکے گئے اور زمین دور تک لرز اٹھی۔ وہی بم ہاتھ کے بجائے کسی لانچر وغیرہ سے داغے گئے ہوتے تو آسانی سے اول خان کے چیتھڑے اڑا ڈالتے۔ ان کی رسائی پہلے دستی بم سے بہت زیادہ نہیں تھی۔ وہ بن کے لیے بہت کڑا وقت تھا۔ وہ تحفظ کے خیال سے اس عمارت میں اکیلا تھا اس لیے وہ زیادہ پیچیدہ دفاعی ہتھیاروں سے لیس نہیں تھا۔ اسے اس کے مربیوں نے ایسے ہتھیاروں سے لیس کیا تھا جن کو وہ اپنی مرضی سے آزادانہ استعمال کر سکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ بن کی کمین گاہ کو نرغے میں لے لیا جائے گا۔ اس لیے اسے لانچر وغیرہ سے چلائے جانے والے بڑے اور طاقت ور ہتھیار شاید نہیں دیے گئے تھے۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے ٹھک ٹھک کی پُرشور آوازوں کے ساتھ آنسو گیس کے مزید آٹھ گولے قلیل سی مدت میں سی ٹائین میں پھاڑ دیے۔

باہر سے شاید دیکھ لیا گیا تھا کہ بن کہاں تھا اس لیے گولوں کا رخ دوسری اور تیسری منزل کی طرف تھا۔

اول خان اور اس کے آدمیوں کو یہ کھلی برتری حاصل تھی کہ وہ کھلی فضا میں آزادی سے نقل و حرکت کر سکتے تھے جب کہ بن ڈیوڈ سی ٹائین کے پنجرے میں بند تھا۔ عمارت میں آنسو گیس کے آٹھ گولے پہنچانے کے بعد ایس ٹی ایف والے وقفے وقفے سے فائرنگ پر اکتفا کر رہے تھے۔ بن بھی اسی انداز میں اِکّا دُکّا فائر کر کے انہیں یہ جتا رہا تھا کہ آنسو گیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے نقل و حرکت اور فیصلے کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

میں نے اپنا پورا وزن ڈال کر اوپر پھنسے ہوئے آنکڑے کی گرفت اور رسی کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر افقی دیوار پر پیر جما کر، رسی کے سہارے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ تجربہ میرے معمولات کا حصہ نہیں تھا۔ پوری زندگی میں شاید ایک آدھ بار ہی ایسی کسی کوشش کی نوبت آئی ہو گی۔ مگر مجھے یہ اچھی طرح یاد تھا کہ اسکول میں اسکاؤٹنگ کی تربیت کے دوران مجھے رسی کے ذریعے بلندی پر چڑھنے کی مشق کرائی گئی تھی اس کے اہم نکات میرے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ تھے۔ اس وقت معاملہ بن ڈیوڈ کا تھا اس لیے میری ساری صلاحیتیں خود بخود بروئے کار آرہی تھیں۔ میں پیر دیوار پر ٹکاتا اور تاریک فضا میں ہچکولے کھاتا ہوا تیزی سے اوپر جانے لگا۔

رسی سے تنگ روشندان میں داخل ہونے میں مجھے خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف گہرا اندھیرا تھا اور فضا میں آنسو گیس کی ہلکی سی بو بھری ہوئی تھی۔

میں نے روشن دان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر کے نیچے جھانکا اور رسی کو خفیف سا جھٹکا دیا۔ خالی پلاٹ کی تاریکی میں کھڑا ہوا اکلوتا انسانی ہیولا حرکت میں آیا اور دیوار کے سائے میں غائب ہو گیا۔ اس کے دیوار سے چپک جانے کے بعد نیچے میدان صاف ہو گیا تھا۔

میں نے رسی کے سرے سے بندھا ہوا پلاسٹک کا نکیلا اور وزنی آنکڑا روشن دان کی چوکھٹ سے نکالا اور فضا میں دور اچھال دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ادھر سے فارغ ہوتے ہی میں کود کر فرش پر اتر گیا۔

آنکھوں کو اس اندھیرے سے مانوس ہونے میں چند لمحے لگے۔ اس دوران میں مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ نئے مکان کا غیر استعمال شدہ باتھ روم تھا۔

اپنے چڑھے ہوئے سانس بحال کرنے کے بعد میں نے باتھ روم کا دروازہ کھولا تو آنسو گیس کی تیز بو کے ساتھ آنکھوں میں شدید جلن ہونے لگی۔ میں نے بہت مشکل سے اپنی غیر ارادی چیخ روکی ہی تھی کہ اچانک میرے جبڑے پر ایک زوردار مکا لگا اور اندھیرے میں کوئی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

میں نے بہت سرعت سے خود کو سنبھالا' آنکھوں اور نتھنوں میں شدید سوزش ہو رہی تھی۔ میرا حریف پہل کا فائدہ اٹھا چکا تھا پھر بھی میں اس سے لپٹ گیا اور پہلے زور میں اسے دھکیل کر باتھ روم کے دروازے سے دور لے گیا۔

ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہونے کی وجہ سے ہاتھ چلانے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔ میرے دراز قامت اور توانا حریف نے میری پیشانی پر ٹکر رسید کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے چہرے پر گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اتنی دیر میں میرے لیے اپنی آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔ میرا حریف انگریزی میں دبی دبی غراہٹوں کے ساتھ مجھے رگیدے ڈال رہا تھا۔ اچانک میرا داہنا گھٹنا چل گیا۔ اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر اچانک پڑنے والی وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ ایک بے ساختہ چیخ مار کر دہرا ہو گیا۔

میں نے بڑھ کر اس کے چہرے پر کئی تابڑ توڑ مکے برسا دیے۔ ان ضربات کے نتیجے میں اس کا گیس ماسک اس کے چہرے سے اتر گیا اور اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"تم .... حرام زادے .... میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا" وہ انگریزی میں غرایا اور بات واضح ہو گئی کہ وہ بن ڈیوڈ تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ کھانستا ہوا سیدھا ہو گا تو میں اس کے چہرے کی مزید تواضع کروں گا لیکن اس نے ایک حیران کن حرکت کی اور پلٹ کر اچانک ایک طرف دوڑ پڑا۔

وہ فلیٹ نیا اور غیر آباد تھا اس لیے وہاں کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ میں بن کا پیچھا کرتا ہوا سیڑھیوں پر آ گیا۔ آنسو گیس اس کے لیے سخت اذیت کا باعث بن رہی تھی اس لیے وہ بند فلیٹ سے نکل کر اوپر جا رہا تھا۔

میں دوسری منزل سے اس عمارت میں گھسا تھا۔ وہ تیسری منزل پر بھی نہیں رکا تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ چھت کی کھلی فضا میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا رہا۔

وہ آخری سیڑھیوں پر تھا کہ اچانک اس کی بائیں پنڈلی میرے ہاتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا اور وہ منہ کے بل' پورے زور میں' کنکریٹ کے زینوں پر گر گیا۔ بن کے حلق سے نکلنے والی دوسری بے ساختہ چیخ بہت بلند آہنگ اور کریہہ تھی۔

میں نے بڑھ کر اس کے بال پکڑے اور ایک مرتبہ پھر اس کا چہرہ زینوں پر دے مارا۔ زینوں پر اس سے لڑنا خطرناک تھا۔ میں اسے دوسری زک پہنچاتے ہی کھلی چھت پر نکل گیا۔

تازہ ہوا میں نکل آنے کے باوجود میری آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی اور آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ مجھ سے بس لمحہ بھر کی چوک ہوئی۔ میں پستول نکالنے ہی والا تھا کہ بن کسی دیو پیکر عفریت کی طرح ایک بار پھر میرے اوپر آ پڑا۔

اس کا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا۔ اس نے گیس ماسک نوچ کر دور پھینک دیا تھا۔ اس بار اس کے جسم میں نہ جانے کہاں کی طاقت امڈ آئی تھی کہ اس نے مار مار کر ذرا سی دیر میں مجھے نڈھال کر دیا۔

اس دوران میں عمارت کے دونوں چوکیدار سہمے ہوئے انداز میں ایک طرف کھڑے رہے۔ ان میں سے کسی نے ہماری لڑائی میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کی چھٹی حس نے شاید انہیں یہ بتا دیا تھا کہ کسی چور کی طرح چھپے ہوئے گورے کے مقابلے میں آنے والے سرکاری آدمی ہو سکتے ہیں جن سے الجھنا ہمیشہ مہنگا پڑتا ہے۔

"روشنی کرو!" میں نے چیخ کر کہا اور اگلے ہی لمحے چھت روشن ہو گئی۔ بے ضرر کام کرنے میں چوکیداروں کو کوئی تامل نہیں تھا۔

شاید میرے پھیپھڑوں میں آنسو گیس کی بھاری مقدار پہنچ چکی تھی۔ میرے ہاتھ پیر کافی سست ہو رہے تھے۔ مواقع ملنے کے باوجود میں بن کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے آنسو گیس سے بھرے ہوئے فلور ریگس ماسک پہنا ہوا تھا اس لیے اس کی حالت زیادہ ابتر نہیں تھی۔

آخر کار وہ مجھے سینے کے بل فرش پر گرا کر میری پشت پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مقابلے کے دوران میں ہی اس نے میری بھری ہوئی جیبیں تاڑ لی تھیں۔ اس نے میری سب جیبیں خالی کیں' ماؤزر اور پستول کے ساتھ دونوں اپریٹس لے کر وہ اچانک میری پشت سے اتر گیا۔

اس مار دھاڑ میں اس کا ہتھیار شاید کہیں گر چکا تھا۔

فضا میں رہ رہ کر فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان اور اس کے آدمی میرے کسی اشارے کے انتظار میں اپنی جگہوں پر رکے ہوئے تھے۔

"ہینڈز اَپ!" مجھے فرش سے اٹھتا دیکھ کر بن نے اچانک میرے اوپر ماؤزر تان لیا "ذرا بھی حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

اس کا خون میں نہایا ہوا زخمی چہرہ اس وقت بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ مجھے گولی مارنے میں تامل نہیں کرے گا۔ میں نے خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھادیے۔

بن ڈیوڈ اناڑی نہیں تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ایم ففٹی اور پستول کو جیب میں رکھ لیا پھر ایس ٹی ایف والے اپریٹس کو اپنے منہ کے قریب لاکر' ٹرا نسمیٹنگ بٹن دباتے ہوئے بولا "تم جو بھی ہو' کان کھول کر سن لو کہ فائرنگ بند نہیں ہوئی تو میں تمہارے آدمی کو گولی ماردوں گا' میں نے اسے پکڑلیا ہے۔"

دوسری طرف سناٹا چھایا رہا۔ وہ بری خبران لوگوں کے لیے صدمے سے کم نہیں تھی۔ ہمارے اپریٹس پر بن کی آواز اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ سچا تھا۔

فضا میں سناٹا چھاگیا۔ ایس ٹی ایف والے فائرنگ بند کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

"تمہارا آدمی مسلسل میرے نشانے پر ہے۔ اس کی زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ میں اسے ریوالور کی نال پر یرغمال بنا کر اتروں گا اور نکل جاؤں گا۔" بن نے خاصے انتظار کے بعد دوسرا پیغام نشر کیا "کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

"ہم نے تمہارے دونوں پیغام سنے ہیں" اول خان کی مجروح سی آواز ابھری "کیا میں اپنے آدمی سے بات کرسکتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں" بن نے سختی سے انکار کردیا "اس وقت میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں صرف اپنے حکم کی تعمیل چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم جارہے ہیں" اول خان کے پاس اپنی شکست تسلیم کرنے کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی "تم یہاں سے کتنی دیر میں نکل جاؤ گے؟"

"یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔ تم لوگ جاؤ' صبح تک اس علاقے میں کوئی مشکوک سایہ نظر نہیں آنا چاہیے۔"

"زیادہ دیر تک رک کر تم ہمارے آدمی کی زندگی خطرے میں ڈال دوگے۔ گولیاں رکنے کے بعد تماشائی سی ٹائین کو گھیرلیں گے۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو" بن غصے میں دہاڑا "جب تک میں خطرے سے نہیں نکل جاتا' مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔"

"ہمارے آدمی کو تم کہاں چھوڑوگے؟" اول خان کی آواز سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

"سب کچھ اس کے اپنے اوپر منحصر ہے" بن نے ہڈیوں نے اترجانے والی سرد آواز میں کہا "اس نے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش کی تو مارا جائے گا۔"

"اوکے بن! ہم اسی وقت واپس جارہے ہیں" اول خان کے پاس کوئی دوسرا جواب نہیں تھا۔

بن نے اپریٹس اپنی پہلے سے بھری ہوئی جیب میں اڑس لیا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو' ڈینی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اس نے ماؤزر کی نال کو سفاکی سے جنبش دیتے ہوئے سوال کیا۔

ناکامی کے اس گھور اندھیرے میں وہ میری پہلی کامیابی تھی کہ وہ ازخود مجھے ڈینی ماننے سے منکر تھا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی اس خود اعتمادی نے میرا اعتماد کسی حد تک بحال کردیا تھا۔

"میں کسی ڈینی کو نہیں جانتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں پولیس کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"پولیس ٹاؤٹ ہو؟" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "تم نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ پتا نہیں تم کو اپنی منحوس صورت لے کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے ڈینی کو پکڑلیا ہے مگر تم نے میری امیدوں پر پانی پھیردیا۔"

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میرے ڈینی نہ ہونے کے بارے میں اتنا پُریقین کیوں تھا مگر میں اس سے براہِ راست وہ سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے پژمردہ آواز میں جواب دیا "ڈینی کا نام میرے لیے اجنبی ہے۔ اگر میرے ڈینی ہونے سے تم کو خوشی ہوسکتی ہے تو تم مجھے شوق سے ڈینی کہہ سکتے ہو۔ ویسے بھی لڑائی ہارجانے والے کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

"ڈینی!" وہ عجیب اور بھیانک آواز میں ہنسا اور بولا۔ "کسی وقت وہ بھی اپنے چاروں ہاتھ پیروں پر چلتا ہوا میرے سامنے آئے گا۔ میں نے بیم گن کی امید میں تمہاری جامہ تلاشی لی تھی۔ وہ ڈینی کی پہچان ہے۔ اگر تمہارے پاس سے وہ

Downloaded from https://paksociety.com

گن مل جاتی تو میں تمہارا بھیجا اڑا چکا ہوتا۔ تم جیسے دو ٹکے کے آدمی کو میں اس کا متبادل نہیں سمجھ سکتا۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ دونوں صحت مند چوکیدار بتوں کی طرح ایک ہی پوزیشن میں گم صم کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سی ناٹین میں اچانک کیا کھیل شروع ہوگیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ انہوں نے اندھادھند اپنے سفید فام مہمان کا ساتھ دینے کے بجائے غیر جانبداری اختیار کی ہوئی تھی۔ شاید زبان کے مسئلے کی وجہ سے بن ڈیوڈ انہیں اپنے اعتماد میں لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ بس اشاروں کنایوں کے ذریعے ان سے اپنی ضروریات پوری کروالیتا تھا۔

پورے تصادم میں، میں نے صرف ایک بار ان کو روشنی کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے مشینی انداز میں اس کی تعمیل کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ مزید کوئی ضرورت پیش آئی اور میں ان کی ہمدردیاں جیتنے میں کامیاب رہا تو وہ بن کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں گے۔

"یہ میری دہری بدقسمتی ہے کہ میں تم سے ہار گیا اور تم مجھے وقعت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم معمولی ٹاؤٹ ہوکر بھی اتنی اچھی انگریزی بول لیتے ہو؟" اس نے گہرے طنز سے کہا۔

"سر! یہ غریب ملک ہے۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ اس سے بھی گھٹیا کام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کے لیے فوری خیال کے تحت اسے سر کا رتبہ دے ڈالا۔

"تم یہاں کتنی نفری کے ساتھ آئے تھے؟" بن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"میرے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ کچھ لوگ پہلے سے چھپے ہوئے ہوں تو مجھے پتا نہیں۔"

"ان لوگوں کو یہاں بھیجنے کے لیے صرف تم ملے تھے، پولیس کمانڈو کہاں مرگئے تھے؟"

مجھے ڈیفنی تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی وہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ میں نے نیچی آواز میں کہا۔ "انہوں نے اپنے آدمی کو بچاکر مجھے قربانی کا بکرا بنایا ہے۔ دیکھ لو کہ میں تمہارے ہاتھوں پکڑا گیا۔ میری جگہ کوئی پولیس والا ہوتا تو وہ مارا جاتا..... دراصل میں کمنڈال کراوچی بلڈنگوں میں چوریاں کیا کرتا تھا۔ میرے اس ریکارڈ نے آج مجھے مروادیا۔"

اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی لیکن وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

اس دن میری ایک بھول یا غلطی میرے کام آئی تھی۔ اگر میں نے گھر سے نکلتے ہوئے اپنی ڈریسنگ ٹیبل سے بیم گن اپنے ساتھ لے لی ہوتی تو اس وقت تک نہ جانے کیا کچھ ہوچکا ہوتا۔ جو حالات یکایک رونما ہوئے تھے ان میں بیم گن سے کوئی مدد نہیں لی جاسکتی تھی مگر وہ میری گردن ضرور پھنسوادیتی۔

یہ غیبی تائید تھی کہ اس وقت میری بھول کسی حد تک میری عافیت کا ذریعہ بن گئی تھی۔

"تم عمارت سے باہر نکلتے ہوئے اپنے ہاتھ نیچے گرالو گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری انگلی ہر لمحے ماؤزر کے ٹریگر پر تیار رہے گی۔ میری ہدایت کے مطابق چلتے رہنا۔ تم گاڑی سے آئے ہو؟"

آخری سوال اس نے اچانک پوچھا تھا لیکن میں نے پلک جھپکتے میں جواب سوچ لیا "میں پولیس والوں کی وین میں آیا تھا۔"

"ٹھیک ہے، پھر تم میری گاڑی چلاؤ گے" اس نے بتایا۔

دلچسپ ترین سلسلہ "آتش فشاں" کے
حصہ نمبر 3 اور 4 شائع ہوگئے ہیں

بڑے شہروں میں ہمارے سول ایجنٹ یہ ہیں

الکوثر نیوز ایجنسی — فریئر مارکیٹ۔ کراچی — فون: 7723601

شفیق نیوز ایجنسی — اخبار مارکیٹ۔ 1 اسپتال روڈ لاہور۔ فون: 7236688 — 0300-9477121

اشرف بک ایجنسی — کمیٹی چوک۔ راولپنڈی — فون: 5531610

مہران نیوز ایجنسی — اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد — فون: 780128

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
رضوان چیمبرز، بلور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ
فون: 5802551 فیکس: 5802552-5895313
kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

"ہمیں کہاں جانا ہوگا؟" میں نے اس کے پروگرام کے تسلسل سے فائدہ اٹھا کر سوال کر ڈالا۔

"بس میری ہدایات پر عمل کرتے رہنا۔ انحراف کیا اور گولی چلی" اس نے مجھے دھمکی دی پھر ماؤزر کی نال سے زینے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

باہر سے ایس ٹی ایف والوں نے فائرنگ روک دی تھی۔ اول خان نے بن سے واپس لوٹ جانے کا وعدہ بھی کرلیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں نے ایک مجرم سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری نہیں کی ہوگی۔ وہ سی نائین کے قرب وجوار میں چھپ کر موقع کی تلاش میں رہے ہوں گے۔ بن ذرا بھی چوکتا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس کا موقع نہ ملتا تو ہمارا پیچھا ضرور کیا جاتا۔

روشن چھت سے تاریک زینوں پر اترتے ہوئے ہمیں بہت سنبھلنا پڑ رہا تھا۔ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے بن نے چوکیداروں کو بے جان مجسموں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی طرف ہاتھ لہرا کر فاتحانہ انداز میں میرے پیچھے ہولیا تھا۔

اسے اپنے زخمی اور داغ دار چہرے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہا تھا۔

دوسری منزل پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لمحہ بھر کے لیے کہیں رکا ہو۔ میں چونک کر مڑا تو وہ میرے پیچھے آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی وزنی بریف کیس وغیرہ آچکا تھا۔

اندھیرا زیادہ تھا۔ بن نے کہیں بھی روشنی کرنے کی زحمت نہیں کی تھی کیونکہ اس طرح باہر سے اندر کی نقل وحرکت دیکھ لیے جانے کا خطرہ تھا۔ اندھیرے میں مجھ پر نگاہ رکھنے کے لیے وہ مجھ سے صرف ایک یا دو زینوں کے فرق سے نیچے اتر رہا تھا۔ سی نائین کی فضا میں آنسو گیس کی بو کم ہونے لگی تھی۔

باقی رہ جانے والے چند زینے میرے لیے امید کی آخری کرن تھے۔ ایک بار کھلی فضا میں نکل جانے کے بعد میں ہر لمحے بن ڈیوڈ کے کھلے نشانے پر ہوتا۔ وہ مجھے اپنی گاڑی میں شہر کے کسی بھی محفوظ ویرانے میں لے جاتا اور میدان صاف پاکر وہاں مجھے گولی مار دیتا۔ ویرانے کا خیال میرے ذہن کو اس لیے ڈس رہا تھا کہ ایسے کسی مقام پر جائے بغیر بن کو یہ یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں آرہی تھی۔ وہ مجھے ڈپٹی نہیں سمجھ رہا تھا پھر بھی مجھے اس کے ہاتھوں اپنے کسی بہتر انجام کی امید نہیں تھی۔

میں نے اپنے کان اس کے قدموں کی چاپ پر جمادیے۔ ٹھک ٹھک کی ان آوازوں کا ایک مخصوص آہنگ تھا۔

میں قدموں کی آواز کو سنتا اور گنتا رہا۔ میں نے ایک خطرناک فیصلہ کرلیا تھا۔ سی نائین سے ہماری واپسی خاموشی سے نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ویرانے میں جاکر بن کے ہاتھوں مرنے سے بہتر تھا کہ میں اسی وقت کچھ کر گزرتا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز اور بے ترتیب ہورہی تھیں۔ ہم پہلی منزل سے بھی گزر چکے تھے اور اس وقت سی نائین کے آخری زینے طے کررہے تھے جن کے اختتام پر کھلا ہوا چوبی دروازہ ہمارا منتظر تھا۔

سیڑھیاں اترتے اترتے اچانک میں زینے پر رک کر بیٹھ گیا۔ بن اپنی رو میں اترا چلا آرہا تھا۔ اس کا ایک پیر خاصے زور سے میری پشت سے ٹکرایا' اس کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آوازیں نکلیں اور وہ میرے اوپر سے اڑتا ہوا اوندھے منہ آخری زینوں پر جا گرا۔

گرنے سے پہلے ہی اس ماؤزر سے یکے بعد دیگرے دو گولیاں چل گئیں جو بالکل بے مقصد تھیں۔ مجھے ان سے کوئی گزند نہیں پہنچا۔

میں نے اپنے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر بن ڈیوڈ پر چھلانگ لگادی اور اسے رگیدتا ہوا دروازے تک لے گیا۔

بن کسی گینڈے کی طرح سخت جان تھا۔ سیڑھیوں پر دوسری بار اوندھے منہ گرتے ہوئے اس نے اپنی بے ساختہ چیخ کو بہت ضبط کے ساتھ ایک غضب ناک غراہٹ تک محدود رکھا تھا لیکن رات کے سناٹے میں اس کی وہ آواز دور تک سنی گئی تھی۔

ایس ٹی ایف والے عقابوں کی طرح اس دروازے کے دائیں بائیں شاید ایسی جگہوں پر دبکے ہوئے تھے جہاں سے حسب ضرورت غائب بھی ہوسکیں۔ ان کے کان ہر آواز پر جمے ہوئے تھے۔ بن کی غراہٹ انہوں نے سنی تو سمجھ گئے کہ کوئی کھیل شروع ہوچکا تھا۔ میری آواز سے ان کے کان آشنا تھے اس وقت سی نائین سے بلند ہونے والی دوسری آواز بن ہی کی ہوسکتی تھی۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے وزنی وجود میں الجھے ہوئے دروازے سے باہر نکلے اور زور آزمائی کرتے ہوئے اپنے قدموں پر اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک اول خان للکارتا ہوا داہنی طرف سے نمودار ہوا' اس کے تینوں مسلح آدمی بائیں طرف سے نکل آئے۔ چوتھا اس کے پیچھے تھا۔

آنے والے تینوں میں سے ایک نے وفورِ جوش میں ایک ہوائی فائر بھی کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بن ڈیوڈ نے غصے اور جھلاہٹ میں اپنی داہنی لات گھمائی۔ میں نے اس کی زد سے بچتے ہوئے اس کی پنڈلی پکڑلی اور وہ بائیں ٹانگ پر سنبھلنے کی کوشش میں دھول میں جاگرا اور اس کے ساتھ اول خان اور اس کے ساتھیوں کے پانچ ہتھیاروں کی نالیں بن کے جسم سے لگ گئیں۔

باہر پھیلی ہوئی روشنی اندر کے گھور اندھیرے کے مقابلے میں مجھے چاندنی معلوم ہورہی تھی۔ گوبن کا چہرہ خون اور زخموں سے بھرچکا تھا مگر پھر بھی وہ اپنی تصویر کے عین مطابق نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر حلق تک پھیلی ہوئی داڑھی کی کمی تھی جو اس نے خود صاف کرادی تھی۔

میرا ماؤزر اور بن ڈیوڈ کا بریف کیس زینوں میں کہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اول خان کے دو آدمی اندر گھسے تو میں نے انہیں وہ دونوں چیزیں یاد دلا دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ چھت پر ڈرے اور سہمے ہوئے دونوں چوکیدار بھی موجود تھے۔

اس سے آگے کے کام کے لیے اول خان کے آدمیوں کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے بن کی ساری پھولی ہوئی جیبیں صاف کردیں۔

"میں اپریٹس پر اس ملعون کی آواز سن کر دہل گیا تھا۔" اول خان نے میرے قریب آکر سرگوشی کی "اس وقت میرا دل بہت خوش ہے کہ تم نے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ اسے بھی زیر کرلیا۔"

میری شہادت کی انگلی بے اختیار کھلے آسمان کی طرف اٹھ گئی۔ یہ اس کی دین تھی کہ اس نے میری جاتی ہوئی زندگی مجھے واپس لوٹادی ورنہ میں خود اپنی فاتحہ پڑھ چکا تھا۔

میرے ایما پر بن کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے اول خان کی گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا گیا۔ اس کے منہ میں بہت سا کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ میں اول خان کے برابر میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے آدمی میری اور اپنی گاڑی میں بٹ کر ہمارے پیچھے ہولیے۔

"اسے بے ہوش کردو۔" اول خان نے اردو میں کہا۔ "فاصلہ لمبا ہے۔ یہ راستے میں تنگ کرے گا۔"

میں نے اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کا رخ درست کیا اور اگلے ہی لمحے بن کا قد آور وجود بے ہوشی کی گہری دلدلوں میں ڈوب چکا تھا۔

میرے پاس سب کچھ موجود تھا بس بیم گن نہیں تھی لیکن بن سے ہونے والے مختصر اور خون آشام مقابلے میں مجھے اپنا کوئی ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ شاید آنسو گیس نے میرے اعصاب پر خاصا برا اثر ڈالا تھا۔ میں سی ٹائین سے باہر نکل آیا تھا مگر میری آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ ان سے ازخود آنسو رواں تھے اور منہ کا ذائقہ حلق تک بگڑا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ بن کو بے ہوش کروانے کے بعد اول خان مجھ سے کھل کر باتیں کرے گا لیکن کافی دیر تک گاڑی میں خاموشی برقرار رہی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں اور آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

اسے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا۔ میں نے مزید چند ثانیوں تک خاموش رہ کر خود کو سنبھالا پھر اس سے مخاطب ہوگیا "تم چپ کیوں ہو؟" میں نے محسوس کیا کہ اس وقت میری آواز خود خاصی گمبھیر ہوگئی تھی۔

"میں چپ نہیں ہوں' اپنے رب کا شکر ادا کررہا ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا "کہو کیا کہہ رہے ہو؟"

"آج زندگی اور موت میں بس ایک اڑنگے کا فاصلہ رہ گیا تھا؟" میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نے تمہیں اتنی آسانی سے کیسے گھیرلیا۔"

"تمہاری چھوڑی ہوئی آنسو گیس نے میرا کام تمام

قد میں
اضافہ ممکن ہے
آپ خواہ
مرد ہوں یا عورت اپنے
پستہ قد میں مزید اضافہ کرکے
اپنی شخصیت کو خوبصورت اور
پُروقار بنانے کے لئے ہمیں
اپنے موجودہ قد کی پیمائش اور
عمر کی تفصیل ہمراہ جوابی لفافے کے
لکھیں اور مفید معلومات حاصل کریں
نوٹ: بیرونِ مُلک سے لکھنے
والے خط رجسٹرڈ پوسٹ
سے روانہ فرمائیں۔
KAYBEE HOME
پوسٹ بکس نمبر 2535 - کراچی 74600

Downloaded from https://paksociety.com

کردیا۔ اس نے ماسک پہنا ہوا تھا۔" میں نے بتایا "غنیمت یہ ہوا کہ زبان یا کسی اور مسئلے کی وجہ سے چوکیداروں نے اس کا ساتھ نہیں دیا ورنہ وہ مجھے چھت پر ہی پیس کر رکھ دیتا۔"

"یوں نہیں' ذرا پوری کہانی سناؤ۔ آج کا واقعہ میں زندگی بھر فراموش نہیں کرسکوں گا۔"

وہ میری ہر بات غور اور خاموشی سے سنتا رہا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے بے ساختہ کہا "یوں کہو کہ آج بیم گن نہ لے جانے کی وجہ سے تمہاری جان بچ گئی ورنہ وہ تمہیں مار دیتا۔"

"اب سے کچھ دیر پہلے میرا بھی یہی خیال تھا جو اب بدل چکا ہے۔"

"کیوں؟ کیا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہے۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"قیدی کو زندہ رکھنا اس کی مجبوری تھی۔ مجھے مار کر اسے خود بھی مرجانا پڑتا۔ اسے سی نائین سے فرار ہونے کے لیے ایک زندہ یرغمالی کی ضرورت تھی جو صرف مفتوح قیدی پوری کرسکتا تھا۔"

"بالکل ٹھیک!" اس نے پُرجوش لہجے میں میری تائید کی۔

"ایک بار وہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو پھر قیدی کی خیر نہیں تھی۔ اس کے لیے اپنی روپوشی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ وہ قیدی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر کہاں لیے پھرتا۔ جیسے ہی اسے یقین ہوتا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا جارہا' وہ قیدی کو مار دیتا۔"

"اسے تم نے بہت سادہ سی ترکیب سے گرا دیا۔ اس پر عمل کرنا دل گردے کا کام تھا۔ اسے سنبھلنے کے لیے ایک لمحہ بھی مل جاتا تو تمہاری خیر نہیں تھی۔"

"میں جانتا تھا۔ میں اس کے اترنے کی رفتار گن رہا تھا۔ میں نے اسے مہلت کا وہ لمحہ نہیں دیا۔"

"اب اس کا کیا کیا جائے گا؟" قدرے سکوت کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"موت اس کے لیے سب سے بہتر رہے گی۔ اسے تفتیش کے لیے زندہ رکھا گیا تو یہ ہمارے لیے عذاب بن جائے گا۔ اس کی رہائی کے لیے سفارتی دباؤ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔" میں نے اسے اپنی دو ٹوک رائے سے آگاہ کردیا۔

"ہوسکتا ہے کہ جلال اسے زندہ رکھنا چاہے!" اول خان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"میں اسے اس غلطی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اچھا ہوا کہ اس وقت وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔"

اس وقت جو کچھ ہوا' وہی سب سے بہتر تھا۔ اگر حالات اس کے برعکس ہوتے اور بن مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوجاتا تو بڑی الجھنیں سر ابھار سکتی تھیں۔ اس نے مجھے ڈینی سمجھنے سے انکار کردیا تھا مگر وہ مجھے زندہ رکھتا یا مار دیتا۔ دونوں صورتوں میں نک اور ٹام ضرور مجھ سے ملتے یا اخباروں میں میرے بے جان چہرے کی تصاویر دیکھتے اور مجھے کرنل داؤر کے طور پر پہچان لیتے۔ ان کی اس شناخت سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ ایس ٹی ایف آخر کار آئی مین تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن اس کے دوسرے نتائج خوش گوار نہ ہوتے۔

میں نے اول خان سے آسانی سے کہہ دیا تھا کہ بن ڈیوڈ کو مار دینا چاہیے لیکن اس سے پہلے اس سے بہت کچھ اگلوانا ضروری تھا۔ میں خاموش سفر کے دوران ان نکات کے بارے میں سوچتا رہا اور آخر کار ہم اسٹیشن فور کی حدود میں داخل ہوگئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اول خان کی موجودگی کی وجہ سے گاڑی کو کہیں نہیں روکا گیا تھا۔

اسٹیشن فور پہنچتے ہی میں نے سب سے پہلے گھر فون کیا۔ دوسری طرف سے غزالہ نے جواب دیا بلکہ جوابی سوال کر ڈالا۔

"آپ دونوں کہاں ہیں اور کیا ہورہا ہے۔ ہم آپ کی طرف سے فکرمند ہیں۔"

"بن اسٹیشن فور کے ایک کمرے میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔"

"فی الحال یہاں بھی سکون ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ رات کیسے گزرتی ہے۔ آپ کب تک آئیں گے؟"

"میری واپسی کا انحصار بن کے رویے پر ہے۔ ابھی اس سے مذاکرات باقی ہیں۔ تم بے فکر ہوکر اپنے کمرے میں لیٹو۔ اللہ نے چاہا تو خیریت رہے گی۔"

میں نے فون بند کردیا۔ اول خان نے بن کے بریف کیس کا تالا کھولنے کی کوششیں شروع کردیں۔

ہم میں سے کسی نے سی نائین کی تلاشی میں وقت برباد کرنے یا کسی کو وہاں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بن ایک بھگوڑا مجرم تھا۔ اپنی ساری ضروریات کو کہیں یک جا کرکے ہر وقت کوچ کے لیے تیار رہنے کا عادی رہا ہوگا۔ مجھے امید تھی کہ بریف کیس سے بہت کچھ برآمد ہوگا۔

اول خان کی میز پر وہ تمام چیزیں اکٹھی تھیں جو بن کے

Downloaded from https://paksociety.com

لباس کی جیبوں سے برآمد ہوئی تھیں۔ ان میں وہ اشیا بھی شامل تھیں جو اس نے میری جامہ تلاشی میں میری جیب سے برآمد کی تھیں۔ ان میں صرف ایک چیز میرے لیے پریشانی تھی۔ وہ ہتھیلی میں سما جانے والا ایک ننھا سا ٹرانسمٹر تھا۔

وہ نئی ساخت پہلی بار میرے مشاہدے میں آئی تھی۔ اس کی نیم پلیٹ کے اندر اجات کو کھرچ کر مٹا دیا گیا تھا۔ وہ ایریس بن کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اس لیے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہی آلہ اس کے اور دوسروں کے ہنگامی روابط کے لیے کام آتا ہوگا۔

ذرا سی محنت کے بعد بریف کیس بھی کھل گیا۔ میری توقع کے برعکس اس میں کوئی کاغذی ریکارڈ بھی نظر نہیں آیا۔ اس میں جدید ترین مواصلاتی آلات، مختصر ہتھیار اور ان کے میگزین وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ اپنے اجزائے ترکیبی کی بنا پر وہ کسی مجرم کا دستی اسلحہ خانہ تھا جس میں چند حساس ترین اسپائی کیمرے بھی شامل تھے۔

"ہم بلاوجہ یہ بوجھ لادلائے۔ اس میں ایک بھی کام کی چیز نہیں ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے ایک ڈبیا بریف کیس سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ "یہ آج کی بھاگ دوڑ پر تمہارا انعام ہے۔ حیرت ہے کہ تم سی ایس ڈی کو نہیں پہچان سکے۔"

اول خان نے اشتیاق سے اسے اٹھالیا۔ "تمہاری سی ایس ڈی بیڈ روم میں لگی ہوئی ہے۔ وہاں تک میری رسائی نہیں ہے۔"

اس نے سی ایس ڈی کو گھما پھرا کر دیکھا اور پھر احتیاط سے اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا۔

ہم دونوں گھر سے کھانا کھا کر نکلے تھے۔ اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اول خان کے اردلی نے ذرا سی دیر میں چائے تیار کردی۔ چائے نوشی کے دوران میں اول خان نے شی اور آئی مین کے بارے میں بات نکالنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے خاموش کردیا۔ بن کے مقدر کا خفیہ فیصلہ ہوچکا تھا۔ اسے سب کچھ اپنے سینے میں لے کر سوئے جہنم روانہ ہوجانا تھا۔ ہم بے فکر ہو کر اس کے سامنے ہر موضوع پر آزادی سے بات کرسکتے تھے۔

چائے کا دور ختم ہونے کے چند منٹ بعد بن کے ہوش میں آنے کی خبر آگئی۔ میں نے بن کی جیب سے برآمد ہونے والا آپریٹس اٹھایا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ ایس ٹی ایف کی سرکاری مہمان داری کی عمومی

بچاؤ

اخباری رپورٹر نے عمر رسیدہ دیہاتی کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا "آپ کی عمر اسی سال ہے اور آپ نے زندگی میں کبھی کوئی دوا استعمال نہیں کی ..... یہ کیسے ممکن ہوا؟"

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے جی ...؟" دیہاتی نے سادگی سے کہا "تیس سال کی عمر تک تو مجھے کبھی کسی دوا کی ضرورت ہی نہیں پڑی ..... اس کے بعد ایک روز راستے میں کسی بات پر میرا گاؤں کے ڈاکٹر صاحب سے جھگڑا ہوگیا اور میں چالیس سال تک ان کے کلینک کے پاس سے بھی نہیں گزرا ..... اور دس سال ہوئے ان کا انتقال ہوچکا ہے۔ یوں میں دوا سے بچا رہا۔"

روایات کے مطابق کمرے میں موجود بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے تھے۔ زینوں پر منہ کے بل دو مرتبہ گرنے کی وجہ سے اس کے چہرے پر شدید زخم آئے تھے۔ بائیں رخسار کا ورم ظاہر کر رہا تھا کہ وہ نازک ہڈی بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی ہوگی مگر میں نے ابتدا سے اس وقت تک بن کو ایک مرتبہ بھی کراہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

ہمیں دیکھتے ہی اس کے کٹے پھٹے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم لوگ تھوڑے سے ہامروت اور مہمان نواز معلوم ہوتے ہو۔ آزاد ہاتھ پیروں کے ساتھ کمر کے نیچے بستر کی موجودگی کا احساس خاصا فرحت انگیز ہے۔" وہ بولا۔

"ہماری یہ عنایات بلا سبب نہیں ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم زندہ رہنا چاہو تو رہ سکتے ہو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگیں۔" اس نے منہ بنا کر حقارت سے کہا "میرے کسی ہم رتبہ شخص کو سامنے لاؤ۔ میں ڈینی کے سوا کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

"ڈینی تمہارے اسی خادم کو کہا جاتا ہے۔" میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہائیں!" وہ حیرت سے بھونچکا رہ گیا اور بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "تت.... تم ڈبنی ہو۔"

میں اس کی بے اعتباری پر ہنس پڑا "ہاں! یہ تمہاری بدقسمتی تھی کہ آج میں بیم گن اپنے گھر بھول آیا تھا۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی زخمی پیشانی پیٹ لی "یہ صرف مقدر کی خرابی ہے۔ مجھے ذرا سا شبہ ہو جاتا تو میں اسی وقت تمہیں گولی مار دیتا۔"

پیشانی کے زخموں سے خون کے جمے ہوئے لوتھڑے ہٹ جانے سے تازہ خون پھر رسنے لگا۔

"مجھے گولی مار دیتے تو تمہیں فرار ہونے کے لیے یرغمالی کہاں سے ملتا؟ تم تو فطرت کے اعتبار سے بھگوڑے ہو۔ مقابلے سے مسلسل بھاگ رہے تھے۔"

"مجھے صرف تمہاری تلاش تھی۔ میں کسی اور چکر میں پڑ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں مارنے کے بعد میری زندگی کا ایک مشن پورا ہو جاتا۔ میں خوشی سے اپنے سر میں گولی مار لیتا۔ تم نے امریکا میں یہودی کاز کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ گیپ کی اصل فائل بہت اہم تھی۔ تم لوگوں نے اس کی نقلیں ساری دنیا میں پھیلا دی ہیں۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ ہماری وزارتوں میں کچھ لوگ تن دہی سے کام کر رہے تھے۔ وہ فائل لانے کے بعد پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ اس پر کیا کام ہوا تھا۔ سب کچھ وقتی اور جذباتی باتوں میں دفن ہو کر رہ گیا تھا۔

"آخر کار تم نے اگل ہی دیا کہ گیپ کا لکھا سچ ہے اور تم بھی عالمی صیہونیت کے پکے ایجنٹ ہو۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔" وہ بستر سے نیچے اتر آیا اور پھر کسی چیتے کی طرح جھپٹ کر میری طرف آیا تھا۔

مجھے اس کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ میں بروقت اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ وہ اپنے پورے زور میں دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹیک کر خود کو بچا لیا تھا۔ میں نے پلٹ کر اس کی پشت پر زوردار لات رسید کی اور وہ پھسل کر فرش پر گر گیا۔

"یہ تمہاری اصل اوقات ہے ایک کتے سے بھی بدتر!" میں نے نفرت سے کہا۔

"اس وقت تم بالادست ہو۔ جو چاہو کہہ سکتے ہو مگر میں تم کو بتا رہا ہوں کہ گیپ کی پٹاری کھل چکی ہے۔ تمہارا وقت بھی لمحے ختم ہو سکتا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ تم نے امریکیوں کی بھی دشمنی مول لی ہے۔ وہ تمہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دیں گے۔"

"امریکی اور یہودی اپنی اپنی طاقت کے نشے میں دھت ہیں۔ ایک کو اپنی فوجی برتری کا گھمنڈ ہے' دوسرے کو اپنی معاشی گرفت پر ناز ہے۔ یہ دونوں خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ وہ طاقت جوش میں آگئی تو یہ دونوں خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔ دور دور تک انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔"

وہ اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اپنے بستر پر جا بیٹھا اور طنزیہ لہجے میں بولا "کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ ہر کمزور بدمعاش اپنی حرکتوں کی وجہ سے مار کھاتا ہے تو اسی طرح کلکلا کر مارنے والے کو کوستا ہے لیکن اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔"

"جب ہی تم اس وقت اس چھوٹے سے کمرے میں نظر آرہے ہو!"

"اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے۔ غلطی میری تھی کہ میں تم جیسے موذی کو نہیں پہچان سکا۔ مجھ سے یہ چوک نہیں ہوئی ہوتی تو تمہارا قصہ سی نائین میں ہی تمام ہو جاتا۔ تم مجھے اپنی بکواس سنانے کے لیے زندہ نہ رہتے۔"

"تم کو اندازہ ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو سکتا ہے!" میں نے اسے ڈرانا چاہا۔

"تم مجھے بلیک میل کر کے زندہ رکھنا چاہو گے مگر ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہارے پاس دوسری راہ یہ رہ جائے گی کہ تم مجھے مار دو۔" اس نے بے خوفی سے کہا۔

"یہاں تم کو کس کس کی سرپرستی حاصل تھی؟" قدرے خاموشی کے بعد اول خان نے سوال کیا۔

"مجھے ہر انصاف پسند انسان کی سرپرستی حاصل تھی۔ لوگ تم جیسے بنیاد پرست مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں جو اپنی قتل وغارت گری کی حرکتوں کو اللہ کی مرضی سے موسوم کر کے خود بے گناہ بننے کی قابل نفرت کوششیں کرتے ہیں۔" بن کی آواز میں بلا کا زہر رچا ہوا تھا۔ "تمہاری خون آشام عادتوں اور عقیدوں سے دنیا کا ہر مہذب آدمی خوف زدہ ہے۔"

"تم ہم دونوں کی بات کر رہے ہو یا دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دینے کی کوشش کر رہے ہو؟" اول خان نے تلخی سے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مشرق سے مغرب تک' ہر مسلمان ایک فتنہ ہے اور میری نظروں میں قابلِ سزا ہے۔ مذہب کی آڑ لے کر تم لوگوں نے عالمی غنڈا گردی شروع کی ہوئی ہے۔ اب دنیا پر رفتہ رفتہ یہ عقدہ کھل رہا ہے کہ تمہارا جہاد کا نظریہ عالمی امن کے لیے کتنا خطرناک ہے۔ تم دونوں فرشتے نہیں ہو' اسی عالمی فتنے کا ایک سرگرم حصہ ہو۔"

وہ نئی باتیں نہیں تھیں۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب عالمی پریس کی زینت بنتا چلا آرہا تھا لیکن ایک ممتاز اور متعصب یہودی کی زبان سے وہ مربوط باتیں اس وقت ہولناک معلوم ہورہی تھیں۔ صاف نظر آرہا تھا کہ مغرب کے مقتدر حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔

"دنیا بھر کی ترجمانی کے دعوے چھوڑ دو۔" میں نے اسے تاؤ دلانے کی نیت سے کہا "اپنی بات کرو۔ تم نے ہمارے ہاتھوں سے جوتے کھائے ہیں اس لیے اب تمہیں ہمارے مذہب میں بھی کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔ جہاد ایک ٹھوس حقیقی نظریہ ہے۔ یہ مظلوم اور حق کے خلاف نہیں ہوتا۔ اللہ کا نام سربلند رکھنے کے لیے ظالموں اور باطل قوتوں سے پوری قوت سے ٹکرا جانے کو جہاد کہا جاتا ہے۔"

"یہ میں نہیں کہہ رہا' دنیا کہہ رہی ہے۔ تم لوگوں کی برہمی کی وجہ سے اخباروں میں کچھ نہیں آتا ورنہ مغرب میں دانش ور اور اسکالر سر جوڑے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں میں جہاد کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کیسے ختم کیا جائے۔ دوسرے مذاہب اس سے خوف زدہ ہیں۔ اس صدی کے وسط تک یہ تمہارے ملاؤں تک محدود تھا۔ آج پڑھے لکھے اور روشن خیال مسلمان بھی اس سے متاثر ہورہے ہیں۔ یہ ایک خوف ناک علامت ہے۔ مغرب اس وبا کے قابو سے باہر ہونے سے پہلے اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ آج مغرب بلکہ دنیا بھر کی سربراہی امریکا کے پاس ہے اس لیے وہ بنیاد پرست مسلمانوں کی سرکوبی کی مہم میں سب سے آگے ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنا دشمن نظر آتا ہے۔"

"تم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ مغرب کی حد سے بڑھی ناانصافیوں اور ظلم کے خلاف اس جذبے کا احیا ہورہا ہے۔" میں نے بات بڑھائی۔

"کہیں کوئی ظلم نہیں ہورہا۔ تم سب مسلمان بدمعاش ہو۔" اس نے برہمی سے کہا "یہودیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کرکے فلسطین بنانا چاہتے ہو۔ کشمیر پر قبضے کے خواب دیکھ رہے ہو' انڈونیشیا میں عیسائیوں کو فنا کردینا چاہتے ہو' یورپ کے قلب میں دوبارہ اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے چکر میں ہو۔ سب سے بڑے ظالم ہو۔ تم سے ہر مذہب کے پیروکار خوف زدہ ہیں کیونکہ جب تم ہتھیار اٹھا لیتے ہو تو پھر کسی کو نہیں بخشتے۔ تمہارے نام نہاد مجاہد خودکش بم کے ساتھ مل ایب کی تفریح گاہوں میں گھستے ہیں تو انہیں ہنستے کھیلتے ہوئے امن پسند یہودیوں پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ وہ اپنے ساتھ ان سب کو لے مرتے ہیں۔"

"یہ ان پر یہودیوں کے مسلسل مظالم کا ردِعمل ہے۔ جب تمہارے ٹینک اور بلڈوزر عرب آبادیوں کو روندتے ہیں' ان پر زمین اور آسمان سے بارود برساتے ہیں تو تمہارا دل نہیں دکھتا۔"

"وہ فلسطینیوں کے ظلم کی سزا ہوتی ہے جو سب کو بھگتنی پڑتی ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا پھر اچانک ہاتھ آگے بڑھا دیا "ہوسکے تو مجھے ایک سگریٹ دے دو۔ تم لوگوں نے میری جیبوں میں کوئی تنکا تک نہیں رہنے دیا۔"

"اس کی وہ فرمائش پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں سے لگا کر ایک سگریٹ سلگائی اور اس کی طرف اچھال دی۔ اس نے سگریٹ لپک کر اپنے ہونٹوں سے لگائی اور دھوئیں کا ایک گہرا کش اپنے سینے میں اتار لیا۔

"تم ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو۔" اس بار اول خان نے نرمی سے کہا "یہ پہلے انڈیا یا پہلے مرغی والی بحث

مصرف

پالتو پرندوں کی دکان میں پہنچ کر ایک دیہاتی نے تمام پرندوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک مینا کی قیمت پوچھی۔

"پانچ سو روپے" دکان دار نے بتایا۔

"پانچ سو روپے..." دیہاتی حیرت سے چلّا اٹھا "اتنے سے پرندے کی اتنی قیمت...!"

"یہ بہت خاص نسل کی مینا ہے جناب! گانے گاتی ہے۔" دکان دار نے بتایا۔

"مجھے گانے والے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

دیہاتی بولا "یہ بتاؤ اس کا گوشت لذیذ ہوگا یا نہیں؟"

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ ہٹ دھرمی سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہودیوں پر ہٹلر نے مظالم کیے تھے۔ وہ اللہ کی اس معتوب قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ جنگ جیت کر اتحادیوں نے یہودیوں کو امریکا یا جرمنی کے بجائے عربوں کے قلب میں بسا کر اسرائیل بنا دیا۔ نفرت کی شجرکاری اسی وقت شروع ہوگئی تھی۔"

"میں تاریخ دان نہیں ہوں۔" اس نے اپنے سینے میں رکا ہوا دھواں اگلتے ہوئے جواب دیا "میں آج کی دنیا میں جی رہا ہوں اور اسی کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر دہشت سے پھریریاں آنے لگتی ہیں کہ اگر دنیا کے کروڑوں مسلمانوں نے مقبولیت کی راہ چھوڑ کر ہتھیار اٹھاتے ہوئے جہاد کا نعرہ لگا دیا تو اس دنیا کا کیا بنے گا۔"

"مسلمان کبھی کسی پر بلاوجہ ہتھیار نہیں اٹھاتا۔" اول خان نے مضبوط لہجے میں کہا "ہر طرف ظلم اور چیرہ دستیوں کا راج ہوگا تو ضرور ایسا وقت بھی آجائے گا۔"

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ سب تمہارے مذہبی طبقے کے کرشمے ہیں۔ انہوں نے جہاد کو ایک طلسم اور سحر بنا دیا ہے۔ اس میں مرجانے والوں کو شہادت کا رتبہ دیا جاتا ہے اور شہید کے لیے ناقابل تصور انعامات کی نوید سنائی جاتی ہے۔ چکر سارا یہ ہے کہ موت ہماری زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن مرجانا ہے۔ تمہارے مذہب میں جہاد اور شہادت کا نعرہ لگا کر موت جیسی سرد اور ہولناک حقیقت کو اس قدر پرکشش بنا دیا گیا ہے کہ ذرا سا بھی مذہبی رجحان رکھنے والا مسلمان اس کی طرف راغب ہو سکتا ہے۔"

"بن!" اول خان دبی دبی آواز میں غرایا "خدا کا خوف کرو اور توبہ کرو۔ یہ مذہبی طبقے کے کرشمے نہیں' آسمانی احکام' ہدایات اور وعدے ہیں....!"

"بس بس!" بن نے منہ بنا کر اس کی بات کاٹ دی "یہ تمہارے عقائد ہیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا مذہب یہ سب نہیں سکھاتا۔"

"لیکن تمہارے کسی ربی نے تمہیں دوسروں کے مذہب اور عقائد کا احترام کرنا ضرور سکھایا ہوگا۔" میں نے تلخی سے کہا "تم یہاں کسی مذاکرے میں نہیں آئے' ہمارے قیدی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میری باتیں سن کر تم اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرو گے۔ مجھے مارنا ہے تو مار دو گے۔ دوسروں کو گھیرنے کے لیے مجھے زندہ رکھنا ہے تو زندہ رکھو گے۔" بن نے برا [illegible] گئی' قیادت پر کیچڑ اچھال گئی۔ ہر وہ قدم اٹھایا گیا جو پاکستان

راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اپنے لوگوں میں بار رسوخ سمجھے جاتے ہو اس لیے موقع پا کر تمہیں یہ سب باتیں بتا رہا ہوں۔ تم لوگ جہاد کا نام لینا چھوڑ دو۔ اس سے پوری دنیا خوف زدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خوف سب کو یک جا کر دے اور پھر اس کرۂ ارض پر دو تہذیبیں پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ مسلموں اور غیر مسلموں کا یہ تصادم سب کچھ تباہ و برباد کر دے گا۔ ہم سب صدیوں پیچھے چلے جائیں گے۔"

اس کی زبان سے تہذیبوں کے تصادم کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ حالات کچھ اسی رخ پر جا رہے تھے جیسے سب مل کر مسلمانوں کے خلاف ایکا کرنے والے ہوں۔

بن ڈیوڈ نے کلیدی بات کہہ دی تھی۔ وہ کوئی بین الاقوامی لیڈر یا عالمی رہنما نہیں تھا جو اس کی باتوں کو ضرورت سے زیادہ وزن دیا جاتا لیکن وہ ایک کٹر یہودی ضرور تھا جس کے اہم امریکی عہدے داروں سے گہرے مراسم تھے۔ اس کی کہی ہوئی باتوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ان دنوں مشرق وسطیٰ جہادی گروپوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کی رکنیت عالم گیر تھی۔ دوسرے ملکوں میں کوئی فورم نہ ہونے کی بنا پر امریکا اور آسٹریلیا کے مسلمان بھی جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے اس خطے کا رخ کرتے تھے۔ زندگی اور موت کے بارے میں جہادیوں کی بے خوفی پوری دنیا پر واضح ہو چکی تھی۔ اگر اس بارے میں مغرب میں سر جوڑ کر کچھ سوچا جا رہا تھا تو وہ بعید از قیاس نہیں تھا۔ بن نے ہم دونوں سے ذاتی سطح پر ہونے والی گفتگو کو ایک عمومی رخ دے کر بہت سی تشنہ باتیں اجاگر کر دی تھیں۔

پاکستان کے ڈھکے چھپے دشمنوں سے ہونے والی آویزش میں پچھلے کچھ عرصے سے یہ بات رفتہ رفتہ واضح ہو رہی تھی کہ ان دنوں صرف پاکستان ہی امریکی سپر پاور کی نظروں میں نہیں کھٹک رہا تھا۔ اس کی مہمات کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں تک پھیل رہا تھا۔ پاکستان کی خوش قسمتی یہ تھی کہ وہ ایک مضبوط دفاعی قوت کا مالک تھا اور ہر کھلی ریشہ دوانی کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ اس ملک نے ایٹمی استعداد بھی اتنی بڑھا لی تھی کہ اس کا شمار دنیا کی جوہری طاقتوں میں ہونے لگا تھا۔

پاکستان کے بدخواہوں نے ان مثبت نکات کو کبھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ اہم اور نازک مواقع پر پاکستان کے عزائم کے بارے میں بھرپور عالمی میڈیا وار چلائی

Downloaded From https://paksociety.com

کے لیے نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ جب یہ حربے بھی پاکستان کو اس کے قومی منصوبوں سے دست کش نہ کرا سکے تو پاکستان کے خلاف' امریکا کی سربراہی میں سازشوں اور تخریب کاریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا جس میں ہندو اور یہودی امریکا کے ہم نوا تھے۔

"تم یہاں ٹام اور نک کے علاوہ کس کس سے رابطے میں تھے؟" طویل خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔ اس دوران میں بن نے گہرے گہرے کش لگا کر میری دی ہوئی پوری سگریٹ پھونک ڈالی تھی اور ہاتھوں سے اپنے چہرے کے زخموں کو سہلا رہا تھا۔

"بیسیوں آدمی تھے جن میں تمہارے پاکستان بھی شامل تھے۔" اس نے اپنی پسلیوں کو دباتے ہوئے کہا۔

"میں ان کے نام جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے مطالبہ کیا۔

"اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "تم نے جن کو رگڑ دیا' وہی کافی ہیں۔ میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"تم نہ بتاؤ لیکن اب ان میں سے کوئی کریم آباد کے پل کو نہیں اڑا سکے گا۔" میں نے طنزیہ پیرائے میں کہا۔

وہ چونک پڑا۔ اس کے خون آلود چہرے پر تحیر کے آثار تھے۔ "اس بارے میں تم کیا جانو!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ان دونوں کی سازش ناکام ہو گئی۔" میں نے اسے اطلاع دی۔

"مجھے معلوم ہے' سب معلوم ہے کہ شہر میں ابھی تک کوئی بڑا دھماکا نہیں ہوا۔" وہ یکایک اعصاب زدہ ہو کر دہاڑا "مگر اس بارے میں تم کو کس نے بتایا؟"

اس اطلاع پر وہ بدک گیا تھا۔ مجھے اس سے کھیلنے کا موقع مل گیا "تمہاری معلومات ناقص ہیں۔" میں نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "شہر میں ایک بڑا دھماکا ہوا تھا جس کے نتیجے میں ایک نیلی ڈاج اپنے دو مسافروں سمیت جل کر کوئلہ ہو گئی۔"

"تمہارے پاس ایم ففٹی کب سے ہے؟" بس لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھا اور مجھے تسلیم کر لینا پڑا کہ وہ کافی ذہین تھا۔ اس نے راوالوں کو ساری ہدایات ایم ففٹی پر دی تھیں۔ میری زبان سے ان واقعات کا یکے بعد دیگرے ذکر سنتے ہی اس کا ذہن ایم ففٹی کی طرف مبذول ہو گیا تھا۔

اس بارے میں اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے اسے سلگانے کے لیے دھیرے سے کہا "جب سے راجو ہماری یہ [illegible] کے ہاتھوں سے نکل گیا [illegible]

تحویل میں تھا۔"

"اوہ!" اس کے حلق سے بے ساختہ غراہٹ آزاد ہوئی "تو وہ حرامی کہیں بھاگا نہیں تھا۔ تمہارے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اس کنجر نے اپنا ایم ففٹی بھی تمہیں دیا۔"

"اسے کنجر نہ کہو ورنہ تمہیں اپنے لیے اس سے بھی بڑی گالی تخلیق کرنی پڑے گی۔"

"میرا اس سے موازنہ مت کرو۔" وہ جھلا کر بولا "مجھے روز اول سے راوالوں پر بھروسا نہیں تھا۔ وہ بزدل اور بودے ہیں جو لوگ اپنے طور پر ایک پڑوسی ملک میں پھلی بھی نہیں پھوڑ سکتے وہ میری یا کسی اور کی رہنمائی میں کیا تیر مار لیتے۔ خس کم جہاں پاک۔ اچھا ہوا کہ ان چاروں کا قصہ ختم ہو گیا۔ میں ان کی وجہ سے تمہاری ہاتھ آیا ہوتا تو مجھے مرکر بھی چین نہ آتا۔"

"تمہیں نیلی ڈاج کے انجام کا علم کس طرح ہوا۔ تم تو سی نائین میں چھپے بیٹھے تھے؟"

"وہ میرا پروگرام تھا۔ میں اپنے ذرائع سے ہر اونچ نیچ کی خبر رکھتا ہوں۔"

"مگر پھر بھی تم وجے سے کم نہیں ہو اور اسے گالیاں دے رہے ہو۔ اس نے اپنا ایم ففٹی مجھے دے دیا۔ تمہارا یہ اپریٹس میرے پاس ہے۔" میں نے اسے اپنی جیب سے چھوٹا سا سیاہ اور وزنی اپریٹس نکال کر دکھایا تو اس پر دورہ سا پڑ گیا۔

اس نے دوبارہ بستر چھوڑا اور کسی جونک کی طرح دیوانہ وار میرے بدن سے لپٹ گیا۔ وہ مجھ سے اپنا اپریٹس چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے حملہ آور ہوتے ہی میری پتلون کی جیب میں محفوظ ہو چکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل میں بھڑاس تھی۔ وہ مجھ سے زیادہ جسیم' توانا اور قد آور تھا۔ سی نائین کے مخصوص حالات میں آنسو گیس کے گہرے اثرات کی وجہ سے مجھے اس سے زور آزمائی کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے ہانک لگا کر اول خان کو مداخلت سے روک دیا۔

ہڑبونگ کی آوازیں سن کر ایس ٹی ایف کے دو مسلح گارڈز بھی اندر گھس آئے تھے مگر میری آواز پر اپنی اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے۔

بن مجھے دبوچ لینا چاہ رہا تھا۔ میں نے اس کی گرفت میں کسمساتے ہوئے ذرا سی جگہ بنائی اور پوری قوت سے اس کے بائیں پہلو میں مُکا رسید کر دیا۔ بس لمحہ بھر کے لیے اس کی گرفت ذرا ڈھیلی ہوئی اور میں کسی مچھلی کی طرح پھسل کر اس

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے پکڑنے کی کوشش میں بن کا اٹھتا ہوا ہاتھ میرے منہ پر پڑا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرا چہرہ بھی پہلے سے مجروح تھا۔ سی ٹائین میں آنسو گیس کی موجودگی اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر بن نے میرے اوپر جو ہاتھ دکھائے تھے ان کی باقیات خاصی تکلیف دہ تھیں۔

دیو ہیکل بن اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے' مجھے پکڑنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس وقت اس کے خون آلود چہرے کے تاثرات بہت ڈراؤنے ہو گئے تھے۔ میں نے اس کے مقابل کھڑے کھڑے' اس کی توجہ مبذول کرانے کے لیے زور سے اپنا داہنا پیر زمین پر مارا۔ وہ بھڑکا اور اسی لمحے میں نے اچھل کر اپنے دونوں پیروں سے اس کے چہرے پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ میں اس کے چہرے کو نشانہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن سینے پر پڑنے والی زوردار لاتوں نے اس کے پیر اکھاڑ دیے۔

وہ غضب ناک آواز میں ڈکراتا ہوا پیچھے الٹا..... اور لہراتا ہوا فرش پر گر گیا۔

وہ جسیم ہونے کے ساتھ غضب کا پھرتیلا بھی ثابت ہوا۔ میں اس کے سینے پر سوار ہونے کے ارادے سے آگے جھپٹا ہی تھا کہ وہ سنبھل کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا جتنی دیر میں' میں نے ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر اپنا توازن درست کیا' اتنی دیر میں وہ بھی مقابلے کے لیے از سر نو تیار ہو چکا تھا۔

اس بار وہ کسی باکسر کی طرح دونوں ٹانگوں کو قدرے پھیلا کر اپنے چہرے کے سامنے اپنے مکے لہرا رہا تھا۔ میں نے جھپٹ کر وار کیا جو اُچٹ گیا اور مجھے اپنے پیٹ میں بن کا جوابی مکا سہنا پڑ گیا۔

وہ ہماری بھڑپ کا آغاز تھا۔ میں سی ٹائین میں ہی اسے خاصا مجروح کر چکا تھا لیکن میری تسلی نہیں ہوئی تھی اس کو زیادہ اور شدید چوٹیں منہ کے بل دوبار سیڑھیوں پر گرنے کی وجہ سے آئی تھیں۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا پورا چہرہ ادھیڑ کر لہولہان کر دوں۔

اول خان اور اس کے محافظوں کو اس مقابلے سے الگ تھلگ رکھ کر میں نے بن کو بھی اپنے ارمان پورے کرنے کا کھلا موقع فراہم کر دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہو گا کہ دشمن کے ہاتھوں پوری طرح زیر ہونے کے بعد اسے اپنے حریف سے دوبدو مقابلے کا ایسا سنہری موقع مل جائے گا۔ وہ اس نعمتِ غیر مترقبہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل جم کر لڑ رہے تھے۔ بن کو اپنے قد کی وجہ سے نمایاں برتری حاصل تھی لیکن وہ باکسنگ کے معاملے میں بالکل اناڑی ثابت ہو رہا تھا۔ چند اندھا دھند حملے کر کے اس نے شدید مار کھائی تو اسے تارے نظر آ گئے۔ میں بچ بچ کر اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں کو نشانہ بناتا رہا۔

وہ مکے بازی کے اس نقصان دہ مقابلے سے بچ کر مجھ سے لپٹ جانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ اپنے تابڑ توڑ مکوں سے اسے اپنے جسم سے بہت قریب آنے کا کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔

ایک بار اس نے اپنے مکوں کے پیچھے چہرہ چھپا کر جھکتے ہوئے اندر گھسنے کی کوشش کی اور بہت بری طرح میری زد میں آ گیا۔

کھوپڑی اور پیشانی کے دائیں بائیں طرف پڑنے والے چار پانچ گھونسوں نے ہی اس کے حواس باختہ کر دیے اور وہ سمندر میں ڈوبنے والے کسی شخص کی طرح فضا میں ہاتھ پیر چلاتا ہوا' فرش چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔ چہرے سے گردن تک وہ خون میں تر ہو چکا تھا۔

وہ بغیر دستانوں کی لڑائی تھی۔ میرے دونوں ہاتھ بن کے خون سے گندے ہو چکے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں موندے' فرش پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ اول خان اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس کے آدمی کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال کے مقابلے کے لیے تیار تھے۔

اول خان کے دفتر سے ملحق واش روم میں' میں نے پہلی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ سی ٹائین سے واپسی کے بعد میرے چہرے میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ میں نے ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ سب بند زخم تھے جو نیل اور ورم کی صورت میں جزیروں کی طرح ابھرے ہوئے تھے۔ کہیں سے جلد کٹی تھی نہ خون بہا تھا۔

ہاتھ دھونے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے لگائے تو خاصی فرحت اور تازگی کا احساس ہوا۔ ہاتھ منہ دھو کر میں دوبارہ اسی کمرے میں پہنچ گیا۔

اس دوران میں بن کے کھوئے ہوئے اوسان بڑی حد تک بحال ہو چکے تھے۔ وہ فرش پر دونوں ٹانگیں پھیلائے ملال اور افسردگی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عبرت ناک شکست کا پیکر نظر آ رہا تھا۔

MARCH 2003 SUSPENSE 121
Downloaded from https://paksociety.com

میری آہٹ سن کر اس نے اپنی سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا "مجھے دکھ ہے کہ برابر کا موقع ملنے کے باوجود میں تم پر اپنے دل کی حسرتیں نہیں نکال سکا۔ میں صرف ہاتھوں سے اپنے حریفوں کا کچومر بنانے کا عادی رہا ہوں لیکن تم نے ثابت کردیا کہ تم ڈینی ہو۔ لوگ بلاوجہ تم سے نہیں ڈرتے۔"

"کیا تم کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کررہے ہو؟" اول خان نے پچھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اب طنز کا کوئی کس بل نہیں رہا۔ اس مقابلے کے بعد مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں اپنے سے کم تر حریف سے زیر نہیں ہوا۔"

"دوبارہ میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔" میں نے اپنی جیب سے بن کا خاص اپریٹس نکالتے ہوئے سنگین لہجے میں کہا "یہ گارڈ تمہاری دونوں ٹانگیں چھلنی کردیں گے۔"

"اس پر کسی سے رابطہ ہو جائے تو ذرا میری بات بھی کروا دینا۔" بن نے التجا کی۔

"تاکہ تم اسے دیوار پر مار کر چور چور کردو!" میں نے پوچھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسے تم صرف ایک بار استعمال کرسکتے ہو۔ دوبارہ تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ دشمن کے ہاتھ آنے والا آلہ ہم کبھی اپنے استعمال میں نہیں رکھتے۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ دانش مندی بھی یہی تھی کہ مشتبہ مواصلاتی آلات کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

اپریٹس آن کرکے میں نے کال بٹن دبایا اور کسی بھی سننے والے کے لیے انگریزی میں اپنا پیغام نشر کردیا۔

"سننے والے کے لیے تمہاری آواز اجنبی ہے۔" کئی سیکنڈ تک جواب نہ ملنے پر بن نے تبصرہ کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم کو رابطے میں ناکامی ہو۔ لاؤ! یہ اپریٹس مجھے دو۔ میں بات کرتا ہوں۔" وہ مطالبہ کرتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ پھیلا دیا۔

اپنے رابطوں کے سلسلے میں بن بہت حساس تھا۔ اپریٹس کے حصول کے لیے میں اس کے بے چینی دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کا مطالبہ نظرانداز کردیا۔

"دس از ارجنٹ!" میں نے تقریباً آدھے منٹ تک مزید انتظار کرنے کے بعد اپریٹس میں کہا "میں بن ڈیوڈ کے ایما پر کام کررہا ہوں۔ وہ مشکل میں ہے۔۔۔ اوور!"

میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ چند ثانیوں بعد ہی اپریٹس سے آواز ابھری "تم کون ہو؟" اپنا نام بتاؤ اور بن سے ملا ہوا لوڈ دہراؤ۔" وہ آواز پہچان کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں۔ وہ سی آئی اے کا مقامی نمائندہ، ٹام پیٹرک بول رہا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ اپریٹس پر ٹام یا نک سے ہی بات ہوگی۔ اس لیے میں نے اپنی آواز بدل لی تھی۔ میری دوسری آواز وہ کرنل داور کے روپ میں سن چکے تھے۔

"بن اس حالت میں نہیں ہے کہ وہ کوئی کوڈ بتا سکے۔ اپنی قسمت کی خرابی سے وہ اس وقت میرا قیدی بن چکا ہے۔"

"تم کون ہو؟" سپاٹ آواز ابھری۔ وہ خبر سن کر نک سناٹے میں آگیا تھا۔

"مختصر سا نام ہے۔ مجھے ڈینی کہتے ہیں۔" میں نے عاجزانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ! تو یہ تم تھے جس نے سی نائین پر وار کیا تھا" میری بات مکمل ہو جانے پر اس کی آواز ابھری۔ "بن نے مجھے فائرنگ کی خبر دی تھی تو میں سمجھا تھا کہ ایس ٹی ایف وہاں پہنچ گئی ہوگی۔ کیا ان کے آدمی بھی تمہارے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔"

"تم لوگوں نے میرے لیے ہر طرف جال بچھائے ہوئے ہیں۔ میں کسی کے ساتھ مل کر کام کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وہ گفتگو کے آغاز میں ہی معلومات حاصل کرکے چالاکی دکھا رہا تھا۔ ویسے بھی میں اس سے مل چکا تھا۔ میری نپی تلی رائے تھی کہ وہ نک سے زیادہ مکار اور بددماغ تھا۔ میرا نام سنتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہماری گفتگو زیادہ دیر تک خوشگوار نہیں رہ سکے گی۔ بات بگڑنے سے پہلے وہ اپنے کام کی بات معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔

"تم تنہا بن کو زیر نہیں کرسکتے تھے۔ وہ تمہیں بھون ڈالتا۔ تم ایجنسیوں کے پالے ہوئے ہو۔ تمہارے ساتھ کچھ نہ کچھ نفری ضرور ہوگی۔"

"تم جو چاہو، سمجھتے رہو۔ میں تمہاری تصحیح نہیں کروں گا۔"

"پھر تم نے مجھ کو کیوں کال کیا ہے؟" اس کی آواز سے رکھائی مترشح تھی۔

"صرف یہ جاننے کے لیے کہ بن کن لوگوں کے بل پر یہاں دندناتا پھر رہا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میرے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" ابھی تو میں نے تمہیں اپنا نام بھی نہیں بتایا۔" اس کا انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

"میں تمہاری اور نک ہاروے کی آوازیں پہچانتا ہوں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کسی نک کو نہیں جانتا۔" میرے جواب نے اسے بوکھلا دیا۔

"ٹام پیٹرک! میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش مت کرو۔ آج تمہارے دعووں کی قلعی کھل گئی ہے۔ تم پورے شہر میں گاتے پھر رہے تھے کہ نک اور اس کی سرگرمیوں سے تمہارا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے جب کہ اسے یہاں لانے اور چلانے والے تم لوگ ہو۔"

"یہ خرافات ہیں۔ ان کو تم مر کر بھی ثابت نہیں کر سکتے۔" وہ غرایا "اگلی بار اس اپریٹس سے بھی تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"بچگانہ باتیں مت کرو۔ میں قانون اور عدالتوں کا آدمی نہیں ہوں۔ منصف مزاج ہوں اور ذاتی سطح پر ہر ایک کو اس کی دہلیز پر انصاف فراہم کرتا ہوں۔ بن کو خود اس کے گھر سے اٹھا کر لایا ہوں ورنہ یہ بے ایمان تو انصاف کا طلبگار ہی نہیں تھا۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو!"

"چاہو تو تھانے میں میرے خلاف پرچا کٹوا دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا "بن کی کہی ہوئی باتیں اب رفتہ رفتہ شہر میں پھیلیں گی۔"

"تم بلاوجہ اس کا نام استعمال کر رہے ہو۔ وہ تمہارا قیدی ہے۔ تم جو بات چاہو۔ اس سے منسوب کر سکتے ہو۔"

"اس کی ہم سے نفرت چشم کشا ہے۔ وہ پاکستان اور مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے' جہاد سے خوف زدہ ہے۔ مسلمانوں کے خلاف عالمی اتحاد کے خواب دیکھ رہا ہے اور شاید یہی سب تم دونوں کے دلوں کی آوازیں ہیں۔ بن نے اپنی باتوں سے تمہارے چہروں پر پڑے ہوئے سارے خوش رنگ نقاب نوچ لیے ہیں۔"

"اپنی زندگی سے مایوس شخص اپنی جان بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔" وہ مسلسل منافقت کے اظہار پر تلا ہوا تھا۔

"ابھی وہ اپنی زندگی سے اتنا مایوس نہیں ہوا لیکن اس نے تمہاری قبر کھود دی ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم بات سے میری بات کرا دو!"

یکایک اس نے سوال کیا۔

مجھے اس سے کوئی اور بات معلوم ہونے کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اسے محض یہ جتانے کے لیے کال کی تھی کہ بن میرے قبضے میں آ چکا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق یہ انکشاف اس کے لیے شدید بدحواسی کا سبب بن گیا تھا۔

"لو' اپنی یہ آرزو بھی پوری کر لو۔" یہ کہہ کر میں نے اپریٹس بن ڈیوڈ کو تھما دیا۔

"ہاں بن! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد ٹام کی آواز ابھری۔

"میں سب کچھ سن رہا ہوں!" بن کے ہونٹوں سے تھکی تھکی سی آواز برآمد ہوئی۔ "جو کچھ ہوا اس پر میں تم سب سے بہت شرمندہ ہوں مگر اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ میرا حریف مجھ سے زیادہ تیز طرار اور طاقت ور ہے۔ اس سے ہار کر میں شرمندہ نہیں ہوں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

"بس' اتنا کافی ہے۔ میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ ڈینی پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ اس کی کسی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔" وہ ٹام کی آواز تھی۔

"آج اس کے ستارے یاور تھے۔ میں نے اسے پکڑ لیا تھا مگر بازی الٹ گئی۔" بن نے مغموم آواز میں کہا۔

"تم کو اسے پکڑتے ہی مار ڈالنا چاہیے تھا۔" ٹام وہ بے ساختہ مشورہ دینے سے باز نہ رہ سکا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ گزرے ہوئے واقعات پر رائے زنی کرنا ہر ایک اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے گزرے ہوئے وقت کو لوٹایا نہیں جا سکتا مگر وہ پھر بھی بولنے سے باز نہیں رہتا۔

"ضرور مار دیتا مگر اس وقت تک مجھے پتا نہیں تھا کہ یہی ملعون ڈینی ہے۔"

"بن! تم نے بہت محنت کی مگر تقدیر نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ اب تمہارا انجام سامنے ہے۔ یہ خونی درندہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں تمہاری عظمت کو سات سلام کرتا ہوں۔ او کے۔ گڈ لک!"

بن نے پھر پیغام دیا "ان منحوس لمحات میں تم مجھے گڈ لک کہہ رہے ہو۔ اس سے زیادہ خراب وقت اور کیا ہو سکتا ہے۔"

وہ منتظر رہا لیکن ٹام کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"اب وہ نہیں بولے گا۔" میں نے بن سے کہا "ڈوبنے والی کشتی سے کوئی اپنا ناتا برقرار نہیں کرتا۔" اس نے ذرا سی زبان ہلا کر تم کو سات سلام کہے اور بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

دل ہی دل میں وہ تمہیں گالیاں بک رہا ہو گا کہ تم نے اپنی جان کے خوف سے بہت کچھ اگل دیا۔"

"مجھے اس سے بدظن کرنے کی کوشش نہیں کرو۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی یہی کرتا۔" اس نے بھرائی ہوئی' دل گرفتہ آواز میں کہا اور اپریٹس پوری وقت سے زمین پر دے مارا۔

کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ میرے لیے اس مواصلاتی آلے کا وہ انجام متوقع تھا۔ ٹام سے گفتگو ہو جانے کے بعد وہ آلہ میرے لیے اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا تھا۔

"اب تم میرا کیا کرو گے؟" کمرے میں چھائی ہوئی بوجھل خاموشی کو بن نے کچھ دیر بعد توڑ دیا۔

"میرا کوئی قید خانہ نہیں ہے۔ میں خانہ بدوش آدمی ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "میرے لیے حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں۔ کیا پتا کہ مجھے کب یہاں سے کوچ کرنا پڑے۔ تمہارا فیصلہ جلد ہو گا۔"

"میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ تمہارا فیصلہ میری زندگی کے حق میں نہیں ہو گا۔" اس نے کہا۔

"امکان یہی نظر آتا ہے۔" اس کی ذہنی تیاری کے پیش نظر میں نے اعتراف کیا۔

"پھر میری ایک خواہش پوری کر دو۔ میں قتل نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے مر جانے دو!" اس کی آواز خوشامدانہ ہو گئی۔ "مجھے ایک پستول دے دو۔"

اس کی آخری فرمائش نے مجھے چونکا دیا۔ وہ پھر کوئی چال چلنے کے چکر میں تھا۔ میں نے کہا "تاکہ تم اس کی گولیاں ہمارے جسموں میں اتار سکو۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میرا یہ ارادہ نہیں ہے۔" وہ باقاعدہ گڑگڑانے لگا "مجھے اس کمرے میں بند کر کے تم سب باہر چلے جاؤ۔ مجھے کھڑکی کے راستے صرف ایک گولی ڈال کر پستول دے دینا۔ اکلوتی گولی چلنے کے بعد کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ تم اندر آؤ گے تو میری روح رب داؤد کے راستے میں سفر کر رہی ہو گی۔"

میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بن ڈیوڈ عرف آئی مین کی ہنگامہ خیز زندگی کا بڑا ہی سوگوار انجام تھا۔ یہ عجیب لطیفہ تھا کہ وہ اپنے تسلسل کا پانچواں خون تھا اور ہم میں سے کسی کے دامن پر کوئی داغ نہیں تھا۔ چار از خود یا دوسروں کے ہاتھوں مرے تھے' پانچواں خودکشی کرنے پر آمادہ تھا!

وہ سی ٹائین سے آیا تو زخموں' چوٹوں اور ان سے رسنے والے خون کی وجہ سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھوں سے پٹنے کے بعد بن کا چہرہ مزید مسخ ہو گیا تھا اور آنکھوں کے سوا تقریباً پوری جلد خون کی تہ کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ اس کی روشن اور کشادہ آنکھیں ورم زدہ' نیلے پپوٹوں میں دھنس کر کسی بجو کی آنکھوں جیسی ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود مجھے خون کی پپڑیوں کے نیچے' اس کے چہرے سے گہرا حزن و ملال جھلکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ امریکا سے اپنی کامیابی اور میرے خاتمے کے سنہرے خواب لے کر بڑے گرو فر سے کراچی میں وارد ہوا تھا مگر اس کا انجام اچھا نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ میرے خلاف سوچا تھا۔ اس سے کہیں برا اسے درپیش تھا۔

"فی الحال تم آرام کرو۔ ہم سوچتے ہیں۔" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے اب آرام کہاں۔ موت میرا مقدر بن چکی ہے۔" اس نے حسرت زدہ آواز میں کہا "میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔ مجھے مرنا ہے تو بس مر جانا چاہیے تاکہ میں خود کو دوسرے جہان کی ان جان حقیقتوں کو جان سکوں۔ بس دو منٹ کی بات ہے تم ہر بکھیڑے سے آزاد ہو جاؤ گے۔"

میں اس کی بات سنتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی یکایک شکست سے وہ شہ زور اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو بھی گارڈ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنے گا۔

"کیا کہتے ہو اس کی فرمائش کے بارے میں؟" کمرے

سوالاً جواباً

* "کیا اس فلم کا انجام خوش کن تھا؟"

"جی ہاں ... ہر آدمی خوش تھا کہ فلم ختم ہو گئی۔"

* "محترمہ! کیا آپ غیر شادی شدہ ہیں؟"

"جی ہاں .... میں چار مرتبہ غیر شادی شدہ رہ چکی ہوں۔"

* "آپ کس لیے طلاق چاہتے ہیں؟"

"کیونکہ میں شادی شدہ ہوں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

سے چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن کیوں نہ جلال سے بات کر لی جائے۔" اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔

"جلال کو بھول جاؤ۔ اسے آخر میں اعتماد میں لیا جائے گا۔ وہ جس طرح ہم سے رخصت ہوا تھا اسی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اس قضیے سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے۔ اس وقت وہ نیلی ڈاج کے چکر میں الجھا ہوا ہو گا۔ اس بات کے دس گواہ ہوں گے کہ بن کی موت کے وقت وہ کہیں اور مصروف تھا۔"

"یہ بات تم صحیح کہہ رہے ہو۔" اس نے مجھ سے اتفاق کیا "بن ان کا خاص آدمی ہے۔ وہ اس کی موت کا الزام کسی کے بھی سر ڈال سکتے ہیں۔"

"انہیں میرا سراغ نہیں ملتا۔ ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے ہیں مگر اس کا وجود آف دی ریکارڈ ہے۔ لے دے کر آئی بی، آئی ایس آئی وغیرہ رہ جاتی ہیں۔ وہ سارا ہمارا کیا دھرا ان کے سر منڈھنے کی کوشش کریں گے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں داخل ہو چکے تھے۔

"یہ میری طویل عملی زندگی کا پہلا کیس ہے جس میں مجرم خودکشی کی التجا کر رہا ہے۔" اول خان نے میز پر سے بن کا ذاتی پستول اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ عبرت کا مقام ہے کہ ہم سب کو فنا کر دینے کے عزائم رکھنے والا اس وقت خود کو فنا کر لینے کے درپے ہے۔"

اول خان نے احتیاط سے پستول ان لوڈ کر کے اس کا بھرا ہوا میگزین نکال لیا۔ فاضل گولیاں میز پر نکال کر اس نے میگزین میں صرف ایک گولی ڈالی اور کھٹکے کے ساتھ میگزین دوبارہ پستول میں لگا دیا۔ "اگر پستول لینے کے بعد اس کا حوصلہ جواب دے گیا تو کیا ہو گا؟" اول خان نے پوچھا۔

"لاکھ روپے کا سوال ہے؟" میں ہنس پڑا۔ "ہونے کو ایسا بھی ہو سکتا ہے مگر اسی وقت جب اسے زندہ رہنے کی کوئی امید ہو۔ ایک گولی سے وہ کیا کر سکتا ہے۔ وہ کمرے میں بند ہو گا۔ ہم کسی بھی کرتب سے اس کی یہ گولی ضائع کروا سکتے ہیں۔"

"ہم ایک فیصلے پر عمل کرنے جا رہے ہیں تو اس کے ہر پہلو پر غور کرنا ضروری ہے۔"

اس پستول کے ساتھ ہم دوبارہ کمرے میں گئے تو وہ اسی حال میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا جس حال میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ اس پر مایوسی کا غلبہ تھا۔

"کیا تم آخر کار، مجھے مار دو گے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے بیم و رجا کے ملے جلے اور عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس موقع پر میں نے اسے سسکانا مناسب نہیں سمجھا۔

"پھر میرا فیصلہ صحیح ہے... کیا خیال ہے تمہارا؟" اس بار بھی وہ مجھ سے مخاطب تھا۔

"موت اٹل ہو چکی ہے۔ ہمارے ہاتھوں یا اپنے ہاتھوں... اس فیصلے کا اختیار ہم نے تمہیں دے دیا ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "لاؤ! پستول کہاں ہے؟"

"ذرا سے توقف سے کام لو۔ وہ تمہاری تجویز کے مطابق کھڑکی میں سے ملے گا۔" اول خان نے پستول والا ہاتھ فضا میں لہرا کر کہا۔

اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ہمارے بدترین دشمن کی وہ بدترین شکست تھی۔ میں نے موت کے دہانے پر کھڑے ہوئے اس دشمن کی دل جوئی کی خاطر اس کا بڑھایا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے بہت تپاک سے ہاتھ ملایا۔ اول خان نے بھی اس سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ محافظ ہمارے بعد باہر نکلے اور انہوں نے باہر سے دروازے کا کھٹکا لگا دیا۔

ہم دروازے سے ہٹے تو بن کھڑکی کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اول خان نے ایک طرف سرک کر پستول اسے تھما دیا۔

صبر آزما اور اعصاب شکن انتظار کا آغاز ہو گیا۔ کمرے سے بن کے بڑبڑانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید وہ اپنی مذہبی دعائیں پڑھ رہا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ انتظار سے میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ وہ دعائیں پڑھ چکا تھا۔ اس بند کمرے میں گہرے سناٹے کا راج تھا۔ ایک ڈیڑھ منٹ اسی عالم میں گزر گیا۔ مجھے اول خان کی کہی ہوئی بات سچ ہوتی نظر آنے لگی۔ شاید پستول مل جانے کے بعد اس نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔

"سنو! پاکستانیو، ذلیل اور گندے مجرمو! کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے!" اچانک کھڑکی سے بن کے چیخنے کی آواز آئی۔ اس کے اندازِ تخاطب اور سوال میں کوئی مطابقت نہیں تھی۔ گندے القاب سن لینے کے بعد معافی کا دوراز کار امکان بھی جاتا رہا تھا۔ شاید موت کی دہشت سے اس کا دماغ

Downloaded from https://paksociety.com

چل گیا تھا۔

"بن! دیر ہو گئی ہے ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ اپنے وعدے پر عمل کرو!" میں نے اس کے سامنے آئے بغیر تحمل سے کہا۔

اس نے دیوانہ وار ایک قہقہہ لگایا اور پھر ہذیانی انداز میں ہنستا ہی چلا گیا۔ موت کے بھیانک تصور نے اس کے دماغ پر اثر ڈالا تھا۔

اول خان نے پُر تشویش نظروں سے میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ بن کا خوف آور، شیطانی قہقہہ مسلسل فضا میں گونج رہا تھا پھر فضا فائر کی ایک ہولناک گونج سے لرز اٹھی، بن کا قہقہہ یکایک معدوم ہو گیا، اندر کوئی بھاری وجود شہتیر کی طرح فرش پر گرا تھا۔

فضا پر یک لخت سناٹا چھا گیا۔ میں واضح طور پر اپنے تیز تنفس کی آواز سن رہا تھا۔ اندر سے بن کی کوئی آخری چیخ ابھری تھی سہ تڑپنے کی آواز آئی تھی۔

کہیں وہ مکاری نہ کر رہا ہو!" میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس شبہے نے سر ابھارا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

بن بہت خرانٹ اور چھٹا ہوا مجرم تھا۔ ایسے لوگ آخری لمحات تک موت سے آنکھیں چار کر کے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کے لیے لڑتے ہیں۔ بن کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہنے لگا کہ میں نے کیوں اسے اپنی موت کے طریقے کا انتخاب کرنے کی آزادی دی تھی۔ ایک خطرناک مجرم کو خودکشی کی سطح پر گرا دینے کے شوق میں وہ اعصاب شکن لمحات مول لیے تھے۔ فیصلہ ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہوتا تو اس وقت تک قصہ نمٹ چکا ہوتا۔ بن کی لاش کسی نامعلوم ٹھکانے کی طرف جا رہی ہوتی۔

میں فرش پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے آگے سرکنے لگا۔ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھڑکی کے نیچے پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں لمحہ بھر کے لیے کھڑا ہو کر اندر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ بن گولی چلا چکا تھا۔ وہ مجھے کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ خیال آتے ہی میں نے لاحول پڑھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرے لاشعور میں موجود اکلوتی گولی سارا فساد پیدا کر رہی تھی۔ اس کے چل جانے کا دھیان آتے ہی میں نے ہر شیطانی وسوسے کو اپنے سر سے جھٹک دیا۔

میں کھڑکی کے سامنے پہنچا تو فرش پر بن کا وجود ایک کروٹ سے پڑا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی اور کھوپڑی کا اوپری حصہ صاف تھا۔ شاید اس نے پستول کی نال ناک اور آنکھوں

بادشاہ

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا "میری زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب میں خود کو گھر کا بادشاہ محسوس کرتا ہوں۔"

"کس وقت؟" دوست نے پوچھا۔

"جب میری بیوی گھر پہ نہیں ہوتی۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

شرط

بیوی:۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟

شوہر:۔ بہت زیادہ۔

بیوی:۔ میرے مرنے پر تم کتنا روؤ گے؟

شوہر:۔ بہت زیادہ۔

بیوی:۔ اچھا رو کر دکھاؤ۔

شوہر:۔ پہلے مر کر دکھاؤ۔

کی جڑ میں ٹکا کر قدرے ترچھا فائر کیا تھا جس کے نتیجے میں گولی پورا بھیجا اڑاتی ہوئی سر کے پار نکل گئی تھی اور فوری طور پر بن ڈیوڈ کی موت واقع ہو گئی تھی۔

میں نے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ اول خان اپنی جگہ کھڑا رہا۔

"اپنے حریف کا آخری دیدار کر لو!" میں نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔

"ڈیئی! یہ مقام عبرت ہے۔" اس نے ہاتھ سے واپسی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "انسان کی بساط ایک مُشتِ خاک سے زیادہ نہیں ہے لیکن جب تک زندہ رہتا ہے یوں اکڑتا اور اینڈتا پھرتا رہے جیسے سارے روزگار جہاں کا بوجھ اسی نے اٹھایا ہوا ہے۔ کیا یہ وہی بن ہے جو فرعون بن کر را والوں پر راج کر رہا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں اور وہاں سے چل دیا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ مجھے یہ سوچ کر خفت ہو رہی تھی کہ میں ایک

Downloaded from https://paksociety.com

فرضی گولی کے خوف سے چند ثانیوں تک غیر ضروری احتیاط میں الجھا رہا جو دوسروں کو احمقانہ محسوس ہوئی ہو گی لیکن اول خان نے دانستہ وہ ذکر گول کیا ہوا تھا۔

"اب میں جلال سے بات کروں گا۔" اول خان کے دفتر میں بیٹھنے کے بعد میں نے فون اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

"یوں نہیں۔ پہلے اس سے سی ایس ڈی جوڑ لو۔ اس کار آمد آلے کو میں دفتر ہی میں استعمال کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اول خان نے اپنی میز کی دراز سے سی ایس ڈی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔

وہ زیادہ دیر کا کام نہیں تھا۔ میں نے سی ایس ڈی سنبھال لی اور اول خان، بن کے بریف کیس سے برآمد ہونے والے مالِ غنیمت کو دوبارہ اس کے بیگ میں ڈالنے میں مصروف ہو گیا۔

"میں اس وقت سرکاری مردہ خانے سے واپس آیا ہوں۔" چند منٹ بعد مجھے جلال کے فون سے جواب ملا۔

"خیریت تو تھی۔ تمہیں وہاں کیوں جانا پڑ گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"راکے باقی ماندہ.... اوہ! شاید فون پر یہ سب مناسب نہ ہو گا۔ تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟" جلال بولتے بولتے اچانک رک گیا اور دوسری بات شروع کر دی۔

"میں اول خان کے دفتر سے بول رہا ہوں۔" میں نے اطلاع دی "تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ اب یہاں بھی سی ایس ڈی لگ گئی ہے۔ جو اس وقت آن ہے۔"

"قسمت تم پر بہت مہربان ہے۔ یہ دوسری سی ایس ڈی کہاں سے تمہارے ہاتھ لگ گئی!" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"بن کے سامان سے برآمد ہوئی ہے۔ تم راوالوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔"

وہ ہنس پڑا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری بات سننے کے بعد اپنی کتھا سناؤ گے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ دونوں مر گئے مگر ہمیں یہ پتا نہیں تھا کہ کس کا کیا نام ہے۔ ابھی چوپڑا نے کسٹم ہاؤس پر مرنے والے کو سیٹھی کے نام سے پہچانا ہے۔ راجو نیلی گاڑی میں جل کر مرا ہو گا۔ اب تم بتاؤ کہ کیا رہا۔"

اس بار میرے ہنسنے کی باری تھی۔ "تم نے عجلت میں اپنی ساری کہانی چند فقروں میں سمیٹ دی۔"

"باتوں میں کیا رکھا ہے۔ وہ تو چلتی ہی رہتی ہیں۔ میں نے تمہیں کام کی بات بتا دی۔"

"بن نے ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں کے ایک عارضی لاک اپ میں خودکشی کر لی۔" میں نے اسے بتایا۔

"اوہو.... یہ تو بہت برا ہوا۔ اسے یہ موقع کیسے مل گیا۔" اس کی بے ساختہ آواز بہت زیادہ پر ملال تھی۔

"یہ وضاحت میں بعد میں کروں گا۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم اسے زندہ رکھنے کے حق میں تھے یا اس کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"وہ تم دونوں کا کیس تھا۔ اس کے مقدر کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم ہی کو تھا۔ میں نے دانستہ اس معاملے سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ وہ ایک موذی مجرم تھا۔ موذیوں کا زندہ رہنا ہر حال میں خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ میری رائے میں تو اس کا مرجانا ہی بہتر رہا لیکن اسٹیشن فور پر خودکشی کی بات میری سمجھ سے باہر ہے۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا "اس نے بالکل وہی بات کی تھی جو میں نے اس کے ذاتی ردِعمل کے بارے میں اول خان کو بتائی تھی۔ میں نے اس کا تجسس دور کرنے کے لیے کہا "اسے خودکشی کرنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ ہمارے ہاتھ اس کے خون سے محفوظ رہیں۔ یہ اس کی آخری خواہش تھی۔"

"کیا وہ اپنی زندگی سے اتنا مایوس ہو گیا تھا؟" جلال کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "مجھے اطلاعات ملی تھیں کہ وہ بہت تند خو اور جارحانہ مزاج کا مالک تھا۔"

"سی ٹائین میں وہ ایسا ہی تھا۔ اسٹیشن فور کے سیل میں اس کا سارا دم خم یکایک جواب دے گیا۔"

اس کے لیے اتنی بات ناکافی تھی کہ بن پکڑا گیا اور پھر اس نے خودکشی کر لی۔ وہ اس معاملے کی ساری تفصیلات جاننا چاہتا تھا۔ میں نے وہ باتیں اگلی ملاقات کے لیے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانا اور مجھے ابتدا سے سارے واقعات دہرانے پڑ گئے۔

"تم نے کمند کے ذریعے اندر گھس کر بہت ہمت اور حوصلے کا ثبوت دیا۔ ایس ٹی ایف والے وہاں غیر معینہ مدت تک نہیں رک سکتے تھے۔ ایک آباد علاقے میں باوردی پولیس بنی کھل کر ایسی کارروائی کر سکتی تھی۔ تم نے سی ٹائین میں گھس کر اس مہم کو نتیجہ خیز بنا دیا۔"

"بس قسمت تھی کہ ایسا ہو گیا۔ اندھیرے میں اس نے ہتھیار چلانے کے بجائے اپنے زوربازو پر انحصار کیا ورنہ پلک جھپکتے میں میرا کام تمام ہو جاتا۔"

"اس نے تمہیں یرغمالی بنا ہی لیا تھا۔ ہتھیار استعمال نہ ہونے کے باوجود تم گیس سے مار کھا گئے تھے۔ میں اکثر یہی کہتا ہوں کہ تمہاری حاضر دماغی اور قوت فیصلہ نے آج تک تمہیں زندہ رکھا ہوا ہے ورنہ بہت پہلے تمہارا کام تمام ہو گیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوتا۔ دلیری کے نام پر تم اکثر حماقتیں بھی کر گزرتے ہو جنہیں احساس ہوتے ہی سنبھال بھی لیتے ہو۔"

"کچھ پتا نہیں چل رہا کہ میری ٹانگ کھینچ رہے ہو یا میری تعریف کر رہے ہو۔"

دونوں ہی باتیں ہیں۔ بس تمہارے حاصل کیے ہوئے نتائج شاندار ہوتے ہیں جو ہر کمی کا ازالہ کر دیتے ہیں۔"

"اب تم نے ذرا سی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "آج مجھے کافی دنوں بعد کھل کر ہاتھ پیر چلانے کا موقع ملا ہے۔"

"جدید ترین ہتھیاروں کے اس دور میں ہاتھ پیروں کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔ تنکے جیسے آوارہ لڑکے ٹی ٹی دکھا کر بڑے بڑے زور آوروں کی جیبیں خالی کرا لیتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اس قسم کے براہِ راست تصادم سے بچنے کی کوشش کیا کرو۔ اپنے بجائے تم کسی اور کو اوپر چڑھا سکتے تھے۔"

"اول خان کا یہی اصرار تھا۔ اس کے کمانڈوز ایسے کاموں میں بلا کی مہارت رکھتے ہیں مگر بات وہی ہے کہ مجھے اطمینان نہ ہوتا۔ کوئی اور اوپر چڑھا ہوتا تو شاید آج بن اس کی آڑ لے کر صاف نکل گیا ہوتا۔ اس وقت میں اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔"

"اب اس کی لاش کے بارے میں تم لوگوں نے کیا سوچا ہے۔"

"اس کی لاش خاموشی سے شہر کے کسی گوشے میں ڈال دی جائے گی۔ صبح پولیس خود اس تک پہنچ جائے گی۔"

"اس طرح شاید بات نہیں بنے گی۔ اس کی خودکشی کو قتل قرار دیا جائے گا۔"

"لاش کے ساتھ اس کا وہ پستول بھی ہوگا جس سے اس نے گولی چلائی تھی۔"

"بھائی تمہارا شہر اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ رات ہی کوئی اٹھائی گیرا پستول لے اڑے گا۔ خودکشی ثابت کرنے کے لیے ہتھیار کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔"

"تم نے بن کی لاش نہیں دیکھی اس لیے ایسی بات کر

برصغیر کے نام ور گلوکاروں کے سدا بہار گیتوں کا

نوٹیشن

اس نوٹیشن کی مدد سے ان گیتوں کی صرف "دُھن" بھی ہر ساز پر بجائی جاسکتی ہے

موسیقی کے حوالے سے

ابجدِ موسیقی

کے بعد ایچ اقبال کی دوسری کتاب

صفحات 200 سے زاید

قیمت 200 روپے

ڈاک خرچ 25 روپے

سفید کاغذ مجلد اور دیدہ زیب

موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!

اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 5802552-5895313

فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

رہے ہو۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کی موت کو خودکشی ثابت کردے گی۔ بھیجے سمیت اس کی کھوپڑی اڑ کر چھت اور دیواروں سے چپک گئی ہے۔"

"یہ ایک اور منفی نکتہ ہے۔ خودکشی کے لیے جائے واردات پر لاش کی ساری باقیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ بھیجا اور کھوپڑی کے ٹکڑے تم کیسے سمیٹو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم دانستہ مجھے الجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اپنے دل میں ایسا خیال بھی نہ لانا۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر غور کرلینا اچھا ہوتا ہے۔"

"پھر تو ہتھیار کے بغیر لاش ہی کافی رہے گی۔ وہ کہیں گیا' کسی بات پر جذباتی ہو کر اس نے خودکشی کرلی۔ اس کا میزبان بوکھلا گیا۔ اسے کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے لاش کو اٹھا کر اپنے گھر سے دور پھینک دیا۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر بارود کے ذرات ضرور ملیں گے جو فائر کرتے ہوئے کسی نہ کسی حد تک نال سے بیک فائر ہوتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" اس کی مسرت آمیز آواز آئی۔ "یہ آج پتا چلا کہ تم اچھے منصوبہ ساز ہی نہیں' وکیل بھی ہو۔ ایسے نکتے صرف وکیلوں کو سوجھتے ہیں۔"

"بن کی باتیں بہت گہری اور ہوش ربا تھیں۔ ان کے بارے میں' میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا۔

"تو کیا تم نے اس سے کچھ باز پرس بھی کی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے اسٹیشن فورلاتے ہی مارنا چاہا ہوگا اور اس کی التجا پر اسے خودکشی کرنے کی اجازت دے دی۔"

"یہ مرحلہ اتنی آسانی سے نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کی ٹام سے بات بھی کرائی تھی!"

"فون پر واقعی یہ سب باتیں نہیں ہوسکتیں۔ تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ تم گھر کب پہنچ رہے ہو؟" وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔

"بن کی لاش کی روانگی کے ساتھ ہم دونوں کا کام ختم ہو جائے گا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

"کہو تو میں بھی ادھر آجاؤں۔ آج رات میں بالکل فارغ ہوں۔" اس کی بے تابانہ آواز آئی۔

"وہ تمہارا گھر ہے۔ جب چاہو آسکتے ہو لیکن تم نے انگریزی کی وہ مثال سنی ہوگی کہ سارے انڈے ایک ٹوکری میں ڈال دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس وقت ہم سب کا یک جا ہونا مناسب نہیں ہے۔ کسی ایک کی وجہ سے سب پر کوئی آفت نازل ہوسکتی ہے۔"

"ہم بارہا تمہارے گھر پر جمع ہوتے رہے ہیں۔ کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہوئی تو اب کیا آفت آجائے گی۔"

"تم اس تل والی لڑکی کو بھول رہے ہو جو جہانگیر کے گھر گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"آج کا دن واقعی بہت تیزی سے گزرا ہے۔" اس کی آواز سے اعتراف کی خفت سے جھلک رہی تھی۔ "کسٹم ہاؤس کا واقعہ پیش آیا' ڈاج دھماکے سے جل اٹھی۔ بن ڈیوڈ نے خودکشی کرلی اور اب تم داہنے رخسار پر تل والی حسین و جمیل بھارتی جاسوسہ کا دھیان دلا رہے ہو۔ وہ میرے ذہن سے بالکل اتر گئی تھی۔"

"تم کاموں میں الجھ کر سب کچھ بھول جاتے ہو۔ تمہاری لائن دوسری ہے۔ جہانگیر کو تو ہر وقت بس لڑکیاں ہی یاد رہتی ہیں۔ ذرا تل والی کے بارے میں بھی کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"راستے میں' میں اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے کچھ بھولا بھولا سا یاد پڑتا ہے کہ اس کو سب دیوی کہتے ہیں۔ میرے ریکارڈ میں بھی اس کی یہی یا اس سے ملتی جلتی عرفیت درج ہوگی۔ اس کا اصل نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔"

"تمہاری وہ دیوی کالی بلی کسی بھی وقت ہماری طرف آ سکتی ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اسی لیے میں آج رات تمہیں اپنی طرف آنے سے روک رہا ہوں۔"

فون پر اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر آواز آئی "تم نے خوب کہا' بلیک کیٹ ایک عورت ہی ہوسکتی ہے۔ پتا نہیں را والے اپنے مردوں کے لیے یہ ترکیب کیوں استعمال کرتے ہیں۔" وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر بولا "وہ آتے ہیں تو ضرور آئیں۔ تم لوگ ان کی صحیح تواضع کرلو گے۔ ایسے موقع پر میں وہاں نہ رہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بات کسی بحث و تمحیص کے بغیر اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

ہم اپنے کام کے ایک مرحلے سے بخیر و خوبی نمٹ گئے تھے۔ آگے دوسرا مرحلہ پیش تھا۔ مجھے گھر کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ میں نے وہاں کی خیر خبر لینے کے لیے نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا کر دوسری طرف گھنٹی بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

فون کی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ویرا نے ریسیور اٹھا لیا۔ شاید وہ میری کال کے انتظار میں فون سے لگی بیٹھی تھی۔

"اسٹیشن فور پر کیا دھماچوکڑی ہو رہی ہے۔ تمہارے شکار کا کیا حال ہے؟" میری آواز سنتے ہی اس نے چہکنا شروع کر دیا۔

"سب کچھ ختم ہو گیا بن ڈیوڈ نے خودکشی کر لی۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"خودکشی کر لی!" میرے کان میں ویرا کی تحیر زدہ آواز گونجی "اور تم دونوں اس کمینے کو ایسی آسان موت اختیار کرنے سے نہ روک سکے۔ تمہیں تو اس کے بدن کا ایک ایک جوڑ الگ کر کے اسے زندہ رکھنا تھا۔ وہ کسی بھی طرح ایسی آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔"

"اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا تھا۔ ہر بڑے مجرم کی طرح اسے بھی اپنی ذات پر بہت زعم تھا۔ زیر ہونے کے بعد اس نے خود ہی خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ اس کی مایوسی اور ناامیدی کی انتہا تھی۔ ہم نے اس کی خواہش تسلیم کر لی۔"

"کبھی کبھی تم ایسی نرم دلی کا مظاہرہ کر جاتے ہو کہ مجھے حیرت ہونے لگتی ہے۔ مشکل سے ہاتھ آئے ہوئے شکار کو تم نے اتنی آسانی سے ضائع کر دیا۔"

"یہ باتیں گھر آنے کے بعد ہوں گی۔ اس وقت میں نے خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔"

"ابھی تک یہاں خیریت ہے۔ یہ اچھا کیا کہ تم نے اسٹیشن فور پہنچتے ہی غزالہ کو فون کر دیا تھا۔ وہ بے چاری تمہاری طرف سے پریشان تھی۔"

"میں تھوڑی دیر میں واپس آ رہا ہوں۔ بس یہ طے کرنا ہے کہ بن کی لاش کہاں پھینکی جائے۔"

"اب دیکھنا ہو گا کہ اس کی لاش کا کون دعوے دار بنتا ہے۔" ویرا کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔

میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ویرا کو صدمہ ہے کہ ہم نے بن کو خودکشی کرنے کی اجازت کیوں دی۔ تم کس فکر میں ڈوبے ہوئے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو مجھے اس کی خودکشی سے خوشی ہوئی ہے۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ ان مجرموں میں سے تھا جن کے دماغوں پر اپنی بڑائی کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ ویرا دور بیٹھ کر سوچ رہی ہے ہم دونوں اس کے ساتھ موجود تھے۔ اسے اپنی شکست کا بہت دکھ تھا۔ مرتے ہوئے وہ یہ داغ اپنے سینے پر لے کر گیا ہے۔"

"ویرا کے اعتراض کے باوجود میں اپنے اس فیصلے پر نادم نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس لاش کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ لاش کہیں بھی پھینکی جا سکتی ہے۔" اول خان نے اپنی رائے دی "بس ذرا خودکشی کا کیس پیچیدہ ہو جائے گا۔"

"پیچیدگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ذرا سے ماہرانہ تجزیے سے یہ بات سامنے آ جائے گی کہ بن نے خود اپنی پیشانی میں گولی ماری ہے۔"

"تم جلال سے فون پر جو کچھ کہہ رہے تھے' میں اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس بارے میں کوئی دشواری نظر آئی تو پولیس سے تھوڑا بہت تعاون کیا جا سکتا ہے۔"

"لاش کو سی نائین کے قرب وجوار سے ملنا چاہیے۔" میں نے کہا "سی نائین میں گڑبڑ کے بعد ایک سفید فام کی لاش اسی علاقے سے ملے گی تو عمارت کے چوکیداروں کو بھی تفتیش میں شامل کیا جائے گا۔ وہ ایک نظر میں بن کو پہچان لیں گے۔"

امریکیوں نے سرکاری طور پر خود کو بن ڈیوڈ سے بالکل الگ تھلگ رکھا ہوا تھا مگر پس پردہ وہ اس کی پوری مدد کرتے رہتے تھے۔ ٹام اور نک کے ایما پر اسے امریکی قونصل خانے تک میں چھپایا گیا اور جب بات بگڑنے کا خطرہ پیدا ہوا تو اسے اپنی بکتر بند گاڑیوں میں وہاں سے نکال کر سی نائین میں پہنچا دیا گیا۔ بن ڈیوڈ کی مجرمانہ سرگرمیاں اتنی واضح تھیں کہ کوئی بھی کھل کر اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ ٹام اور نک نے ہمیں چھوٹ دے دی تھی کہ ہم اگر بن کے گریبان تک پہنچ سکیں تو ضرور اس پر ہاتھ ڈال دیں۔ کوئی امریکی ایجنسی ہماری راہ نہیں روکے گی۔ وہ ان کی باتیں ہی باتیں تھیں۔ ان کا عمل اس سے بالکل مختلف تھا۔

دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ بن کوئی غیر معروف آدمی نہیں رہا تھا۔ جب تک وہ زیر زمین رہ کر کام کرتا رہا۔ ہم سب کی نظروں سے محفوظ رہا لیکن پرپرزے نکلنے کے بعد وہ اس حد تک منظر عام پر آ چکا تھا کہ اس کا امریکی پاسپورٹ آئی بی کی تحویل میں آ چکا تھا۔ جوں ہی اس کی شناخت ہوتی' امریکی

Downloaded from https://paksociety.com

ادارے اس کی لاش کے حصول کے لیے سرگرم ہو جاتے۔

پاکستان کی سرزمین پر سنگین جرائم میں ملوث ہونے کی بنا پر اس کی امریکی شہریت کا کیس کمزور نہیں ہو سکتا تھا۔ بیرون ملک مرنے والے کی لاش کو اس کے وطن واپس لے جانا سفارتی عملے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ٹام اور نک اس اصول سے فائدہ اٹھا کر سامنے آسکتے تھے۔

بن کی خودکشی سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ امریکی اہل کار پاکستان میں کسی امریکی کے قتل پر شور غوغا نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہ الزام تراشی کی کہ پاکستان میں امریکی شہریوں کو بھرپور تحفظ حاصل نہیں ہے۔

اگر بن ہمارے ہاتھوں مارا جاتا تو امریکا والے اس کے جرائم کو فراموش کر کے اسے ایک مظلوم مقتول بنا دیتے۔ اس کے جرائم کا دور دور تک ذکر نہ ہوتا۔ سارا زور اس بات پر آجاتا کہ کراچی کے غیر محفوظ شہر میں ایک اور امریکی باشندہ نامعلوم قاتل یا قاتلوں کا نشانہ بن گیا۔

وہ اہم نکات تھے۔ ان پر ہم دونوں کا ہم خیال ہونا ضروری تھا۔ آپس کے تبادلۂ خیال کے بعد اول خان نے اپنے دو ماتحتوں کو دفتر میں طلب کیا اور ان کو بن کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

اپنے ماتحتوں کو بریفنگ دینے کے بعد وہ دفتر سے اٹھ گیا۔ ہم دونوں نے سی نائین کی مہم میں اپنی اپنی گاڑیاں استعمال کی تھیں، وہاں سے اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور آیا تھا۔ میری گاڑی اس کے آدمی لے آئے تھے۔ دفتر سے نکل کر ہم دونوں نے مصافحہ کیا اور اپنی اپنی گاڑیوں میں گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

را کے چاروں ایجنٹوں کے ساتھ بن کا قصہ بھی نمٹ جانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پورا منظر نامہ یکایک خالی ہو گیا ہو۔ ان لوگوں میں سے چوپڑا آئی بی والوں کی تحویل میں رہ گیا تھا۔ ہماری کامیابیوں میں اس نے خاصا کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اگر وہ جلال کے اسٹاف کے سامنے لب کشائی نہ کرتا تو بھارت سے آئے ہوئے را کے ایجنٹوں کا جال توڑنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مقامیوں کی صفوں میں روپوش رہ کر اپنے منصوبے پر کام کرتے رہتے۔

بن ڈیوڈ شی کے آئی مین کے روپ میں خاصے دنوں تک زیر زمین رہ کر کام کرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے شی کے پرانے رابطوں کو بحال کرنے کی سرتوڑ کوششیں جاری رکھیں۔ شاید ہمیں کانوں کان بھی اس کی موجودگی کی خبر نہ ملتی کیونکہ وہ اپنا دامن بچا کر شہر میں مکمل رازداری سے اپنا کام آگے بڑھا رہا تھا۔

یہ آئی مین کے ستاروں کی گردش تھی کہ چوپڑا اور جوشی کے چکر میں راجا کا نام ہمارے سامنے آگیا۔ اس وقت راجا فون کی حد تک براہِ راست بن سے رابطے میں تھا۔ اسٹیشن فور کے نفسیاتی ماحول کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا اور یوں آئی مین کی کراچی میں موجودگی کا راز فاش ہو گیا۔

ابتدا میں ہمیں یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ دوبارہ شی کے پرانے مقاصد کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کا طریقہ کار سامنے آنے کے بعد رفتہ رفتہ یہ بات واضح ہو گئی کہ اس نے پرانے جرائم پیشہ افراد کو اپنے گرد جمع کرنے کے لیے محدود پیمانے پر ہیروئن کے لین دین کا کام شروع کیا ہوا تھا۔ اس کا اصل مشن مجھے ٹھکانے لگانے کا تھا۔ اگر ہم بروقت اس کی موجودگی سے باخبر نہ ہو گئے ہوتے تو وہ روپوش رہتے ہوئے میرے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔

بن اور اس سے تعلق رکھنے والے سب لوگ ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے۔ ان میں سے صرف دو باقی رہ گئے تھے جنہیں سفارتی اور محکمہ جاتی تحفظ حاصل تھا۔ آنے والے دنوں میں دیکھنا یہ تھا کہ بن کی موت کے بعد ٹام اور نک کون سی راہ اختیار کرنے والے تھے۔

وہ باضابطہ امریکی ایجنسیوں کے مقامی سربراہ تھے لیکن میرے تجربات یہ بتاتے تھے کہ وہ لوگ اپنے ملک سے باہر نکلنے کے بعد کسی قانون یا ضابطے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہر قیمت پر اپنا ہدف اور مقصد حاصل کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ میرے بارے میں ان کے ہاتھ ویسے بھی کھلے ہوئے تھے کیونکہ ان کی حکومت نے مجھے اپنا اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا تھا۔

یہ ان کی کھلی دھونس اور دھاندلی تھی کہ انہوں نے اپنے مذموم عزائم کی راہ میں رکاوٹ بننے کے سبب مجھے یک طرفہ طور پر اشتہاری مجرم قرار دے دیا تھا۔

یونیورسٹی روڈ میں نے یہی سب سوچتے ہوئے طے کی۔ اول خان اپنے گھر کے لیے سیدھا نکلتا چلا گیا۔ میں بائیں طرف مڑ گیا۔

گھر پر تینوں جاگ رہے تھے اور بے چینی سے میری واپسی کے منتظر تھے۔

"میں ابھی تک اس کوفت سے نجات حاصل نہیں کر سکی جو بن کی خودکشی کی خبر سننے سے ہوئی تھی۔" ویرا نے میرے بیٹھتے ہی اپنی پہلی شکایت داغ دی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مرنے والا مرجاتا ہے اور اپنی کہانیاں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ دوسروں کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کن مراحل سے گزرا ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا "اسے مرنا تھا' وہ مرگیا۔ تم یہاں بیٹھ کر اعتراض کررہی ہو میں نے اسٹیشن فورپر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فیصلہ کیا تھا۔ جسمانی شکست سے زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ وہ ذہنی طور پر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔"

"بڑے زور آور جب شکست کا مزہ چکھتے ہیں تو یہی ہوتا ہے۔ اسے چند روز زندہ رہ کر اس ہار کا مزہ چکھنا چاہیے تھا۔"

"اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہوتا۔ یہ اچھا ہوا کہ ان لوگوں نے پہلی فرصت میں اس کا کام تمام کردیا۔" سلطان شاہ بولا۔

"ڈیڈی کے آنے تک تم میری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ اس کے آتے ہی تیور بدل لیے۔" ویرا نے اسے گھور کر کہا۔

"میں تمہاری ہاں میں ہاں نہیں ملا رہا تھا۔" سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا "تمہاری خودکشی والی بات سے اتفاق ظاہر کررہا تھا۔"

"اگر وہ سسک سسک کر مزید چند روز اور جی لیتا تو کون سی قیامت آجاتی؟"

"وہ کوئی لاوارث مجرم نہیں تھا۔ یہ بات تمہیں سمجھنی چاہیے کہ اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔" ویرا کو وہ جواب دے کر سلطان شاہ نے تائید طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تمہاری بات بالکل صحیح ہے۔" میں نے سرہلا کر اس کی تائید کی "اسے ٹام اور نک نے سی ٹائین میں پہنچایا تھا۔ اپنے خاص اپریٹس کے ذریعے وہ ان سے مسلسل رابطے میں تھا۔ وہ سی ٹائین سے خاموشی سے غائب ہوجاتا تو صبح ہونے سے پہلے وہ دونوں ایک امریکی شہری کے اغوا کو بنیاد بنا کر ایک ہنگامہ کھڑا کردیتے۔ ہر طرف سے یکایک اتنا دباؤ آجاتا کہ پھر اسے مارنا ہمارے بس میں نہیں رہتا۔"

"ہنگامے اور دباؤ سے اب بھی جان نہیں بچے گی۔ یہ لوگ سیدھی سچی باتوں کا بھی اسکینڈل بنادیتے ہیں۔"

"اب اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ میں نے خود ٹام کو بتایا تھا کہ بن میری قید میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی لاش مل جائے گی۔ یہ بات وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ان کے بدترین احتجاج سے بھی کسی مردے میں دوبارہ جان نہیں پڑسکتی۔"

"اوہ... تو تمہیں یہ خطرہ تھا کہ اسے زندہ رکھا گیا تو پھر اسے رہا بھی کرنا پڑجائے گا۔"

"یہ سامنے کی بات ہے۔ اس کی خودکشی بھی کسی نہ کسی مرحلے پر کام آئے گی۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم خودکشی کرتے ہوئے اس کی تصویریں بھی بنالیتے تو وہ ان کو نہ مانتے۔ مردے میں جان نہ ڈالنے والی بات درست ہے مگر خودکشی کو قتل قرار دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ہر بات پر تمہارے اندازوں کے مطابق غلطیاں کرتے چلے جائیں۔"

"چلو یہ بھی غنیمت ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "ایک بات تم نے مان لی' دوسری میں مانے لیتا ہوں۔"

"تمہارے چہرے پر کئی چوٹوں کے نشان نمایاں ہیں۔ کیا تم دروازے پر ہی اس سے بھڑ گئے تھے۔"

"اس کا بہت برا حشر ہوا تھا۔ ساری مار کٹائی ہاتھوں اور پیروں سے ہوتی رہی۔" میں نے کہا "کسی ہتھیار کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ خاموشی کے ساتھ مجھے پُرتشویش نظروں سے دیکھے جارہی تھی۔ چوٹوں کا ذکر سن کر بے چینی سے بولی "نیم گرم پانی سے منہ ہاتھ دھولیں..."

"یہ سب مردوں کا زیور ہے۔" ویرا نے مخل ہوکر اسے خاموش کردیا پھر مجھ سے بولی "یہ سب چھوڑو اور پوری کہانی سناڈالو۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی کہ ہتھیاروں کے استعمال کے بغیر بن ڈیوڈ کا فتنہ کیسے ختم ہوگیا۔"

"آج کا دن ہی کچھ ایسا تھا۔ میں جاتے ہوئے بیم گن گھر پر چھوڑ گیا تھا۔"

"وہ آپ ڈریسنگ ٹیبل پر بھول گئے تھے۔ میں نے واپس دراز میں رکھ دی۔ اس کے نہ ہونے سے آپ کو دقت ہوئی ہوگی۔" غزالہ بولی۔

"اس کے نہ ہونے کی وجہ سے میں اس وقت زندہ ہوں۔ ایک مرحلے پر اس نے مجھے گن پوائنٹ پر لے لیا تھا۔ اگر میری جامہ تلاشی میں اسے بیم گن مل جاتی تو وہ مجھے بے دریغ شوٹ کردیتا۔"

"بیم گن اس کے لیے اتنی اہم تھی!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ میرے دشمنوں میں سے شاید کوئی بھی میرے چہرے سے واقف نہیں ہے۔ وہ ایک نام اور آواز کے دشمن ہیں۔ یہ بات ان سب کو معلوم ہے میں بیم گن پر قابض ہوں اور اسے ہر لمحے اپنی جان سے بھی زیادہ

Downloaded from https://paksociety.com

عزیز رکھتا ہوں۔ میرے پاس سے بیم گن برآمد نہ ہونے پر اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔"

"اب اس کی بیم گن تمہارے پاس ہوگی!" سلطان شاہ نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا پورا بدن یکایک سن ہو کر رہ گیا ہو۔ میری طرح بن کے پاس بھی بیم گن ہونی چاہیے تھی۔ اس نے اپنے ایک شکار پر بیم گن استعمال کرکے یہ اعلان کیا تھا کہ شی کا کوئی آئی مین کراچی میں سرگرم ہوچکا ہے۔ وہ واردات رونما ہوتے ہی ہم نے اس کی تلاش کی مہم تیز کی تھی۔

اس پر غالب آنے کے بعد میں نے اس کی جامہ تلاشی لی تھی۔ اول خان نے اس کے بریف کیس کا قفل کھولا تھا لیکن ہمیں کہیں بیم گن نظر نہیں آئی تھی۔ حیرت اور صدمے کی بات یہ تھی کہ اس مقابلے کی گرمی میں ہم دونوں میں سے کسی کو بن کی بیم گن کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی ہم میں سے کسی نے اس سے اس بارے میں کوئی سوال کیا۔

بن اپنے سیاہ کرتوتوں کے ساتھ جہنم واصل ہوچکا تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا کہ اس کی بیم گن کہاں تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہوگئے؟" ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"مجھے اپنی بیم گن یاد تھی مگر میں اس کی بیم گن کو یکسر بھولا ہوا تھا۔"

"تو کیا وہ اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوئی؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا ایک بریف کیس بھی ہمارے قبضے میں آیا تھا۔ اس میں بیم گن تھی اور نہ سلور آئی۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ دونوں چیزیں بروقت یاد آجاتیں تو ان کے بارے میں بن سے سختی سے بازپرس کی جاسکتی تھی۔"

"اگر اس کے پاس ان دونوں میں سے کوئی چیز نہیں تھی تو یہ بات کسی حد تک قابلِ فہم ہے۔" ویرا نے بلا تردد اپنا فیصلہ سنادیا۔

"وہ گولڈن فارمیسی کی قریبی گلی میں آیا تھا تو میں نے اس کی ہتھیلی پر چمکتی ہوئی سلور آئی خود دیکھی تھی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"ضرور دیکھی ہوگی۔ ہر آئی مین ان دونوں چیزوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ شی میں روایتی طور پر یہی دو چیزیں اختیار اور طاقت کی علامت ہیں۔"

"پھر وہ کہاں گئیں؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"شی کا آئی مین خود مختار ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔ بن نے ایک سے زائد مواقع پر بیم گن استعمال کرکے کراچی میں اپنی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ ہم اتنی تیزی سے اس کا تعاقب کررہے تھے کہ وہ کسی بھی لمحے پکڑا جاسکتا تھا۔ اسے بچانے کے لیے ٹام یانک یا دونوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ وہ خود مختار نہیں رہا تھا۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ کچھ مدت کے لیے وہ امریکی قونصل خانے میں پناہ گزین رہا تھا۔ وہاں اس کی آئی مین والی حیثیت ختم ہوچکی تھی۔ وہ پناہ گزیں ہوگیا تھا۔ امریکا کی بادشاہ گر ایجنسیوں کے نمائندوں نے دونوں چیزیں اس سے واپس لے لیں۔"

"یہ تمہارا قیاس ہے۔ حقیقت اس سے مختلف بھی ہوسکتی ہے۔ اب مجھے احساس ہورہا ہے کہ گرماگرمی میں ہم اس اہم سوال کو فراموش کرگئے تھے۔"

"یہ میرا قیاس نہیں، حقیقت ہے۔" ویرا نے زور دے کر کہا "شی کو میں تم سب سے زیادہ جانتی ہوں۔ طاقت اور اختیار کی علامتوں کی واپسی کو تم بن کی معزولی بھی سمجھ سکتے ہو۔ شی میں کم از کم دو بار ایسا ہوا تھا کہ پہلے آئی مین سے نشانیاں واپس لی گئیں اور پھر خاموشی سے انہیں راہ سے ہٹا دیا گیا۔"

"شی کے بارے میں تم سے بات کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم اپنی اتھارٹی کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کرنے لگتی ہو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خرابی نہیں، یہ میری مجبوری ہے کہ میں بہت کچھ جانتی ہوں اور اسے بتانے میں کبھی نہیں جھجکتی۔ اس وقت ہم سب کے لیے ڈینی کو برا بھلا کہنے کا بہترین موقع تھا۔ اہم مواقع پر ناگزیر باتوں کو بھول جانے کی خلش بہت بری ہوتی ہے۔ اب ایک اور بات بھی میرے ذہن میں سر ابھار رہی ہے۔"

"اللہ ہم پر رحم کرے۔ پتا نہیں ابھی تمہیں اور کیا سوجھے گا۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔

"بات کچھ کچھ واضح ہورہی ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کی بات پر دھیان دیے بغیر، پُرخیال انداز میں کہا "بن مسلسل بھاگ رہا تھا۔ وہ خود کو بچائے رکھنے کی کوششوں میں ناکام ہوتا نظر آرہا تھا۔ اپنے آقاؤں کے لیے اس کا وجود بہت ضروری تھا۔ اس ضرورت کے ادراک میں انہوں نے

Downloaded from https://paksociety.com

ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی۔ فالکن ہاؤس سے فرار کے بعد اسے قونصل خانے میں پناہ دینا تباہ کن تھا۔ وہ آخر تک اس بات سے انکار کرتے رہے کیونکہ انہیں اپنی سفارتی ساکھ عزیز تھی۔ ایک مجرم کا وہاں سے برآمد ہونا شرمناک ثابت ہوسکتا تھا۔ بن ان کے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ اس سے سلور آئی اور بیم گن واپس لے لی گئیں۔ بن اس کا مطلب جانتا تھا۔ اس کے مربیوں نے اس کے سر پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیا تھا۔ اسے قونصل خانے کی محفوظ ترین عمارت سے نکال کر سی نائین میں دو چوکیداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ وہ اپنی اس تذلیل سے دل برداشتہ ہوگیا۔ اس نے تم سے ہارنے کے نتیجے میں خودکشی نہیں کی۔ اس کے بڑوں کی سرد مہری نے اس کے دل میں ایسی موت کی خواہش پیدا کی تھی۔ سی نائین میں تم سے لڑتے ہوئے وہ جیت جاتا تب بھی شاید اپنی کنپٹی پر خود گولی مارلیتا۔ افسروں کی کھلی بے وفائی کے بعد اس کا زندہ رہنا بے سود تھا۔"

ویرا کی اس تھیوری میں وزن تھا۔ وہ شے کے اندرونی طریقہ کار کے بارے میں غلط بیانی نہیں کرسکتی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ بن نے اپریٹس پر ٹام سے بات کرتے ہوئے شکوہ کیا تھا کہ وہ اس کی زندگی کے بدترین لمحات میں اسے گڈلک کہہ رہا تھا۔ اس وقت بن کی آواز میں بلا کا کرب تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے رویّے کی تبدیلی کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر تسلیم کرلیا تھا۔ شروع سے آخر تک وہ وہی سب کہتا رہا جو اسے پڑھایا گیا تھا۔ اپنے عقیدے کے اعتبار سے وہ کٹر یہودی تھا۔ اپنے انجام پر دل شکستہ ہونے کے باوجود اس کے نظریات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو مگر تمہاری یہ باتیں میرے ذہن سے یہ بات نہیں کھرچ سکتیں کہ آج میں نے شاید اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔" میں نے کہا۔

"دماغ میں آئی ہوئی بات آسانی سے نہیں نکلتی۔ خوشگوار نتائج خود بخود اس کا ازالہ کردیتے ہیں۔ تم یہ سوچ کر خوش کیوں نہیں ہوتے کہ آج تم نے آخر کار بن جیسے عفریت کو بہت آسانی سے مارلیا۔ وہ تمہیں مارنے کا ہدف لے کر آیا تھا۔ اب تابوت میں بند ہو کر امریکا جائے گا۔"

"ہم سب ایسی بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے یہ رات یوں ہی گزار دی جائے گی۔" غزالہ نے چونک کر کہا۔

"ہاں' اب تم اپنی کہانی شروع کردو۔ ہمیں کچھ دیر کے لیے سونا بھی ہے۔"

"ویرا کچھ خدا کا خوف کرو۔" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "ایسا نہ ہو کہ تم سونے کے لیے لیٹو تو پھر لیٹی ہی رہ جاؤ۔"

"ہم کسی خیمے میں نہیں' کنکریٹ کے گھر میں ہیں۔ بلیک کیٹس آئے تو ہمیں بے خبر نہیں پائیں گے۔"

"یہ آج پتا چلا کہ تم سوتے میں بھی باخبر رہتی ہو۔" سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"تم اس کی پروا نہ کرو۔ اپنی کہانی سناؤ۔" ویرا فضا میں ہاتھ لہرا کر بولی "آج یہ کچھ زیادہ ہی بول رہا ہے۔"

سلطان شاہ بھی زبانی شوخی کا مظاہرہ کررہا تھا ورنہ وہ بھی میری کتھا سننے کے بارے میں سنجیدہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔ میں نے انہیں اپنے تجربے سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"کبھی کبھی آپ بہت خطرناک ہوجاتے ہیں۔" پوری تفصیل سننے کے بعد غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"خطرات سے کھیلے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔ تم کس خطرے کی بات کررہی ہو؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"یوں انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "میں تمہیں بتاتی ہوں کہ غزالہ کس خطرے کی بات کررہی ہے۔" مجھ سے بات کرتے کرتے وہ اچانک غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "تم کو یہی اعتراض ہے نا کہ ایس ٹی ایف کے تجربے کار کمانڈوز کے ہوتے ہوئے ڈینی کو کمند ڈال کر دوسری منزل پر چڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔" غزالہ نے کہا۔

"ایسے کاموں کے لیے مشق ضروری ہوتی ہے۔"

"اس وقت عمارت میں گھسنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ زینوں کا رخ کرنے والے پر بن جہنم کا دہانہ کھول سکتا تھا۔"

"کوئی بھی شخص اندر گھس جاتا تو زینے زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔" سلطان شاہ بھی ان دونوں کا ہم نوا بن گیا۔

"میں نے کسی ہنگامی فیصلے کے تحت وہ قدم نہیں اٹھایا تھا۔ میرے ذہن میں کسی حد تک سی نائین کا اندرونی نقشہ بن چکا تھا۔ محدود رقبے پر بنی ہوئی وہ عمارت میرے اندازے سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ کوئی اور اندر گیا ہوتا تو ہماری بازی الٹ بھی سکتی تھی۔"

"الٹ کیا سکتی تھی' الٹ ہی گئی تھی۔ اس نے تمہیں گن پوائنٹ پر لے کر ایس ٹی ایف والوں کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔" ویرا بولی۔

"میں کسی کو اپنی غلطی کا ایندھن بنانا پسند نہیں کرتا۔ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

میرا سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ میں نے اول خان کو پہلے سے قائل کرلیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر کمند میں استعمال کروں گا۔ اس نے بھی مشق اور پیشہ ورانہ تجربے پر زور دیا تھا مگر بعد میں خاموش ہوگیا تھا۔"

"اب یہ بحث بعد از وقت ہے۔ ڈینی کو کوئی بات سمجھانا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔" ویرا نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ان لوگوں کے درمیان بیٹھ کر پوری کارگزاری کا جائزہ لینے کے بعد دل کو طمانیت کا ایک عجیب سا احساس ملتا تھا۔ اس مذاکرے یا مباحثے میں جہاں مثبت پہلو سامنے آتے تھے وہاں ایک دوسرے کے مجموعی تجربات کی روشنی میں خامیاں بھی سامنے آتی تھیں۔

ویرا نے کمند والا موضوع ترک کردیا تھا لیکن سی نائین کا تصادم ایک بڑا مقابلہ تھا۔ ہم چاروں پوری سرگرمی کے ساتھ اس کے سارے پہلوؤں پر بات کرتے رہے۔ ویرا کی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ سلور آئی اور بیم گن کی واپسی سے بن کو اپنی معزولی کا علم ہوچکا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی سی نائین میں بنجمنی نے پوری کردی۔ وہ دل شکستہ ضرور ہوگیا تھا مگر اس نے زندہ رہنے کے لیے پوری قوت سے لڑنے کی لگن کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ اس نے بہت جم کر نامساعد حالات کا مقابلہ کیا اور ایک بار بازی اپنے حق میں پلٹنے میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ وہ میری آڑ میں سی نائین سے زندہ اور سلامت فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتا تو ہم سب کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ہار کی صورت میں اس نے خاموشی سے موت کو گلے لگا کر بہت سے فتنوں کو دفن کردیا تھا۔

وہ گھٹ جوڑ بہت ٹیڑھا اور چشم کشا تھا۔ اس میں ہر وہ حریف شامل تھا جو کسی نہ کسی بنا پر مسلمانوں سے پرخاش رکھتا تھا۔ پاکستان اور پاکستانیوں سے بھارت والوں کی نفرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ان کے سفارت کاروں سے را کے نمائندے تک اس سازش میں شریک تھے۔ امریکیوں کو اپنے مفادات عزیز تھے۔ وہ اپنے خفیہ مقاصد کے حصول کے لیے اس ملک کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنواتے تھے۔ تیسری طرف یہودی تھے جو ہر مسلمان کے دشمن تھے۔ ان کی بھرپور نمائندگی بن ڈیوڈ نے اپنے سر لی ہوئی تھی۔

"اوہ! ڈیڑھ بج رہا ہے۔ اب مجھے سونا چاہیے۔" ویرا اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈال کر اچانک اٹھ گئی۔

غزالہ نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ویرا کی تائید میں سر ہلا' محفل بکھر گئی اور میں غزالہ کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

"ویرا کی باتیں ذرا کڑوی کسیلی ہوتی ہیں مگر وہ آپ کی دشمن نہیں' خیرخواہ ہے۔" کمرے کے تخلیے میں غزالہ نے اپنا سر میرے سینے پر ٹکا کر بوجھل سی آواز میں کہا۔

"اس وقت تمہیں اس کی حمایت کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"آپ نے سی نائین میں گھسنے کا فیصلہ کرکے بڑی غلطی کی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچی لیکن ہمیشہ قسمت اس طرح ساتھ نہیں دیتی۔ آپ کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" اس نے سر اٹھا کر میرے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنی نرم و نازک انگلیوں سے میرے چہرے کی ضربات کو ٹٹولنے لگی۔

"یہ معمولی چوٹیں ہیں۔ تمہارے جادوئی لمس سے دو چار روز میں دب جائیں گی۔ ان کے بارے میں تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ بس دن میں دو چار بار انہیں ہولے ہولے سہلا دیا کرو۔"

وہ مسکراتی ہوئی مجھ سے الگ ہٹ گئی "اب آپ ڈیٹول سے زخموں کو صاف کرکے گرم پانی سے دھولیں پھر میں استری سے سنکائی کردوں گی۔ بہت آرام آئے گا۔"

"تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔ یہ چوٹیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کی پروا کی جائے۔ میری جوان جلد کو ابھی استری کی ضرورت نہیں ہے۔"

"استری سے نہیں' میں استری سے تولیا گرم کرکے سنکائی کروں گی۔ میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرلیں۔" وہ مصر ہوگئی۔

"یہودی صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ بن ڈیوڈ کے لگائے گئے زخموں میں زہر نہیں ہوگا میں ڈیٹول استعمال نہیں کروں گا۔" غسل خانے میں وہ میرے سر پر سوار ہوئی تو مجھے سخت موقف اختیار کرنا پڑ گیا ورنہ اس وقت میں خود بھی اس کی والہانہ تیمارداری سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں نے کپڑے تبدیل کیے جو سی نائین کے مقابلے میں گندے اور داغ دار ہوچکے تھے۔ غزالہ نے استری لگا کر اپنے کام کا آغاز کردیا۔

کمرے کا ماحول بہت پُرسکون اور آرام دہ تھا پھر مجھے غزالہ کے روپ میں ایک سچی اور شوہر پرست بیوی ملی ہوئی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی جو میری ہر خدمت کے لیے کمربستہ رہتی تھی۔ کمرے کی دھیمی روشنی میں ہم دونوں صبح کے چار بجے تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں مجھے ایک بار بلیک کیٹس کا خیال آیا تھا پھر میں نے انہیں فراموش کردیا۔

باہر اول خان کے ایک اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈوز کی موجودگی میں وہ دونوں ہمارے خلاف جم کر کارروائی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے خطرے پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ان حالات میں وہ بھاگتے بھاگتے کوئی اقدام کرسکتے تھے۔ اس سے زیادہ کا حوصلہ انہیں مہنگا پڑ سکتا تھا۔

صبح سویرے آنکھ لگنے کی وجہ سے دیر میں جاگا۔ میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تھا کہ جلال آن وارد ہوا۔

"میں نے مشکل سے رات کاٹی ہے۔ بن کا معاملہ اتنا اہم تھا کہ میں اسے فون تک محدود نہیں کرسکتا تھا اس لیے میں خود یہاں دوڑا چلا آیا۔"

"اس بارے میں تم بے خبر تو نہیں رہے ہو گے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "میں نے اسٹیشن فور سے فون کر دیا تھا۔"

"بے خبر نہیں تھا تو بہت زیادہ باخبر بھی نہیں تھا۔" اس نے محتاط سا جواب دیا "اپنے آدمیوں سے مجھے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ رات کو ایس ٹی ایف والے سی نائین سے کسی کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رات کے دو بجے اسی علاقے میں ایک میدان سے ایک سفید فام کی لاش ملی جسے بن ڈیوڈ کے نام سے پہچان لیا گیا۔ تم نے اسٹیشن فور سے اسے وہاں پہنچا دیا۔ اب دیکھو اس کی خودکشی کا کیا بنتا ہے۔"

"اس کی شناخت کا ناخوشگوار فریضہ کس نے انجام دیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "سی نائین کے چوکیدار اس کا نام تو نہیں بتا سکتے تھے۔"

"میرے آدمی دوسروں کے کام میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے۔ دور رہ کر وہ جو کچھ معلوم کرلیتے ہیں، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔"

"تمہیں سب کچھ معلوم ہے، اصل واقعات بھی اتنے ہی ہیں۔ زیب داستان کے لیے جو چاہو بڑھا لو۔"

"وہاں آنسو گیس کے گولوں اور دستی بموں کا بھی تبادلہ ہوا تھا۔" جلال نے تائید چاہی۔

"بن شاید پاگل ہو گیا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے سی نائین پر فائرنگ کی تو وہ دستی بموں کے استعمال پر اتر آیا۔ اسے اندھا اور بے بس کرنے کے لیے ان لوگوں نے عمارت میں آنسو گیس کے گولے پھینکے تھے۔"

"تنہا ہونے کے باوجود اس نے بہت جم کر تم لوگوں کا مقابلہ کیا۔" جلال نے حیرت ظاہر کی "بی باون۔ فالکن ہاؤس، نشین اور پھر اپنے قونصل خانے کی محفوظ عمارتوں میں سے یکایک سی نائین میں پہنچنے کے بعد وہ خود کو بے یار و مددگار تصور کر رہا ہو گا۔"

"رات کو ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔" میں نے اسے بتایا "ٹام اور نک اسے یہاں لانے والے تھے۔ انہوں نے قونصل خانے کے اطراف میں غیر معمولی نقل و حرکت سے گھبرا کر بن ڈیوڈ کو مرنے سے پہلے زندہ درگور کر دیا تھا۔ اسے آئی مین کے منصب سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد موت ہی اس کا مقدر بن سکتی تھی۔"

میرے آخری فقرے اس کی سمجھ میں نہیں آسکے۔ بات واضح کرنے کے لیے مجھے ویرا کی کہی ہوئی بہت سی باتیں دہرانی پڑیں اور آخر کار وہ ویرا کے نظریے کا قائل ہو گیا۔

"یہی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ اس جیسا تند خو اور مغرور آدمی یکایک خودکشی کرنے پر کیوں مجبور ہو گیا۔"

"اب اس کی ناگہانی موت کا سوگ منانے نہ بیٹھ جانا۔" میں نے خوش دلی سے کہا "اسے مرنا تھا۔ وہ مر گیا۔ ہم نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں کرلیں۔ اب ہمیں کچھ اور بھی سوچنا چاہیے۔ بن کی موت سے مسائل ختم نہیں ہوئے۔ مجھے فضا میں نئی مشکلات کے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔"

"شاید تم بلیک کیٹس کی طرف سے پریشان ہو!" اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"میں کسی کی طرف سے پریشان نہیں ہوں۔ بعض اوقات متعدد مسائل اس طرح یک جا ہو کر سر اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی حقیقت سے کہیں زیادہ بڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ اب مجھے یکسوئی سے سوچنے کا موقع ملا ہے تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے افواہوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر ہوّا بنا دیا ہے۔ ابھی تک کہیں سے ان افواہوں کی تصدیق نہیں ہوئی اور ہم نے یہ بھی فرض کرلیا ہے کہ ان میں سے ایک مرد اور دوسری عورت ہے۔"

میرے اس بے لاگ تبصرے پر جلال سٹپٹا کر رہ گیا "تم مجھ پر چوٹ کر رہے ہو۔ جہانگیر کے گھر جانے والی لڑکی کا ذکر سن کر میں نے کہا تھا کہ گال پر تل والی لڑکی دیوی نامی ایجنٹ ہو سکتی ہے۔"

"ہم سب بھی انسان ہیں اور ہر انسان خطا کا پتلا ہوتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہم سے غلطیاں نہ ہوں تو ہمیں انسان کون کہے گا....."

"دو ہاتھوں اور دو پیروں والی مخلوق کو انسان کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔" ویرا نے اپنے کمرے سے برآمد ہوتے ہوئے اونچی آواز میں دخل اندازی کی۔

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" ویرا کی بلند و بانگ آواز سن کر سلطان شاہ کا اپنے کمرے سے برآمد ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ "اپنے بیان کی روشنی میں تم اپنے بزرگوں کو بندروں اور گوریلوں کا ہم نسل قرار دے کر آخر ان بے زبان جانوروں کے ساتھ اتنی زیادتی کیوں کر رہی ہو۔"

"زیادہ بک بک مت کرو ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" ویرا غصے سے بھنا کر غرائی "اچھے خاصے اپنے پنجرے میں بند تھے۔ تمہیں باہر آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم کچھ بھی نہیں توڑ سکتیں۔" سلطان شاہ مجھے آنکھ مار کر مسکرایا۔ "بندروں کے بچے دور سے خوخو کرتے ہیں۔ ذرا سا دھمکانے پر میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔"

"بس اب ایسی کوئی جلی کٹی بات نہیں ہو گی۔" جلال نے ہاتھ اٹھا کر بزرگانہ انداز میں کہا "ہم دونوں یہاں بیٹھے کچھ ضروری باتیں کر رہے تھے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے کچن کی طرف ہو لیے تاکہ اپنا اپنا ناشتا لے سکیں۔ ویرا کی آنکھوں سے غصہ جھلک رہا تھا۔ سلطان شاہ کی نظروں میں گہری شوخی رچی ہوئی تھی۔

"ویرا نے میری بات اچک لی تھی؛ میں نے ناصحانہ لہجے میں دوبارہ اپنی ادھوری بات چھیڑ دی۔ "سب سے پہلے میرے ذہن میں وہم آیا تھا۔ میں نے چائے کی پتی کے استعمال کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کو دشمن کا کارندہ سمجھا تھا۔"

"تم سو فیصد درست تھے۔ یہ بات اب ہر شک و شبے سے بالاتر ہے کہ شہر میں کہیں ایسا کوئی سروے نہیں ہو رہا۔"

"میرا خیال ہے کہ سب پر عجز و انکسار کا شدید دورہ پڑا ہے۔ اول خان بھی اس دوڑ میں شامل ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بازو پر گولی کا زخم کھا کر بدحواسی میں ادھر نہ آتا تو یہ گھر ان لوگوں کی نگاہوں میں آنے سے بچا رہتا۔"

"سب اپنی اپنی جگہ صحیح سمت میں سوچ رہے ہیں۔" وہ بولا "بس معلومات کو یک جا کرنے میں ہم سے کہیں غلطی ہو رہی ہے۔"

"ذرا مجھے بھی تو پتا چلے کہ تم دونوں کیا سوچ رہے ہو!" ویرا اپنا ناشتا لے کر سنبھلتی ہوئی' میز کے گرد پڑی ایک خالی کرسی پر جم گئی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا۔

"اب تک سامنے آنے والی افواہوں کے مطابق بلیک کیٹس کی نفری صرف دو افراد پر مشتمل ہے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ان میں سے ایک نامعلوم مرد ہے۔ لڑکی کا نام دیوی ہے۔" سلطان شاہ نے جلال کے ذریعے سامنے آنے والی بات دہرائی۔

"یہ سب غلط ہے۔ وہ اگر آئے ہیں تو ایسی احمقانہ حرکتیں نہیں کرتے پھریں گے۔ پوری پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ معلومات جمع کریں گے اور بھرے محلے میں ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے کے بجائے ہمیں کسی نازک موقع پر گھیرنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"تمہاری بات قابلِ فہم ہے پھر ایس ٹی ایف کا اسٹرائیک یونٹ یہاں کیا کر رہا ہے؟" ویرا نے مجھ سے یکایک سوال کر دیا۔

"یہ بات تم اول خان سے پوچھو۔ اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے وہ میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"ان لوگوں کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں رہنے دو۔" جلال میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "اس وقت تم لوگ خطرات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ ایک مشتبہ لڑکی اس گھر میں آ چکی ہے۔ دوسری جہانگیر کے گھر پہنچ گئی۔ کوئی باہر رہ کر دیکھ بھال کر رہا ہے تو اسے رہنے دو۔ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔"

"حیرت ہے کہ کل ہم سب کیا سوچ رہے تھے۔ آج سب کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا ہے۔" سلطان شاہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

"کل ہم سب بن اور اس کے سرپرستوں کے چکر میں بھی الجھے ہوئے تھے۔ آج وہ بوجھ ہمارے ذہنوں سے ہٹ چکا ہے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے تاویل ڈھونڈلی۔

"مجھے یہ سارا بندوبست اب ہتک آمیز محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا "زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اول خان کا ایک آدھ آدمی گھر میں ہمارے ساتھ رہے۔ رات کو وہ چھت پر پہرا بھی دے سکتا ہے۔ ایک کمرا چھت پر خالی ہے نیچے بھی چوتھا بیڈ روم بیکار ہے۔"

"اول خان سے ابھی بات کر لو۔ اس کے دو آدمی یہاں

Downloaded from https://paksociety.com

رہیں گے تو گھر کے کام کاج میں بھی ہمارا ہاتھ بٹا دیں گے۔ بے چاری غزالہ پر بلاوجہ بہت بوجھ پڑا ہوا ہے۔" مطلب کی بات سامنے آتے ہی ویرا خوشامدانہ انداز میں بول پڑی۔ اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"یہ ہے تمہاری کابلی۔" سلطان شاہ بولا "گھر کا کام کرنے کے نام سے تمہارا دم نکلتا ہے۔ اول خان کے آدمیوں کو نوکر بناؤ گی۔"

"میں اسٹیشن فور پر اچھا خاصا وقت گزار چکی ہوں۔ وہاں مرد ہی سارا کام کرتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے میس کے بیرے اور خانساماں بھی ضرورت پڑنے پر بہترین لڑاکا ثابت ہوں گے۔ ہمارے لیے وہی بہتر رہیں گے۔ ہمارے سارے کام کرلیں گے۔"

"دن بھر ان سے کام لوگی تو رات کو چوکیداری کون کرے گا؟" سلطان شاہ نے لڑنے والے انداز میں پوچھا۔

"اسی لیے میں دو آدمیوں کی بات کر رہی ہوں۔" ویرا بولی "ایک گھر کے کام کرے گا۔ دوسرا رات کو چوکیداری کرے گا۔"

جلال کی زیر لب مسکراہٹ گہری ہو گئی "تمہارے گھر میں ہر وقت زندگی چہکتی رہتی ہے۔ یہ سب نہ ہو تو تم سب دو ہفتوں میں ایک دوسرے کی صورتوں سے اکتا جاؤ۔"

"ہو سکے تو سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کی وجہ سے یہاں کچھ زیادہ ہی چکار رہتی ہے۔" ویرا برا سا منہ بنا کر بولی۔

"تم کیوں خاموش بیٹھی ہو۔ ویرا کی تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" جلال نے غزالہ سے پوچھا جو خاموشی سے اس ساری گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"میں گھر کے کام کاج سے نہیں گھبراتی۔ مصروفیت میں وقت آرام سے گزر جاتا ہے اور پھر اتنے عرصے میں لڑ بھڑ کر ہم نے ایک ماحول بنا لیا ہے۔ آزادی سے اس فضا میں رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ باہر کے دو آدمی بھی یہاں آ گئے تو ان آزادیوں میں کمی آ جائے گی۔" غزالہ نے تھمی ہوئی آواز میں نرمی سے کہا۔

"واہ وا..... کیا بات کہی ہے تم نے!" سلطان شاہ کو پھر بانگ دینے کا موقع مل گیا "دل خوش ہو گیا میرا۔ سب سے زیادہ خلل ویرا کی آزادی میں پڑے گا۔"

"مگر ہم سکھ کی نیند سو سکیں گے۔ ایس ٹی ایف والے اپنی ڈیوٹی ایمان داری سے انجام دیتے ہیں۔" غزالہ نے اپنی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"بس تو پھر یہ طے ہو گیا۔" میں نے اپنی چائے کی پیالی خالی کر کے کہا "میں آج ہی اول خان سے بات کرلوں گا۔"

"جہانگیر کی بلڈنگ کے استقبالیہ پر پہلے ہی پہرا ہوتا ہے۔ کوئی بے خبری میں نہیں مارا جائے گا۔" ویرا خوش ہو کر بولی۔

"تمہاری کسی ہوئی' دیوی والی بات ابھی تک میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جلال سے کہا۔

"میری وہ بات بے بنیاد نہیں تھی۔ گال پر تل والی ایک خوبرو بھارتی ایجنٹ لاہور میں کام کرتی رہی تھی۔" اس نے مدافعانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے بتایا "اس کی طرف سے میں خود بھی پریشان تھا۔ میں نے رات کو ہی کمپیوٹر فائل پر اس کا ریکارڈ دیکھا تھا۔ وہ بھرے بھرے بدن والی تھی اور نہ دراز قامت کہی جا سکتی تھی۔ چھریرے بدن کی مالک تھی۔ قد بھی متوسط تھا۔ وہ جہانگیر کے گھر جانے والی لڑکی نہیں ہو سکتی۔ محض رخسار کے تل کی وجہ سے میرا دھیان اس کی طرف چلا گیا تھا۔"

"تل کی اس یکسانیت کو تم کیا کہو گے؟" ویرا نے بلا توقف سوال داغ دیا۔

"تم خود عورت ہو۔ تم کو یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے۔ بناؤ سنگھار کے نسوانی طریقے اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ جسم پر کہیں بھی' نہ مٹنے والا تل بنانا دشوار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لاہور میں مصروف کار رہنے والی دیوی کے چہرے کا تل بھی اصلی نہ ہو۔ اس نے ہمارے آدمیوں کو فریب دینے کے لیے اسے ایجاد کیا ہو۔"

"چلو' مان لیا کہ لاہور والی دیوی مکّارہ تھی۔ اس نے پاکستانی ایجنسیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے وہ گیٹ اَپ اختیار کیا تھا۔" ویرا' جلال سے بحث پر تل گئی "ایک بار ایسی کوئی واضح نشانی نظر آ جائے تو تجربے کار لوگ بھی دوسرے نکات پر دھیان نہیں دیتے۔ ہر چہرے پر سب سے پہلے تل یا مسّا تلاش کرتے ہیں۔ یہ اتفاق کیسے ہوا کہ جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کو دیبی کی تلاش تھی اور اس کے بھی ایک رخسار پر تل تھا۔"

"یہ محض اتفاق ہی ہو سکتا ہے۔" جلال نے زچ آ کر کہا۔

"اگر اسے بھیجنے والی دیوی تھی تو اسے ایسے کسی اتفاق سے گریز کرنا چاہیے تھا جس سے توجہ اس کے لاہور والے گیٹ اَپ کی طرف مبذول ہو جائے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"دیوی را کی ایجنٹ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت سرے سے کراچی میں نہ ہو۔" میں نے قدرے ترشی سے ویرا کو جواب دیا۔ وہ بلاوجہ ہاتھ دھو کر جلال کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "بلیک کیٹس دو مرد بھی ہو سکتے ہیں۔ تم ان میں سے ایک کو دیوی قرار دینے پر کیوں مصر ہو۔"

"پھر تو ساری بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔" سلطان شاہ سر ہلا کر بولا "تم ایک بے سروپا بات پر الجھ رہی ہو۔"

"میں بھی یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔" جلال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بلیک کیٹس' را کا ہی ایک شعبہ ہیں لیکن وہ سب سے الگ تھلگ رہ کر کام کرتے ہیں۔"

ویرا بے اختیار ہنس دی "یہ سب نہ کہو۔ بات بڑھانے کے لیے یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ دیوی کا تبادلہ را سے بلیک کیٹس میں کر دیا گیا ہو گا۔"

"بحث کے لیے تمہارے دماغ میں واقعی بہت دم ہے۔ تم سے جیتنا مشکل کام ہے۔" جلال نے ہتھیار ڈال دیے۔

"اس پوری گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم ابھی تک اپنے دشمنوں کو نہیں پہچان سکے ہیں۔" غزالہ نے ایک سنجیدہ نکتہ اٹھالیا۔

"یہ طے ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ ڈینی کی تلاش میں ہیں اور وہ جہانگیر تک پہنچنے کی کوششوں میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہوں' امریکی نہیں ہو سکتے۔ امریکیوں کے لیے مقامی لڑکیوں کو اتنی آسانی سے دو گھروں پر بھیجنا ممکن نظر نہیں آتا۔ یہ بھارتی لابی ہی ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ را والے ہیں یا بلیک کیٹس۔" اس بار ویرا نے بھی کمال کی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

"بن' را والوں سے غلاموں کی طرح کام لے رہا تھا۔ یہ ان کے ساتھی ہوتے تو بن کی بیگار سے نہیں بچ سکتے تھے۔" غزالہ اس سے مخاطب ہو گئی۔

"یعنی تم اتنی مغز زنی کے بعد ہمیں گھما پھرا کر دوبارہ بلیک کیٹس کی طرف لے جانا چاہتی ہو؟" ویرا کا منہ بن گیا۔

"یہ ایک مفروضہ ہے۔ کام کی ابتدا مفروضوں سے ہوتی ہے اور پھر حقائق سامنے آنے لگتے ہیں۔ ایک افواہ دو ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے۔ کیوں نہ اسے کچھ دیر کے لیے سچ مان لیا جائے!"

"اس سچ کو منوانے سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟" اس بار ویرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"کراچی میں را والوں کا تانا بانا بُری طرح بکھر چکا ہے۔ بھارت سے آئے ہوئے ایجنٹ مارے جا چکے ہیں۔ ان کے مقامی زر خرید پولیس کی تحویل میں ہیں۔ لے دے کر صرف چوپڑا باقی ہے۔ بلیک کیٹس کا نام سامنے آنے کے بعد ہم نے اسے نظر انداز کیا ہوا ہے...."

"اس وقت اس سے بہتر تجویز سامنے نہیں آ سکتی۔" جلال نے غزالہ کی بات پوری ہونے سے پہلے تو صیفی لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے بھارتی ایجنسیوں کے مقامی رابطوں کی کوئی کڑی اب بھی اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔ اس وقت بس اسی کا نام ہمارے سامنے ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" سلطان شاہ نے رضا کارانہ پیشکش کی۔

"نہیں دوست! وہاں ڈینی کے سوا کسی اور کا جانا درست نہیں ہو گا۔ وہ ڈینی کا نام نہیں جانتا۔ اسے میرا ساتھی سمجھتا ہے۔ ہمارے معاملات بہت نازک اور حساس ہوتے ہیں۔ صدف مینشن اجنبیوں کے لیے ایک سخت ممنوعہ عمارت ہے۔" جلال نے لگی لپٹی رکھے بغیر سلطان شاہ کی پیشکش مسترد کر دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کی حوصلہ شکنی کے لیے جلال کا کوئی سخت جواب بہت ضروری تھا مگر اس وقت وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سخت ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ کی چبھن تینوں نے محسوس کی لیکن کسی نے فوری طور پر لب کشائی نہیں کی۔

جلال کو بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے قدرے توقف کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں کہا "میرے الفاظ کسی کو برے لگے ہوں تو میں خلوصِ دل سے معافی چاہتا ہوں مگر صدف مینشن کا ڈسپلن تصور سے زیادہ سخت ہے۔ میرے عملے کے آدمیوں کو بھی کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہو گا۔

Downloaded From https://paksociety.com

وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں داخلے کے لیے خصوصی اجازت نامہ ضروری ہوتا ہے۔"

"ایسا کڑا ڈسپلن مجھے راس نہیں آتا۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پُرسکون آواز میں کہا مگر میں نے اس کے بشرے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اندر سے سلگ اٹھی تھی "میں ڈھیلے ڈھالے ماحول میں اپنی مرضی سے کام کرنے کی عادی ہوں۔ کسی کا تسلط مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اسی لیے میری ڈیٹی سے اَن بَن رہتی ہے۔"

"تم یہ سب مجھے کیوں سنا رہی ہو؟" جلال نے تحمل سے دریافت کیا۔

"میں کبھی بھول کر بھی صدف مینشن کے قریب سے نہیں گزروں گی۔" ویرا نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر جواب دیا۔

بات بڑھ جانے کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ میری مداخلت ضروری ہو گئی تھی۔ میں نے ویرا کو سمجھایا "تم بلاوجہ اس بات کو اہمیت دے رہی ہو۔ جلال کو بار بار کسی کو منع کرنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ بہتر ہوا کہ آج اس نے کھل کر سچ بیان کر دیا۔ یہ باتیں اس نے پہلے مجھ سے نہیں کہی تھیں۔"

"خیر، تو تم اب تم جلال کے ساتھ جا رہے ہو!" اس نے سپاٹ بیانیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... اور میں واپسی پر تمہیں خوشگوار موڈ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھی زبردستی ہے۔" وہ ہنس پڑی اور پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے بولی "میں اول خان کو بلا لوں گی۔ وہ ہر ڈسپلن سے آزاد ہے۔ شاید اس کی موجودگی بہتر ثابت ہو سکے۔"

"ویری گُڈ۔ یہ بہت نیک کام ہو گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا "اس سے اسٹرائیک یونٹ کی واپسی اور گھر میں آدمیوں کی تقرری کی بات بھی کر لینا۔ میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔"

میری زبان سے اپنے لیے ایک کام سن کر اس کے چہرے پر ہلکی سی بشاشت عود کر آئی "تم بے فکر ہو جاؤ۔ اسے میں سنبھال لوں گی۔"

جلال ہمارے پاس ہمیشہ خوشگوار موڈ میں آتا جاتا رہا تھا مگر اس روز اس کی واپسی کچھ کشیدہ ماحول میں ہوئی۔ ویرا نے اس سے چند رسمی باتیں کیں اور روایت کے برعکس اسے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک بھی نہیں آئی۔

"تم اس کی باتوں کی پروا نہ کرنا۔" میں نے اس کی گاڑی روانہ ہونے پر صفائی پیش کی "وہ بہت موڈی عورت ہے مگر دل کی صاف ہے۔ ایک دو روز میں سب کچھ بھول بھال کر خود ہی راہِ راست پر آجائے گی۔"

"میں اس کا ٹائپ سمجھتا ہوں۔ انا پرست لوگوں کے دل کے آبگینوں کو ذرا سی بات سے ٹھیس لگ جاتی ہے۔" وہ افسردگی سے بولا "میں سلطان شاہ سے ہی مخاطب رہتا تو اچھا تھا۔ مجھے ان تینوں کی طرف متوجہ ہو کر وہ تلخ حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ اور اپنی توجہ بدھولال چوپڑا پر مرکوز رکھو۔" میں نے اس کی دل جوئی کے لیے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"توجہ مرکوز کرنے کے لیے ویرا اس سے ہزار درجے بہتر ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں انجانے میں اس کی دل آزاری کر بیٹھا۔"

جلال کے وہ الفاظ پُرخلوص تھے۔ ان میں کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی ویرا سے خاصا بے تکلف ہو جاتا تھا۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آچکا تھا جب ویرا کو یہ خوش فہمی ہونے لگی کہ جلال عیال دار ہونے کے باوجود اس کی ذات میں سنجیدگی سے دلچسپی لے رہا تھا مگر میں نے جلال کے ذہن کو ٹٹولا تو وہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

بات گھوم پھر کر ویرا کی ذات کے گرد گھوم رہی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کرنے میں بہتری سمجھی اور اپنی زبان بند کر لی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم صدف مینشن کے بھیانک اور آسیبی قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔ اس وقت چوپڑا اس عمارت کی اوپری منزل کے بجائے گراؤنڈ فلور کے ایک سیل میں بند تھا۔

"ہم کسی قیدی کو زیادہ دیر تک ایک سیل میں نہیں رکھتے۔" جلال نے اس کے پاس جانے سے پہلے بتایا "وہ زیادہ دیر تک ایک جگہ، ایک سے حالات میں رہتے ہیں تو ہر چیز سے سمجھوتا کر کے اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان مجرموں پر دہشت اور نفسیاتی دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ سب کچھ جلدی جلدی بدلتا رہے۔"

نفسیاتی تشدد کی وہ باریکی سن کر میں پھرپری لیے بغیر نہ رہ سکا "تمہارے قیدی ہر وقت بے یقینی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"آؤ.... اب دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔" جلال آگے بڑھا۔ مسلح محافظ نے اس کا ارادہ بھانپتے ہی چوپڑا کے نیم

Downloaded from https://paksociety.com

تاریک سیل کا دروازہ کھول دیا۔

"اب کون آگیا!" سیلن زدہ سیل کے دھندلکے میں چوپڑا کی نقاہت زدہ اور بے جان سی کراہ ابھری۔

میں دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ چوپڑا اس تنگ قید خانے میں ایک ڈھیلے ڈھالے' ننگے پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ چند دنوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا اور اس کا چہرہ خوف سے تقریباً سیاہ پڑ گیا تھا۔ جھلسی ہوئی سیاہ رنگت پر اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کی سفیدی بہت خوف آور تھی۔ صدف مینشن کے آسیبی ماحول میں وہ اس وقت کوئی آسیب ہی نظر آرہا تھا۔

"سیٹھی کی لاش تم نے پہچان لی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے ساتھی ایک ایک کر کے اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں۔ اب تمہاری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میں نے درشتی سے کہا۔

"میں اب کیا کر سکتا ہوں۔ تم نے میری روح تک کو نچوڑ لیا ہے۔ تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے!" وہ رو دینے والی آواز میں کراہا۔

"تم نے چار نام بتائے تھے۔ وجے' ترپاٹھی' راجو اور سیٹھی۔ اب وہ چاروں اس دنیا میں نہیں ہیں۔ صرف تم رہ گئے ہو۔"

"تم لوگ بہت سفاک ہو۔" وہ اپنا سر دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے بولا "اپنے جیسے انسان کو اس طرح تڑپاتے ہوئے تم کو ذرا بھی رحم نہیں آتا؟"

"آتا ہے!" مجھ سے پہلے جلال سفاکانہ لہجے میں بول پڑا۔ "مگر پھر مجھے عبداللہ یاد آجاتا ہے جسے ونود نے دہلی میں تشدد کر کے مارا تھا۔ سنو! تم پیشاب تو کر رہے ہو۔ عبداللہ کے گردوں سے اس کا زندہ لہو آنے لگا تھا۔ میں تم پر کیسے رحم کھا سکتا ہوں۔"

"بھگوان! مجھے اٹھا لے۔ میری مشکل آسان کر دے!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچ کر رو پڑا۔

"تمہارا پتھر کا بھگوان اندھا' گونگا اور بہرا ہے۔ وہ تمہاری فریاد سنے گا نہ اس کا جواب دے گا۔ وہ چاروں اس لیے مر گئے کہ وہ اس زمین کے باسی نہیں تھے۔ کسی اور زمین سے اگایا ہوا اناج کھاتے تھے۔ تم نے عمر بھر اسی دھرتی سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرا اور اسی کے غدار ہو اس لیے ابھی تمہیں لمبے عرصے تک زندہ رہنا ہو گا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر مکے سے ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر چیخ پڑا۔

"تم بتاتے کیوں نہیں کہ اب میری زبان سے کیا سننے آئے ہو؟" اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی فریادی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"ہمیں کچھ اور لوگوں کی تلاش ہے۔ ان کے نام تم بتاؤ گے۔"

"کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تمہارے سروں سے آئی مین کا سایہ بھی اٹھ چکا ہے۔" جلال نے لقمہ دیا "کل رات اسے بھی تمہارے چاروں ساتھیوں سے ملنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔"

"میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ تم ایک ایک کر کے سب کو مار چکے ہو۔ میں رہ گیا ہوں۔ مجھے بھی مار کر قصہ ختم کر دو۔"

وہ وطن کا غدار تھا۔ اس کی زبان سے اس خواہش کا اظہار سن کر مجھے عجیب سی آسودگی حاصل ہوئی۔ میں نے کہا۔ "تم کو ریکارڈ پر گرفتار کیا گیا ہے۔ تمہاری بہترین سزا دردناک موت ہی ہو سکتی تھی مگر تم کو زندہ رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ آخر کار تمہیں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اقبالِ جرم کرنا ہو گا۔ اس سے پہلے اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لو۔ جو کچھ بتا سکتے ہو' بتا ڈالو۔"

"مجھ سے جو چاہو قسم لے لو۔ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔"

"بھارت سے بلیک کیٹس کے کچھ آدمی مشن پر آئے ہوئے ہیں؟" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد پوچھا

"مجھے نہیں معلوم!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیایا "وہ میرے پکڑے جانے کے بعد آئے ہوں تو مجھے پتا نہیں۔"

"پھر کس کو پتا ہو گا۔" اس بار میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا تھا۔

"تشخیص"

"ڈاکٹر.....!" خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بے تابی سے تقریباً چلاتے ہوئے کہا "آپ مجھے صحیح طرح بتائیں کہ آخر مجھے بیماری کیا ہے؟"

کمرے میں موجود مرد نے گہری نظر سے خاتون کا سرتاپا جائزہ لیا اور بولا "سب سے پہلے تو آپ اپنا وزن پچاس پونڈ کم کرنا چاہیے۔ دوسرے آپ کو میک اپ ہلکا کرنا چاہیے۔ اس طرح آپ کچھ بہتر دکھائی دیں گی۔ تیسری بات یہ کہ میں ڈاکٹر نہیں، آرٹسٹ ہوں۔ آنکھوں کے ڈاکٹر صاحب کا کلینک برابر ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"مم... میں نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا۔ وہ آتے ہیں تو سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔"

"ہم کیسے مان لیں کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر اپنا کام پورا کر لیتے ہوں گے۔ تم نہ سہی، کوئی اور ان کے کام آتا ہو گا۔" میں غرایا۔

"کوئی نہ کوئی آتا ہی ہو گا۔ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ ہندو پنچایت کمیٹی کے پنچوں، سرپنچوں کو پکڑو۔ شاید وہ تمہیں کچھ بتا دیں۔ مجھے معاف کر دو۔ میری ہڈیوں میں اب مار کھانے کا دم نہیں رہا ہے۔ میں تم لوگوں سے پٹتے پٹتے تھک گیا ہو۔" وہ ایک مرتبہ پھر بلک کر رو پڑا۔

"آؤ!" جلال نے میرے شانے پر ہاتھ سے تھپکی دے کر کہا "اسے کچھ دیر کے لیے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ شاید اسے اپنی یادداشت یک جا کرنے میں مدد مل سکے۔"

اس کا وہ اشارہ ذو معنی تھا۔ میں اسی لمحے اس کے سانحہ سیل سے باہر آ گیا۔

وہ وقفہ اسی کے ایما پر ہوا تھا اس لیے میں اس کے بولنے کا منتظر رہا لیکن وہ خاموشی سے صدف مینشن کے لابیریری نما دفتر کی طرف بڑھتا رہا۔ پہلے کی طرح وہاں وہی ایک آدمی موجود تھا جو دفتر میں چپراسی سے لے کر کلرک تک سارے کام انجام دیتا تھا۔ جلال کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی وہ دفتر سے باہر آ گیا تھا۔

اس وقت چوپڑا نے میری توجہ بہت اہم نکتے کی طرف مبذول کرائی ہے۔" جلال نے کرسی سنبھالنے کے بعد کہا۔

"اس نے ہندو پنچائیت کمیٹی کے ارکان کے علاوہ اور کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"تم ہمیشہ کام کی بات تک پہنچ جاتے ہو اور میری طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ تم اس کے بارے میں جانتے ہو گے۔"

"ہاں، چوپڑا ہی کے چکر میں سنا تھا۔ وہ اس کمیٹی کے معاملات میں خاصی سرگرمی سے حصہ لیتا تھا۔"

"اسے سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے سماجی نظام میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ وہ کراچی میں قائم بہت سے مندر چلا رہی ہے۔ یہ کمیٹی ہندوؤں کے بہت سے خانگی اور مالی معاملات حل کرتی ہے جس کی وجہ سے جائدادوں کے جھگڑے عدالتوں تک کم ہی جاتے ہیں۔"

"کیا حالات کے موجودہ تناظر میں ان باتوں کی کوئی اہمیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ جاننا ضروری ہے کہ مقامی ہندو معاشرے پر اس کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔"

"شاید اس کے ارکان ذاتی طور پر بھی بہت اثر و رسوخ رکھتے ہوں گے۔"

"وہ بہت طاقت ور ہیں۔ ان ہی میں سے ایک کا نام سوبھراج ہے۔ پہلے وہ اس کمیٹی کا سرپنچ ہوا کرتا تھا۔ اب ایک مدت سے عام رکن کی حیثیت سے اجلاسوں میں شرکت کرتا ہے۔ اس کی ہر بات بہت توجہ سے سنی جاتی ہے۔ عملی طور پر وہ اپنی پنچایت کا سب سے مضبوط رکن ہے۔"

میں خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ قدرے توقف کے دوران اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا "اب سے دس پندرہ برس پہلے وہ شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہوا کرتا تھا پھر اس نے اچانک اپنی لائن بدل لی۔ بدمعاشی سے سیاست کی طرف چلا گیا۔ اب وہ کامیاب ہندو سیاست دانوں کا منظور نظر ہے۔ ہماری خفیہ اطلاعات ہیں کہ اس کی بعض سرگرمیاں آج بھی مشکوک ہیں۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ دھماکے سے جل کر تباہ ہونے والی ڈاج لاوارث نہیں تھی۔ اس کا رجسٹریشن سوبھراج کے نام پر تھا۔"

وہ انکشاف واقعی حیران کن تھا۔ میں اپنی کرسی پر اچھل پڑا "یہ اہم ترین بات تمہیں سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔"

"اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی..." اس نے بتانا چاہا مگر میں نے اضطراری انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"میرا خیال ہے یہ بات تمہیں ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن والوں کے ریکارڈ سے کل ہی معلوم ہو گئی ہو گی مگر تم نے سرے سے اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"میں وہی بتا رہا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سوبھراج نے چھ ماہ پہلے اپنی اس گاڑی کی چوری کی رپورٹ درج کرائی ہوئی تھی۔ اس وقت ڈاج سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی۔ سوبھراج کے موقف کے مطابق، چوری کے بعد اس کی گاڑی کا رنگ تبدیل کر دیا گیا۔"

"شتبہ ماضی رکھنے والے ایک شخص کا یہ بیان قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا "اپنا دامن بچانے کے لیے وہ کوئی بھی کہانی گھڑ سکتا ہے۔"

"بات اس کے بیان کی نہیں۔ حقائق کی ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا "چھ ماہ پہلے درج کرائی ہوئی ایف آئی آر

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے حق میں جاتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی وہ گاڑی مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو اور اس کا رنگ تبدیل کر کے چوری کی فرضی ایف آئی آر درج کرا دی۔ جب تک مدعی کی طرف سے چوری چکاری کی ایسی شکایتوں میں گہری دلچسپی کا اظہار نہ ہو' پولیس کوئی سرگرمی نہیں دکھاتی۔ فائل بند پڑی رہتی ہے۔"

"اسے چھ ماہ پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی گاڑی کسی جرم میں ملوث ہو سکتی ہے۔ اس وقت تو شاید آئی مین نے یہاں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔"

"آئی مین کو ذہن سے نکال دو۔ میں را والوں کی بات کر رہا ہوں۔ بعد میں سب ہی نے گٹھ جوڑ کرلیا تھا۔"

"نہیں ڈینی۔۔۔ یہ بات اہم ہے۔ اگر وہ گاڑی را والوں کے استعمال میں تھی تو راجو اور سیٹھی کو مارنے کے لیے کیسے استعمال ہو سکتی تھی۔ وہ ان کے مایہ ناز آدمی رہے ہوں گے۔ ان کو وہ اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کارروائی ٹام یا نک کے ایما پر ہوئی تھی۔"

"تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ٹام' نک' بن ڈیوڈ اور را والے شروع سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچنے کے بعد بولنا شروع کیا۔ "ان کے مقاصد اور اہداف مشترک تھے اس لیے وہ فراخ دلی سے ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت میں نیلی ڈاج ٹام یا نک کی تحویل میں چلی گئی۔ ان کے مشتبہ کاموں کے لیے وہ کار بہت عمدہ تھی جو ریکارڈ کے مطابق چرا لی گئی تھی۔ راجو اور سیٹھی کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے اسی گاڑی کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اور سوبھراج نے چھ ماہ پہلے یہ سب سوچ لیا تھا!" جلال روانی میں کہہ گیا۔

"اس نے من و عن یہ سب نہیں سوچا ہو گا لیکن اپنی گاڑی کو مجرمانہ مقاصد کے لیے وقف کرتے ہوئے اس کے ذہن میں یہ امکان ضرور رہا ہو گا کہ وہ گاڑی کسی بھی وقت رنگے ہاتھوں پکڑی جا سکتی ہے۔ اسی لیے وہ چوری کی رپورٹ درج کرا کے اس کی ملکیت سے دست بردار ہو گیا۔"

"یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن اس معاملے میں سوبھراج پر ہاتھ ڈالنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔" وہ پرخیال آواز میں بولا۔

"کیوں؟ کیا مسلمان معززین جرائم میں ملوث ہو کر ایسی کوئی رعایت حاصل کر سکتے ہیں جس کی بنا پر سوبھراج کو نظر

"عمل"

''میں نے اور میرے بہترین دوست ارشد نے جب یہ پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے..... تو ہم نے اس پر عملدرآمد کا فیصلہ کیا.....''

''اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی؟''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔''

انداز کرنا پڑ جائے۔"

"یہ معاملہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ مراعات یافتہ شخص ہے۔ جب سیاسی قوتیں کسی کی پشت پناہی کرنے لگتی ہیں تو کام مشکل ہو جاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت چوپڑا نے تمہیں بالواسطہ طور پر سوبھراج کی طرف متوجہ کر کے بڑا کام کیا ہے۔ اگر وہ ماضی میں را یا دوسری امریکی ایجنسیوں کے رابطے میں رہا ہے تو وہ بلیک کیٹس کا بھی مددگار ہو سکتا ہے اس کو دیکھنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"میں اسے چیک کروں گا۔ اس کے بارے میں عجلت سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ وہ ہندوؤں کا غیر متنازعہ سماجی رہنما ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالا گیا تو شدید ردِعمل پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے حکمراں ایسی کسی لہر کو پسند نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اسمبلی میں اپنی اکثریت برقرار رکھنے کے لیے اقلیتی ارکان کی حمایت کی اشد ضرورت ہے۔"

"یہ تمہارا ذاتی نظریہ ہے جو غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اسی لیے میں نے چیک کرنے کی بات کی ہے۔ مجھے اسلام آباد سے رجوع کر کے دیکھنا ہو گا کہ سوبھراج کی موجودہ پوزیشن کیا ہے۔"

چوپڑا نے اپنی گفتگو میں براہِ راست سوبھراج کا نام نہیں لیا تھا۔ بس جھنجلا کر ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان کا ذکر کیا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ نیلی ڈاج کے ریکارڈ پر چھان بین کے سلسلے میں سوبھراج کا نام جلال کے علم میں آ چکا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ چوپڑا اس بارے میں کچھ اور بھی جانتا تھا۔ اس پر مزید محنت کی جاتی تو وہ کام کی مزید باتیں اگل

Downloaded from https://paksociety.com

سکتا تھا۔

"چوپڑا حاضر ہے۔ تم اس کے ساتھ من مانا سلوک کر سکتے ہو۔ بس اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔" میرا خیال سن کر جلال نے کہا۔

جلال سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں' میں چوپڑا سے نئے انداز میں بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

چوپڑا پلنگ پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا اور اس کے دہانے سے کراہوں کی ہلکی ہلکی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں جیسے اس کی ہڈیاں دکھ رہی ہوں۔ میرے آواز دینے پر بھی اس کی غنودہ آنکھیں نہیں کھلیں تو میں نے بڑھ کر اسے جھنجوڑ دیا۔ وہ خوف زدہ آوازیں نکالتا ہوا' ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔

"اب کیا ہوا..... دوبارہ کیوں آئے ہو؟" اس نے خوف زدہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جو کچھ اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو۔ اگل دو۔ تمہارے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب کون سی بات رہ گئی ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کہیں اور جاؤ۔ بلیک کیٹس کے بارے میں تمہیں مجھ سے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے اپنی پنچایت کا ذکر کیا تھا!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں' کیا تھا۔ وہ ملے جلنے والے لوگ ہیں۔ شاید کوئی کچھ جانتا ہو۔"

"تم ان میں سے کس کس کو جانتے ہو۔" میں دھیرے دھیرے اسے راہ پر لانا چاہ رہا تھا۔

"میں وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ سب کو جانتا تھا مگر میری کسی سے دوستی نہیں تھی۔" اس نے قدرے خاموشی کے بعد جواب دیا۔

"سوبھراج کے نام سے کس حد تک واقف ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ ان میں سب سے زیادہ عزت والا سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کے دھندے کیا ہیں؟"

"پتا نہیں لیکن وہ بہت خوش حال آدمی ہے دوسروں کے کام آتا ہے۔"

"کچھ عرصہ پہلے اس کی کوئی کار چوری ہو گئی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا۔ تم بلاوجہ مجھے اِدھر اُدھر کی باتوں سے تھکا رہے ہو مجھ پر رحم کرو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اس پر شبہ کر رہے ہو تو جا کر اس سے مل لو۔ وہ بہت ملنسار اور کھلے دل کا آدمی ہے۔"

وہ کام کی بات تھی۔ میں گھما پھرا کر اس سے یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ سوبھراج سے براہِ راست ملاقات کے کیا امکانات تھے۔ اس نے ازخود اس بات کا جواب دے کر میرا کام آسان کر دیا تھا۔

"کل تمہارا ریمانڈ ختم ہو رہا ہے۔ مجسٹریٹ کے سامنے جانے کی تیاری کر لینا۔" مجھے واپسی کے موڈ میں پا کر جلال نے اس سے کہا۔

"بس اب مجھے جیل بھیج دینا۔" وہ کراہا "یہاں میں سسک سسک کر مر جاؤں گا۔"

"عجیب آدمی ہو!" میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "کبھی موت کی آرزو کرنے لگتے ہو اور اب موت سے ڈر رہے ہو۔"

"میں اس زندگی سے عاجز آ گیا ہوں۔ یہاں دن کا پتا چلتا ہے نہ رات کا۔ ہر وقت یہ در و دیوار مجھے ڈراتے رہتے ہیں۔ جب ذرا سا سکون ہوتا ہے تو تم آ جاتے ہو۔"

وہ اپنی زندگی سے بڑی حد تک مایوس ہو کر بے زاری کے عالم میں وہاں پڑا تھا۔ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے نکل آئے۔

ہم دوبارہ دفتر میں پہنچے تو میز پر ایک رقعہ جلال کا منتظر تھا۔

"اطلاع ملی ہے کہ سی نائین سے دستی بموں' گولیوں اور میگزین کے پیکٹوں کے سوا پولیس کو ایسی کوئی چیز نہیں مل سکی جو وہاں موجود نامعلوم افراد کی نشان دہی کر سکے۔" جلال نے وہ رقعہ پڑھتے ہوئے مجھے بتانا شروع کر دیا "چوکیداروں نے ایک گورے مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ بعد میں انہوں نے بن کی لاش کو پہچان لیا۔"

"یہ پتا نہیں چل سکا کہ بن کو سی نائین میں کس کی اجازت سے ٹھہرایا گیا تھا۔" میں نے پوچھا "نیلی ڈاچ کے مالک کی طرح بن کا میزبان بھی اہم ثابت ہو سکتا ہے۔"

"دوسری عمارتوں کی طرح سی نائین کے سب فلور بھی دو ماہ سے کرایے پر تھے۔ کبھی کبھار کوئی غیر ملکی اپنی چابی لے کر وہاں آتا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے رک کر چلا جاتا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

جلال نے وہ رقعہ موڑ کر ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا یہ باتیں تمہیں قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"چوکیداروں کو اس بارے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"انہوں نے اول خان کے آدمیوں کو بتایا تھا کہ عمارت کے مالک کے بھانجے کو عمارت کی فروخت یا کرایہ داری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"جب عمارت کرایے پر اٹھی ہوئی تھی تو وہ کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ انہیں کسی کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"پھر بھی وہ لڑکا کچھ نہ کچھ جانتا ہو گا۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"بن ڈیوڈ کے مرجانے کے بعد یہ سب باتیں بے سود ہو گئی ہیں۔ رہی رسمی کارروائیاں تو وہ فائل کا پیٹ بھرنے کے لیے چلتی رہیں گی۔"

بن ڈیوڈ کو زیر کر لینے کے بعد ہم لوگ سی نائین سے بہت تیزی کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ بارودی مقابلے میں گرما گرمی کی شاید کسی کو یہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ رہ جانے والی چند باتیں اس وقت جلال کے ذریعے معلوم ہو گئیں تھیں جن سے بن کی آخری تیاری کی صورت حال خاصی حد تک واضح ہو گئی تھی۔

"کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے کسی محبِ وطن رہنما نے یہاں اسپیشل ٹاسک فورس نہ بنائی ہوتی تو یہاں ہر طرف بین الاقوامی دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوتے۔" میں اپنے دل میں پیدا ہونے والا ایک خیال سیدھے سادے الفاظ میں زبان پر لے آیا۔

"یہ خام خیالی ہے۔" جلال نے نرمی سے میری تردید کی۔ "جب ایس ٹی ایف کا وجود نہیں تھا تب بھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب وہ میدان میں ہیں تو ہم بہت سے معاملات ان کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور وہ خاموشی سے آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داری پوری کر لیتے ہیں۔"

"فرق وہی ہے کہ وہ آزاد ہیں اور دوسری ایجنسیاں ضابطوں میں بندھی ہوئی ہیں۔"

"عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے مگر میری ننھی تلی رائے ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بس حدیں مختلف ہیں۔ اول خان والی فورس مطلق العنان نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں وہ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ ہیں۔ مکمل آزادی اور خود مختاری محض ایک تصوراتی بات ہے جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

سردار رنجیت سنگھ اور سردار سنگیت سنگھ کسی فلم کا میٹنی شو دیکھنے گئے۔ شام کو فلم ختم ہوئی تو غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو دیکھ کر سردار رنجیت سنگھ نے کہا "یار، شام ہو گئی" سردار سنگیت سنگھ نے کہا "احمق ہوئے ہو۔ صبح کو شام بتا رہے ہو۔ دیکھتے نہیں، سورج طلوع ہو رہا ہے۔"

دونوں میں جھگڑا بڑھا۔ گالی گلوچ تک نوبت پہنچی۔ قریب تھا کہ کرپانیں باہر نکل آئیں اور دونوں ایک دوسرے کو ختم کر دیں کہ اچانک ادھر سے گزرتے ہوئے سردار اجیت سنگھ ان کے درمیان میں آ گئے اور ان سے لڑنے کا سبب پوچھا۔

سردار رنجیت سنگھ اور سردار سنگیت سنگھ نے بیک زبان کہا "آپ ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیجیے۔ ذرا غور سے سورج کی طرف دیکھ کر بتایئے کہ وہ غروب ہو رہا ہے یا طلوع ہو رہا ہے؟"

سردار اجیت سنگھ آہ بھر کر بولے "بھائیو۔ یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ میں تمہارے شہر میں پردیسی ہوں۔ آج ہی آیا ہوں۔"

ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا "تمہارے اس تجزیے نے میری ایک بھول دور کر دی ہے۔"

"تم نے چوپڑا سے سوبھراج کے بارے میں کچھ مخصوص سوالات کیے ہیں۔ اس بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"تم دیکھ لو کہ اپنے طور پر کیا کر سکتے ہو۔ اس کو دیکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایک بار میں خود بھی اس سے مل لوں۔"

"براہِ راست اس سے ملنا بے سود رہے گا۔ تم کھل کر اس سے بات نہیں کر سکو گے اور بلاوجہ اس کی نظروں میں آ جاؤ گے۔"

"فی الحال اس بات ...کو یہیں چھوڑ دو۔ میں سوچ کر بتاؤں گا۔"

میں جلال کی گاڑی سے صدف مینشن آیا تھا۔ وہ اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

آدمی کے ساتھ مجھے گھر بھجوانے پر مصر تھا مگر میں نے شکریے کے ساتھ انکار کردیا۔ اس وقت میرے لیے ٹیکسی زیادہ بہتر تھی۔

میں گھر پہنچا تو وہاں طے شدہ تبدیلیاں رو بہ عمل آچکی تھیں۔ اسٹرائیک یونٹ کا عملہ اسٹیشن فورواپس جاچکا تھا۔ اول خان اپنی تمام تر خوش مزاجی کے ساتھ ہمارے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ویرا نے بتایا کہ اس کے دونوں آدمی اپنا مختصر اسباب لے کر چھت والے اکلوتے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے نچلی منزل سے رابطے کے لیے بٹن کے ساتھ ایک برقی گھنٹی جوڑلی تھی۔

چوپڑا سے پوچھ گچھ کی تجویز غزالہ کی تھی۔ اسے فطری طور پر تجسس تھا کہ میں صدف مینشن سے کیا خبر لے کر آیا تھا۔ میں نے چوپڑا سے ہونے والی گفتگو کا احوال ان چاروں کو سنادیا۔

"یہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ نیلی ڈاج اوپن لیٹر کی گاڑی ہوگی یا پھر کہیں سے چرائی گئی ہوگی۔" میرے خاموش ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

"یہ ایک اہم پیش رفت ہے سوبھراج بظاہر تائب ہوگیا ہے لیکن اس کے نام پر آج بھی جرائم ہوتے ہیں۔" اول خان بولا۔

"پھر وہ آزاد کیسے ہے۔ معزز کیوں کہلاتا ہے؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

"جب تک رنگے ہاتھوں نہ پکڑا جائے' ہر مجرم معزز بنا رہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے نام سے دوسرے لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔"

"یہ بات اس کو عدالت میں ثابت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔"

"ہمارا قانون مختلف ہے۔ ہمیں اس کے خلاف جرائم ثابت کرنے ہوں گے اور ہم ثبوت سے محروم ہیں۔"

"پھر یہ کون سی اہم پیش رفت ہوئی؟" ویرا منہ بنا کر بولی۔

"کم از کم ایک نیا نام ہمارے سامنے آیا ہے جو مشکوک بھی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"مشکوک ہونے سے کیا ہوتا ہے جب اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔" ویرا نے پوچھا۔

"ہم لوگوں نے کئی مرتبہ موہوم شبہات کی بنیاد پر کام کر کے بڑی کامیابی حاصل کی ہیں۔ سوبھراج کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔" سلطان شاہ بولا۔

"تو کیا اب ہم سب کچھ بھول کر سوبھراج کے پیچھے لگ جائیں گے؟" ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

"اس وقت تم کسی بات سے چڑی ہوئی ہو یا پھر تمہارا ذہن کام نہیں کر رہا۔ تم بہک رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"میں نہیں بہک رہی۔ تمہاری کوئی بات واضح نہیں ہے۔"

"اس وقت ہمیں صرف بلیک کیٹس کی تلاش ہے۔ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس سوال پر سوبھراج بہتر انداز میں روشنی ڈال سکے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "اب تم لائن پر آئے ہو۔ بلیک کیٹس موقع پاتے ہی ہم پر وار کریں گے۔ بلکہ ان کا زیادہ زور تم پر ہے۔"

"مجھے اس کا احساس ہے۔" ویرا کو جواب دے کر میں اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "کیوں نہ میں ٹام یا نک سے بات کرلوں۔"

"کل رات ٹام سے بات کر کے کیا ملا تھا جو اب مل جائے گا۔" اس نے پوچھا۔

"پچھلی رات وہ ڈینی سے بات کر رہا تھا اس لیے بھڑکا ہوا تھا۔ بن کے غیر متوقع انجام نے بھی اس کے اعصاب کو متاثر کیا تھا۔ اس وقت میں کرنل داور بن کر اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "نہیں سرکاری صفوں میں اس وقت اپنے کسی ہمدرد کی شدید ضرورت ہے۔"

"کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"تم کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟" میں نے جان بوجھ کر ویرا سے پوچھا۔

مجھے ویرا کی طرف سے کسی ترش جواب کی توقع تھی لیکن اس نے رسانیت سے کہا "کچھ نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہتر ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ بن ڈیوڈ کی ہلاکت کے بعد وہ مشکل ہی سے کسی پر بھروسا کریں گے۔ اس وقت وہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہے ہوں گے۔"

وہ صحیح سمت میں سوچ رہی تھی۔ پچھلی رات بن کے مخصوص ایریئس پر ٹام سے بات کرتے ہوئے میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ بن میرا یعنی ڈینی کا قیدی تھا مگر اس نے میری بات تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کھل کر کہہ دیا تھا کہ مجھے پاکستان کی سرکاری ایجنسیوں نے

Downloaded from https://paksociety.com

پالا ہوا تھا۔ ٹیپ کا وہ بند اکثر امریکی دہراتے رہتے تھے۔

ہماری تحویل میں دو سی ایس ڈیز آچکی تھیں۔ ایک ہمارے گھر میں نصب تھی دوسری اول خان کے دفتر میں کام کر رہی تھی۔ غزالہ نے کمرے میں موجود سی ایس ڈی آن ہونے کی تصدیق کی اور میں نے اسپیکر فون پر نک کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

میرے لیے وہ دونوں ہی میرے خون کے پیاسے تھے اور پہلی فرصت میں مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتے تھے مگر پھر بھی میں ایف بی آئی کے نک ہاروے سے بات کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ ٹام کے مقابلے میں خوش مزاج اور معاملہ فہم واقع ہوا تھا۔

وہ دفتری اوقات تھے اور اصولی طور پر انہیں اپنے دفتر ہی میں ہونا چاہیے تھا مگر میں نے یہ سوچ کر ان کا رہائشی نمبر ملایا تھا کہ وہ دونوں بن کی موت کے صدمے میں اپنے گھر پر ہی ہوں گے۔ فون کی پہلی گھنٹی پر میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔

ریسیور میں نک کی مہذب ہیلو سنائی دی تھی۔ میں نے بدلی ہوئی مخصوص آواز میں کہا "نک میں کرنل بول رہا ہوں۔"

"کرنل! آج میرے لیے اداسیوں کا دن ہے مگر تمہاری آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت ظاہر کی "تم اداس کیوں ہو؟"

"تم یقین کرو کہ بن ڈیوڈ سے مجھے ذرا بھی ہمدردی نہیں تھی نہ میں اسے پاکستان لایا تھا مگر وہ امریکی تھا۔ اس کی بے رحمانہ موت سے مجھے صدمہ ہوا ہے۔"

"امریکی سے زیادہ وہ ایک انسان تھا۔ ایک انسان کی موت پر دوسروں کو دکھ ہوا ہی کرتا ہے۔" میں نے اس سے زیادہ لفاظی اور فراخ دلی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

"اس وقت تم منافقت سے کام لے رہے ہو۔ تم لوگ پوری قوت سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری کوششیں رنگ لائیں اور وہ مارا دیا گیا۔"

"وہ مارا نہیں گیا۔ سارے شواہد اس کی خودکشی کے ہیں۔ اس کو پکڑنے میں ہمارا ہاتھ نہیں تھا۔" میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا۔

"قتل ہو یا خودکشی۔ یہ بات بعد میں صاف ہوگی۔ اس لمحے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم نے مجھے دفتر کے بجائے گھر کیوں فون کیا ہے؟"

گھر جیسا

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچ کر ایک صاحب نے پوچھا "آپ کا ہوٹل کیسا ہے؟"

"بہترین.... جناب!" استقبالیہ کلرک نے فخر سے کہا "آپ یہاں قیام کریں گے تو بالکل یہی محسوس کریں گے جیسے اپنے گھر میں ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے ہوٹل پر...." مہمان نے کہا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر رخصت ہوگیا۔

"میں کسی کے الفاظ پر نہیں جاتا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے ہم وطن کے لیے تمہارے دل میں نرم گوشہ موجود تھا۔ اس کی موت کے غم میں تم گھر پر ہوگے۔"

"مجھ پر طنز مت کرو۔ یہی وقت تم پر بھی آسکتا ہے۔ ڈینی کب تک چھپتا رہے گا۔ اس کی موت پر تم میں سے کسی کو خوشی نہیں ہوگی۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ بن کے قتل کے سلسلے میں میرا نام نہیں لے گا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا "ڈینی لوگوں کو فون کرکے دعوے کر رہا ہے کہ بن کو اس نے گھیر کر بے بس کیا تھا۔"

"اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ اس کی یہ شیخیاں بہت جلد اسے لے ڈوبیں گی۔" وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ "اب اس کا انجام قریب آگیا ہے۔"

اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے رات کو ٹام سے بات کی تھی۔ شاید وہ اس اعتراف میں اپنی سبکی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس بارے میں مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر جواب دیا "اگر یہ بات درست ہے کہ اس نے بن کو گھیرا یا مارا ہے تو اب اسے لگام لگانے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی حدود سے تجاوز کرکے ہمارے کاموں میں دخل انداز ہو رہا ہے۔"

"یہ تمہارے دل کی آواز نہیں ہوسکتی۔ تم مجھے فریب دے رہے ہو۔" نک کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"نک! یہ فریب نہیں۔ سیدھی سی عام فہم بات ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایک فرد کی وجہ سے دو ریاستوں کے تعلقات کو نہیں بگاڑا جا سکتا۔ اسی بنیاد پر ہم تم سے بن کے بارے میں الجھ رہے تھے۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں۔ ریاستیں صدیوں قائم رہتی ہیں۔ ان کے مراسم میں بگاڑ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔"

"اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو مجھے حیرت ہے کہ میں تمہارا مدعا کیوں نہیں سمجھ سکا۔ ہم کوڈینی اور بن کے تبادلے پر کوئی سمجھوتا کر لینا چاہیے تھا۔"

"یہ تجویز تمہاری طرف سے آسکتی تھی۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ بن کو مفت میں گنوا دینے کے بعد اس احمق کو تبادلے کی تجویز سوجھ رہی تھی جو اس کے ذہن میں چھپے ہوئے خوف اور احساس شکست کی عکاسی کر رہی تھی۔

"تم اسے لگام دینے کی ضرورت کیوں محسوس کر رہے ہو۔" وہ دوبارہ میری کہی ہوئی بات پر لوٹ آیا۔

"آج اس نے بن پر ہاتھ ڈالا ہے۔ کل وہ تمہارے اور ٹام کے پیچھے لگ سکتا ہے۔" میں نے اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی "اسے روکنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"میں نے بھی کئی بار اس بارے میں سوچا ہے۔ ماضی میں ہمارے کئی آدمی اس کی بھینٹ چڑھے ہیں۔"

"کچھ ان کی اپنی غلطیاں بھی رہی تھیں۔ سب کچھ ڈینی کے سر پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ ماضی میں الجھنے سے بہتر یہ ہو گا کہ ہم آنے والے مستقبل کی بات کریں۔"

"برائن مانو تو میں کھل کر ایک سوال کر لوں۔" نک کی آواز میں جھجک تھی۔

"اس وقت میں تم سے کھلے دل سے بات کر رہا ہوں۔ جو چاہو، پوچھ سکتے ہو۔" میں نے جان بوجھ کر اس کی رسی دراز کر دی۔

"یہ باتیں تم اپنی ذاتی حیثیت میں کر رہے ہو یا ڈینی کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں کچھ تبدیلی آئی ہے؟"

"تم سے باتیں کرتے ہوئے ابھی ابھی یہ خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس ذاتی نظریے کو میری فورس میں پذیرائی ملے گی۔"

"میری مانو تو اپنے اس نظریے کو اپنی ذات تک محدود رکھو۔ اس کی تشہیر نہ کرو۔ بھیڑیں ہر خیال اور نظریہ گم ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ ہو گا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا "میرے دل کی بات دل ہی میں رہ جائے گی۔"

"یہ برباد ہونے سے بچ جائے گی۔ ٹھنڈے دل سے میری پیشکش پر غور کرو۔ وہ اب بھی برقرار ہے۔"

"یعنی ایس ٹی ایف چھوڑ کر ایف بی آئی میں شمولیت اختیار کر لوں؟"

"ایف بی آئی یا سی آئی اے۔ تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کی آزادی ہو گی؟"

"نہیں نک! میں اپنی زمین سے سارے رابطے نہیں توڑ سکتا۔ میری فطرت کچھ اور ہے۔ میرے لیے تمہاری تجویز پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"تم بہت ضدی آدمی ہو۔" اس کی آواز کے ساتھ ایک گہرے سانس کے آواز آئی جیسے وہ کسی اعصابی دباؤ میں مبتلا رہا ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یہ ممکن نہیں تو پھر ایس ٹی ایف میں اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ہمارے ساتھ کام کرنے کے بارے میں سوچو۔"

بات اسی نکتے پر آگئی تھی۔ انہیں سرکاری صفوں میں اپنے کسی ہمدرد کی تلاش تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ میرے خلاف میری ہی مدد کا طلب گار تھا۔ اس وقت تک اس نے بلیک کیٹس یا کسی اور فریق کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی تھی۔ لیکن میں نے بہت سرعت کے ساتھ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اگر مجھے ان کے پیٹ میں گھس کر کام کرنے کا موقع مل رہا تھا تو مجھے اپنے مفاد کی خاطر اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔

ایک امکان یہ تھا کہ شاید بلیک کیٹس نے ہمارا گھر دیکھ لیا تھا۔ کرنل داور کی حیثیت سے میرا اس گھر میں رہنا سہنا ناقابلِ تلافی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتا تھا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ نقصان دہ بات یہ تھی کہ چائے کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی اس گھر میں مجھے اور ویرا کو یک جا دیکھ چکی تھی۔ میں نے عارضی طور پر اسے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان لوگوں کے نیٹ ورک میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے ابتدا سے یقین تھا کہ اس کی عارضی خدمات بھاری معاوضے پر حاصل کی گئی ہوں گی اور ناکام سروے کے بعد اس سے قطع تعلق کر لیا گیا ہو گا۔

اگر میرے خدوخال اس لڑکی کے ذہن میں محفوظ رہ گئے تھے تب بھی یہ خدشہ نہیں تھا کہ وہ دوبارہ میرے دشمنوں سے ملنے میں کامیاب ہو سکے گی۔

کسی بھی شناخت کے خطرے سے بچ کر کرنل داور کا بہروپ نبھانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں گھر کو خیرباد کہہ کر اسٹیشن فور منتقل ہو جاؤں۔ ہر طرف سے میدان صاف

Downloaded from https://paksociety.com

ہونے کے بعد میں اپنی سہولت کے مطابق دوبارہ اپنے معمول کی طرف لوٹ سکتا تھا۔

"کیا یہ ایس ٹی ایف سے غداری نہیں ہوگی؟" میں نے دانستہ کچھ وقفہ دے کر سوال کیا۔

"غداری کی کوئی آفاقی حقیقت نہیں ہوتی۔ میری نظروں میں اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنا غداری کے زمرے میں آتا ہے۔ خدا خدا کرے تم اب ڈینی کی بے راہ روی سے تنگ آئے ہو تو ان باتوں کو چھوڑ دو اور اپنے ضمیر کے مطابق کام کرو۔ ہمارے ہاتھ مضبوط کرو۔ باقی کام ہم خود پورا کرلیں گے۔"

"تم ڈینی کو مار کر اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔ یہ میری خواہش نہیں ہے۔" میری کمزور آواز میں خود بہ خود تھوڑی سی لچک آگئی۔

"میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرتا مگر ہم اسے زندہ پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ تم یقین کرو کہ اس پر امریکا کی کسی عدالت میں مقدمہ چلا کر سزایاب کرانا میرا سب سے بڑا خواب ہے۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ وہ اپنی عمر کا باقی حصہ کسی امریکی جیل میں گزار دے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا انحصار خود اس کے رویے پر ہو گا۔ اس نے ضرورت سے زیادہ بے جگری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو بے موت مارا جائے گا۔ یہ بات تم بھی سمجھتے ہو۔ تم خود پیشہ ور لڑاکا رہے ہو۔"

"دیکھو! میں اس بارے میں سوچوں گا۔" میں نے پُر تشویش آواز میں کہا۔

"تم نے سوچنے میں بہت وقت برباد کردیا۔ اب دل پر پتھر رکھ کر فیصلہ کرڈالو۔ ڈینی کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ وہ ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے۔" اس نے اپنا دباؤ بڑھادیا۔

میں نے باری باری اول خان اور ویرا کی طرف دیکھا۔ دونوں کے سرزور زور سے اثبات میں ہلنے لگے۔ بن کومار کر ہم جس بند گلی میں پہنچ گئے تھے۔ اس سے نکلنے کی ایک راہ بنتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے چین نظر آرہے تھے۔

"دیکھو نک۔ میں ایس ٹی ایف کے پورے لشکر کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوں۔ تم کل دو آدمی ہو۔ ڈینی کو پکڑنے کے لیے تمہارے پاس کوئی نیٹ ورک نہیں ہے۔" میں نے مزاحمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے ساتھ مل کر میں اپنی مٹی بھی پلید کرالوں گا۔"

"ایک بار تم رضامندی ظاہر کردو۔ تم کو نیٹ ورک بھی مل جائے گا۔" اس کی آواز سے بے تابی جھلکنے لگی۔

"تم کو معلوم ہے ڈینی غیر ملکی ایجنٹوں سے زیادہ' غدار پاکستانیوں کا دشمن ہے۔ وہ مجھے اسی صف میں تصور کرے گا۔ کہیں تم سے پہلے میری باری نہ آجائے۔"

"تم پس پشت رہ کر کمان کرو گے۔ کام کرنے والے دوسرے لوگ ہوں گے۔" میرا تذبذب بھانپ کر وہ اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرنے لگا۔ "تم بدستور ایس ٹی ایف کے افسر رہو گے۔ ہم تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔ تم اپنی سہولت کے مطابق' جب چاہو گے' مجھ سے بات کرسکو گے۔ میں تمہیں ایک سٹیلائٹ فون کا نمبر دے دوں گا۔ وہ کام کا آدمی ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوگا۔"

"مجھے وقت درکار ہے..... میرا دل ڈر رہا ہے۔" میں نے اپنی مزاحمت جاری رکھی۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ تم اپنی سلامتی کی طرف سے متفکر ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ بڑے فیصلوں کا موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتا۔ یہ فیصلہ کرکے تم اپنی توقع سے کہیں زیادہ حاصل کرلو گے۔"

"مجھے اپنے نیٹ ورک کے بارے میں بتاؤ۔ یہ ڈینی کو پکڑنے میں اب تک ناکام کیوں ہے؟" میں نے اس سے چبھتی ہوئی بات پوچھ لی۔

"میں اپنے رسک پر پہلے ہی تمہیں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ اس سے آگے زبان نہیں کھول سکتا۔ ہمارے نیٹ ورک کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تصویر ہے نہ آواز نہ فنگر پرنٹس۔ وہ سامنے آیا بھی ہو گا تو پہچانا نہیں گیا۔ اس کے بارے میں ہر طرف مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملتی۔"

"اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم اس کی شناخت اور خبروں کے حصول کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو۔"

وہ اس وقت بہت محتاط اور پُرجوش تھا۔ میری زبان سے استعمال کرنے کا تذکرہ سنتے ہی ہیجان زدہ آواز میں بولا "یہ تمہارے تحفظ کے لیے میری تجویز ہے۔ تم خود اس کو گھیر کر پکڑنا چاہو تو تمہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ہم میں سے کوئی تمہاری راہ نہیں روکے گا۔"

"سٹیلائٹ فون والا کام کا آدمی کون ہے؟" میں نے پھر ایک ٹیڑھا سوال کردیا۔

"مقامی ہے اور ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ بتانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے میرے انکار کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اب بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ونڈر فل!" اس کی بے ساختہ آواز آئی "کرنل تم گریٹ ہو۔"

"یہ فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کہ کون کیا ہے۔ بہرحال اب میں محدود انداز میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔ ورجینیا اور واشنگٹن میں ایس ٹی ایف کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ارکان مرسکتے ہیں' ٹوٹ نہیں سکتے۔ تم نے اپنے ضمیر کی آواز پر چل کر ان سب کے لیے ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ یہ نئی رفاقت تم کو مبارک ہو۔"

"یہ اندازہ مجھے بھی ہے کہ میں نے ایس ٹی ایف کی روایات سے بغاوت کی ہے۔"

"میں نے پہلی ملاقات میں ہی تمہارے بارے میں اچھی رائے قائم کی تھی جو اس وقت درست ثابت ہو رہی ہے۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ اب کام کی ابتدا کب اور کیسے ہوگی؟" میں نے کہا۔

"آج شام سات بجے ہوٹل پہنچ جاؤ۔" اس نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا نام لے کر کہا "وہاں کا منیجر میرا آدمی ہے۔ وہ تمہیں کوبرا سے ملائے گا۔"

"یہ کوبرا کون ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔

"یہ وہی سٹیلائٹ فون والا مقامی ہے۔ حفاظتی وجوہ کی بنا پر وہ نقاب پہنتا ہے....."

"تو کیا میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکوں گا؟" میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ وہ بہت عزت دار آدمی ہے۔ کسی کے سامنے نہیں آسکتا۔" نک کی آواز میں التجا تھی۔

"میں بھی عزت دار ہوں۔ وہاں دونوں ایک حمام میں ننگے ہوں گے پھر پردہ کیسا۔ میں کسی نقاب پوش سے نہیں ملوں گا۔"

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو۔ اس کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسے یہیں جینا مرنا ہے۔ اپنی عزت اور ساکھ کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" ہوٹل کا نام اور نک کے گرگے کا عہدہ کا معلوم ہو جانے کے بعد میں اپنی بات پر اڑ گیا تھا۔ وہ نک کے لیے بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔

"نہیں نک۔ میرے لیے نقاب پوش سے ملنا باعث ہتک ہے۔ وہ تم سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ جب تم میرے سامنے آسکتے ہو تو اسے کیا عذر ہے!"

"مجھے سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ وہ عام مقامی شہری ہے۔ تم جان بوجھ کر کیوں انجان بن رہے ہو۔" نک کی آواز میں بے بسی اتر آئی۔

اول خان میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ زور زور سے ہاتھ لہرا کر مجھے اپنے بدلے ہوئے رویے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ویرا کے چہرے سے بھی ناگواری کے اثرات مترشح تھے۔ کچھ دیر پہلے تک میرا یہی خیال تھا کہ میں نک کا اعتماد حاصل کر کے ایک بڑی کامیابی کے قریب پہنچنے والا تھا لیکن نقاب پوش کوبرا کا ذکر سنتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی تھی۔

"سفارتی تحفظ سے کچھ نہیں بنتا' نہ بگڑتا ہے۔ یہ سراسر اعتماد کا معاملہ ہے۔ جو شخص اپنی شناخت کے معاملے میں مجھ پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے' میں اس کے سامنے خود کو کیسے بے نقاب کر سکتا ہوں۔ وہ کسی وقت بھی غائب ہو کر مجھے بے موت مروا دے گا اور میں صرف کوبرا' کوبرا کرتا رہ جاؤں گا۔"

"تم پر کوئی برا وقت آیا تو تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" اس نے یقین دلایا۔

"مجھے بے اختیار نام کے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے بن کی زبان سے اس کے عبرتناک اور متوقع انجام کے بارے میں سن کر روکھے لہجے میں اس کی عظمت کو سات سلام کرتے ہوئے گڈ لک کہا تھا اور لائن سے غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ان بدترین لمحات میں گڈ لک کے اظہار پر بن کا شکوہ سننے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

میں نے نام کے وہ الفاظ ڈینی بن کرنے تھے۔ میں کرنل داور کے روپ میں نک کے سامنے وہ سب نہیں دہرا سکتا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں تک میرا ساتھ دو گے۔ دلدل آتے ہی مجھے دھتکارتا ہوا چھوڑ کر' اپنی سفارتی مراعات کی آڑ میں کنارہ کشی اختیار کر لو گے۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ تم مجھے کسی نقاب پوش کوبرا کے حوالے کر دو گے تو میں ہرگز تمہارے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہوتا۔ اب مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میں نے تم سے اقرار کر کے اپنا بھرم کیوں کھو دیا۔"

"میری نگاہوں میں اب بھی تمہارا وہی بھرم ہے۔ تم اس سے ملاقات بعد میں کر لینا۔ تم کل تک سوچ سکتے ہو۔"

Downloaded from https://paksociety.com

وہ اپنی بگڑی ہوئی بازی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ "میں ایک نقاب پوش سے ہرگز نہیں ملوں گا۔ تم چاہو تو مجھے اس کے سٹیلائٹ فون کا نمبر دے سکتے ہو۔ آواز کا مقابلہ آواز سے ہو سکتا ہے۔ میں اس سے بات کرلوں گا۔"

"کرنل! تم بہت چالاک ہو یا پھر حد سے زیادہ جذباتی ہو۔ میں تمہیں فون نمبر دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ وہ میری زبان سے نکل گیا اور پھر تم کسی بات پر اڑ گئے تو میں کیا کروں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے ساتھ سمجھوتا کرنے کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہو۔"

"میں چالاکی دکھانا چاہتا تو تم سے پوری بات اگلوانے کے بعد آنکھیں دکھاتا۔ مجھے صرف کوبرا کے نقاب پر اعتراض ہے۔ تم اس کا نقاب اتروا دو۔ میں اس سے مل لوں گا۔" میں نے اصرار کیا۔

اچانک اسپیکر فون پر اس کا ہلکا سا قہقہہ گونجا پھر اس کی آواز آئی۔ "میں تمہاری نیت پرکھنا چاہ رہا تھا۔ جواب کھل کر میرے سامنے آگئی۔ کوبرا کسی کا نام ہے اور نہ میں کسی نقاب پوش کو جانتا ہوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

اس کی کھوکھلی آواز سے سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یکایک بات بگڑنے سے وہ بوکھلا گیا تھا اور جھوٹ بول کر کوبرا نامی پراسرار نقاب پوش کے تذکرے کو دھندلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اول خان مایوسانہ انداز میں اپنا سر جھکا کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔

"اس وقت میں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ تم ہمیشہ میرے حریف رہو گے۔ کبھی حلیف نہیں بن سکو گے۔"

"اپنی توہین اور تذلیل کے مقابلے میں، مجھے اس پر ذرا بھی ملال نہیں ہے۔" میں نے بے پرواہی سے کہا "اب تم یہ نہ کہہ بیٹھنا کہ ہوٹل کا منیجر تمہارا آدمی نہیں ہے۔ تم نقاب پوش کے ذکر سے انکار کر سکتے ہو کیونکہ اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ منیجر کے بارے میں تمہاری یہ قلابازی نہیں چل سکے گی۔"

"ہوں۔" اس کی زخم خوردہ سی غراہٹ سنائی دی "تمہارے جتانے سے پہلے مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میری کمان سے ایک غیر ضروری تیر نکل چکا ہے۔ قسمت آزمالینا۔ نتیجہ سامنے آجائے گا۔"

اسپیکر فون پر آنے والی کلک کی آواز سے سب کو اندازہ ہو گیا کہ نک نے جھلا کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

"یہ برا ہوا۔ بہت برا ہوا۔" میں نے فون کا بٹن آف کرتے ہوئے تیزی سے کہا "جلدی سے ہوٹل کے منیجر کا نمبر تلاش کرو۔"

میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بوکھلا کر ٹیلی فون ڈائریکٹری کے لیے دوڑ گئی۔ غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کیا بات ہے؟ تم یکایک اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟" اول خان نے پرتشویش لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"ان کی پریشانی درست ہے۔" غزالہ کی آواز سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔ اس نے کہا "اب ہوٹل کے منیجر کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

"تو کیا اسے خطرے سے آگاہ کرنے جا رہے ہو؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"نک کو غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ بہت تیزی سے اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

پھر بھی ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" اول خان نے سرعت سے ریسیور اٹھا لیا "نک کے کسی آدمی کے اس تک پہنچنے سے پہلے اسے کیوں نہ اٹھوا لیا جائے۔"

وہ بھی ایک متبادل راہ تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ ہمارے پاس اس پر عمل کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔

ہمیں ہوٹل کے منیجر کے نام کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میں اسے کتنی ہی دردمندی سے خطرے سے آگاہ کرتا، وہ ایک اجنبی کی وارننگ پر لامحالہ آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خطرے کی توثیق کے لیے فوری طور پر ہوٹل سے فرار اور پھر روپوشی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے نک یا کوبرا سے رجوع کرتا وہ دونوں اسے کوئی غلط مشورہ دے کر اپنے چنگل میں پھانس لیتے۔ ایسی صورت میں دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کے بے رحم ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے فون پر خطرے سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ شاید وہ کسی تصدیق کے بغیر فرار کی فوری راہ اختیار کر ہی لیتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ سکتے تھے۔

وہ نک اور کوبرا کے رابطے اور اعتماد کا آدمی تھا۔ وہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو ان لوگوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ نک کو شاید کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچتا مگر ہم کوبرا کے بارے میں اہم معلومات حاصل کر کے اس کے سحر کو تہس نہس کر سکتے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ دونوں طرف سے جان کی بازی لگا دینے کا معاملہ تھا۔ ویرا کو موٹی ڈائریکٹریوں میں ہوٹل کا نمبر تلاش کرنے میں ذرا سی تاخیر ہوئی۔ اس دوران میں اول خان نے اسٹیشن فور کے ریڈیو روم کو ہدایت دے دی کہ اسٹیشن سے باہر موجود ہر یونٹ کے لیے وائرلیس پر پیغام نشر کرکے' ہوٹل سے قریب ترین موجود فردیا پارٹی کو فوری طور پر ہوٹل پہنچنے اور پھر وہاں سے ہر قیمت پر منیجر کو اٹھا لانے کا حکم دے دیا جائے۔ اس نے اپنے ریڈیو آفیسر سے بہت مختصر اور کام کی بات کرکے فون بند کر دیا تھا۔

ویرا ہوٹل کے متعدد فون نمبروں والا صفحہ کھول کر لائی تو میں نے تیزی سے ایک نمبر ملا لیا۔ اس صفحے پر ہوٹل منیجر کا ڈائرکٹ نمبر نہیں تھا لیکن اس کا نام ارجن کمار درج تھا۔

اس کا نام پڑھ کر میرے دل میں ایک چنگاری سی سلگ اٹھی۔ اس کے نام سے اس کے مذہب کا اظہار ہوتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ پاکستان میں رہنے' بسنے اور پیدا ہونے والے بعض تعلیم یافتہ ہندو اپنے وطن سے مخلص کیوں نہیں تھے۔

وجے' ترپاٹھی' راجو اور سیٹھی کی سازشیں میرے لیے قابل فہم تھیں۔ وہ بھارتی شہری تھے اور وہاں سے دہشت گردی کا مشن لے کر پاکستان آئے تھے۔ ہماری سرزمین پر وہ جو کچھ کر رہے تھے' وہ ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا لیکن پاکستان سے بغاوت کرکے' دشمنوں سے گٹھ جوڑ کرنے کا' چوپڑا اور ارجن کمار کا رویہ میرے لیے ناقابل فہم تھا۔

آپریٹر کے سوال کے جواب میں' میں نے اپنا نام کرنل شاہ بتا کر ارجن کمار سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اپنے مفروضہ نام کے ساتھ کرنل کا سابقہ لگا کر میں نے آپریٹر کے لیے اہمیت کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اس پر میرے نام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے کوئی غیر ضروری سوال کیے بغیر' چند ثانیوں میں لائن ملا دی اور کلک کی آواز سے لائن کٹ گئی۔

میں نے جھلا کر غصے سے فون پر ہاتھ مارا۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ لائن کیوں کٹ گئی تھی۔

"ٹھہرو! میں سی ایس ڈی آف کرتا ہوں۔" سلطان شاہ یہ کہتا ہوا ہمارے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

میں مایوسانہ انداز میں کریڈل دبا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ سلطان شاہ نے فون کٹنے کے سبب کا بروقت اندازہ لگا کر خاصا وقت بچا لیا تھا۔ شاید اس نے اندر ابھرنے والی سی ایس ڈی کے بزر کی ہلکی سی آواز سن لی تھی۔

"آف کر دیا۔" سلطان شاہ نے کمرے سے ہی ہانک لگائی' اور میں نے دوبارہ وہی نمبر ملا لیا۔

"اوہ سر! شاید لائن ڈراپ ہوگئی تھی۔" میرا نام سنتے ہی آپریٹر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور دوبارہ لائن ملا دی۔

"یس کرنل صاحب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" سلسلہ ملتے ہی میرے کانوں میں ایک توانا اور شگفتہ آواز آئی۔

"اپنی جان کی فکر کرو۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر عجلت میں کہا "اس وقت نک اور کوبرا ایکا ایک تمہارے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں۔"

صحیح صورت حال کے اظہار کے لیے وہ مختصر ترین الفاظ ہو سکتے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ میری بات سمجھ لے گا۔

"آپ کو یہ بات کیسے پتا چلی؟" منیجر کی طرف سے سوال کیا گیا۔ میری وارننگ کے نتیجے میں اس کی آواز سے ساری شگفتگی رخصت ہوگئی تھی۔

"احمق آدمی! ان سوالوں کو چھوڑو اور دفتر کے پچھلے دروازے سے نکل کر بھاگ جاؤ۔ تمہیں مارنے والے کسی بھی لمحے تم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

لمحے بھر کے لیے لائن پر گہری خاموشی رہی پھر یکایک فون بند ہوگیا۔

میں نے نک اور کوبرا کے نام ایک ساتھ استعمال کر ڈالے تھے۔ اگر وہ ان میں سے ایک سے بھی واقف تھا تو اسے اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میرا فون بے بنیاد نہیں تھا۔ اس نے میری پوری بات سننے کے بعد جس طرح کچھ کہے سنے بغیر فون بند کیا تھا اس سے مجھے امید ہوئی تھی کہ اس نے میری بات پر اعتبار کر لیا ہوگا۔

"ہم دونوں نے اپنا اپنا کام کر لیا۔" اول خان مجھ سے مخاطب تھا۔ "اب بتاؤ کہ نک سے بات کرتے کرتے تم اچانک کیوں بھڑک گئے تھے۔"

"نقاب کے پیچھے را کا کوئی ایجنٹ یا بلیک کیٹ بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ خطرہ تو نقاب کے بغیر بھی تھا۔ نک کی معرفت تم سے ملنے والا کوئی دوست نہیں ہو سکتا تھا۔" اول خان نے دلیل دی۔

"وہ طریقہ کار بہت خطرناک تھا۔ اس میں میرے بچنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"پھر تم نے نک سے کسی سمجھوتے پر آمادگی کیوں ظاہر کی تھی؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے نک اور ٹام کے ساتھ مل بیٹھنے کی امید میں وہ ساری بات آگے بڑھائی تھی۔ جوں ہی اس نے میجر کے ذریعے کوبرا سے ملنے کی بات کی' میرا ماتھا ٹھنک گیا۔"

"اوہ...! اس کا مطلب ہے کہ تم کوبرا سے ملنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نقاب والی بات کو تم نے بہانے کے طور پر استعمال کیا۔" ویرا نے سر ہلا کر کہا۔

"اس وقت میں آنکھیں بند کر کے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" میں نے اس کے اندازے کی تائید کی۔

ان میں سے کسی نے میری اس احتیاط کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خود کو ناگہانی خطرات سے بچانا میرا فطری حق تھا۔ اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں رایا اس کے کارندوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا لیکن جب سے بلیک کیٹس کا ذکر چلا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہو گیا تھا کہ سرکاری طور پر میری شناخت کا کوئی ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود رایا اس کے کسی شعبے میں ایسے لوگ پیدا ہو چکے تھے جو مجھے پہچان سکتے تھے۔ میرا ان کے سامنے جانا کسی صورت میں خودکشی سے کم نہ ہوتا۔ نقاب پوش کوبرا یا کسی بغیر نقاب..... والے شخص سے اچانک سامنا کرنے میں ایسی خطرناک صورتِ حال رونما ہونے کے قوی امکانات موجود تھے۔

میرا وہ خیال بے بنیاد نہیں تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ مظہر خان بن کر دہلی میں کافی وقت گزارا تھا۔ اس روپ میں را کے بہت سے افسروں اور اہل کاروں نے مجھے قریب سے دیکھا تھا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ جب تک ہم دہلی میں مقیم تھے' ہر شخص مجھے مظہر خان سمجھتا رہا تھا لیکن دہلی سے ہماری واپسی کے بعد بھارتی حکام پر یہ عقدہ کھلا تھا کہ مظہر خان کی شخصیت ڈینی کا دوسرا روپ ہو سکتی تھی۔

مظہر خان کے بارے میں بھارتیوں نے کافی شدت سے پروپیگنڈا شروع کیا تھا۔ اس بارے میں پاکستان سے مظہر خان اور ڈینی کی حوالگی کے پرزور مطالبات بھی کیے گئے تھے جو تکنیکی بنیادوں پر زیادہ موثر ثابت نہیں ہو سکے اس مرحلہ پر امریکیوں نے لیری ہنف کے ذریعے اس معاملے کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ وہ بھی بوجوہ ناکام ہو گئی۔

وہ پس منظر بہت پرانا نہیں تھا۔ دہلی والوں کے زخم تازہ تھے۔ وہ مظہر خان اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ قرار دے چکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ پاکستان میں میرا سراغ لگانے کے لیے ایسے آدمیوں کو بھیجتے جو مظہر خان کو پہلی نظر میں پہچان لیتے۔ مظہر خان ان کے سامنے آتا اور وہ اسی لمحے ڈینی کا شکار کر لیتے۔

اس بارے میں میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے از خود کسی کو اپنے اس اندیشے سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا لیکن نک سے معاملات طے کرتے ہوئے جوں ہی کسی اجنبی سے روبہ رو ملاقات ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا نظر آیا' میرے ذہن میں وہ سارے ہولناک اندیشے یک بہ یک جاگ اٹھے تھے۔

بھارت والوں کے پاس میری یعنی ڈینی کی آمد و رفت کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا لیکن میں مظہر خان بن کر بھارت میں باضابطہ داخل ہوا تھا۔ بھارت سے مظہر خان کی واپسی کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پاکستان نے اسی بنیاد پر بھارت کا مطالبہ مسترد کر کے اپنے مظہر نامی شہری کی واپسی کا مطالبہ' در جواب آں غزل کے طور پر ریکارڈ کیا ہوا تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ دہلی جا کر میں نے متعدد بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں جن کی بازگشت گاہے گاہے سنائی دیتی تھیں لیکن سب سے بڑا خسارہ یہ ہوا تھا کہ مجھے دیکھ کر پہچان لینے والے دشمنوں کی ایک تعداد وجود میں آ چکی تھی۔

"پھر اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ ارجن کمار سے تم کیا کام لینا چاہ رہے ہو؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"وہ ہمارے حریفوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا تو اس کا قصہ پاک ہو جائے گا۔ غدار کا بہترین انجام یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا جائے۔" ویرا نے میری طرف سے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "وہ زندہ رہا تو ہمارے بہت کام آ سکتا ہے۔"

"اس کے ذریعے ہم شاید کوبرا تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔" غزالہ نے امید ظاہر کی۔

"مجھے اس کا امکان نظر نہیں آتا۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ ارجن کمار نے بھی اسے کبھی نقاب کے بغیر نہ دیکھا ہو۔"

"مجھے اپنا پرانا زمانہ یاد آ رہا ہے جب میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی۔" ویرا نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وقت کے بے رحم ہاتھوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"سر سے پیر تک چست اور کالے لباس کو خیرباد کہنے کے بعد بھی تم کو تین ہی نظر آتی ہو۔ فرق یہ ہوا ہے کہ اب بلیک کے بجائے وائٹ ہو گئی ہو۔" سلطان شاہ بولا۔

"ہم بھٹک رہے ہیں۔" اول خان نے دوبارہ زبان کھولی "ہمیں طے کر لینا چاہیے کہ ہم ارجن سے کیا توقع کر رہے ہیں۔"

"جس طرح چوپڑا ہمارے کام آ رہا ہے۔ وہ بھی ہمارے کام آتا رہے گا۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ کیا کچھ جانتا ہے۔"

"اس کی موت کا امکان پیدا ہونے پر تم یوں بدحواس ہوئے تھے جیسے تم نے اس کا کوئی بڑا استعمال سوچا ہوا ہو۔" ویرا بولی۔

"شاید وہ میرا اضطراری ردِعمل تھا۔ میری اب بھی یہی خواہش ہے کہ وہ زندہ ہمارے ہاتھ آ جائے۔"

ہدایات جاری کرنے کے تقریباً نصف گھنٹے کے بعد اول خان کے موبائل فون پر اس کے کسی آدمی کی کال آ گئی۔ اول خان ستے ہوئے چہرے کے ساتھ، محض ہوں ہاں کر کے اس کی باتیں سنتا رہا پھر اس نے مایوسانہ انداز میں فون بند کر دیا "میرے آدمی بروقت ارجن تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ایک پراسرار ملاقاتی نے اسے اس کے دفتر میں کسی بے آواز ہتھیار سے فائر کر کے مار دیا اور خاموشی کے ساتھ ہوٹل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔" اس نے ہمیں تازہ ترین خبر سنا دی۔

"تمہارا آدمی اس وقت کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے واپس نکل چکا ہے۔ وہ مسلح تھا اس لیے ہوٹل میں داخل نہیں ہوا۔ اس سے پہلے پولیس وہاں پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے ہوٹل سے نکلنے کے تمام راستے سیل کر دیے ہیں وہ اندر جاتا تو غیر ضروری باز پرس میں پھنس سکتا تھا۔" اول خان نے بتایا۔ اس کے چہرے پر رنج و ملال کی کیفیت طاری تھی۔

"نک نے شاید مجھ سے بات ختم کرتے ہی ارجن کو ٹھکانے لگانے کا حکم دے ڈالا۔ اس کے آدمی نے قابلِ رشک تیزی دکھائی ہے۔" میں نے کہا "مگر اس پر افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ کون تھا؟" ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کیا احمقانہ سوال ہے!" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس کا جواب صرف نک دے سکتا ہے....."

"وہ کوئی مقامی تھا۔" اول خان نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا "ان اطلاعات میں کچھ فرق بھی ہو سکتا ہے کیونکہ میرے آدمی نے جائے واردات سے دور رہ کر اپنے طور پر باتیں معلوم کی ہیں۔ قتل کی وارداتوں میں ہر طرف اس قدر افراتفری پھیل جاتی ہے کہ دیر تک صحیح صورت حال واضح نہیں ہو پاتی۔"

"اس کھیل میں ابھی تک سوبھراج کا نام کہیں سامنے نہیں آیا۔" سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

"فی الحال ارجن کے نام پر اکتفا کرو۔ رفتہ رفتہ دوسرے نام بھی سامنے آ جائیں گے۔" ویرا نے اسے تلقین کی۔

"ارجن کا نام جس سرعت سے سامنے آیا تھا۔ اس سے زیادہ تیزی سے مٹ گیا۔ اب ہم کہاں کھڑے ہیں۔" اول خان نے چند ثانیوں کے بعد پوچھا۔

"وہ نک اور کوبرا یا ان میں سے کسی کے رازوں کا امانت دار تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے بولنا شروع کیا "اسے مار کر ان لوگوں نے ہر راز کو بچا لیا ہے۔ وہ اپنی سرگرمیاں پرانے معمول کے مطابق جاری رکھیں گے۔ ان سے کہیں نہ کہیں چوک ہو گی اور ہم ان کی گردن ناپ لیں گے۔"

"تم اس طرح دعویٰ کر رہے ہو جیسے ان کے پرانے معمولات سے واقف ہو!" ویرا نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ اندازہ تم کو بھی ہو گیا ہو گا کہ وہ لوگ ارجن کے ذریعے ہوٹل کو اپنا گڑھ بنائے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"کیا کوبرا کے سلسلے میں وہ اتنی جلدی کسی اور پر اعتماد کر لیں گے؟ تم نے تو نک سے یہ تک نہیں پوچھا کہ منیجر تمہیں کس کمرے میں کوبرا سے ملوائے گا۔" ویرا بولی۔

"نک پیشہ ور آدمی ہے اس سوال کا جواب ہرگز نہ دیتا۔"

"منیجر کا حوالہ دینے کی غلطی اسی پیشہ ور سے ہوئی تھی!"

"یہ اس کی مجبوری تھی۔ تم یہ نہ بھولو کہ اس نے منیجر کا نام تک نہیں بتایا تھا حالانکہ اس عہدے کے ساتھ نام بتانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔"

"ابھی تم نے اس ہوٹل کو ان لوگوں کی سرگرمیوں کا گڑھ قرار دیا تھا۔" اول خان نے میری اور ویرا کی بحث میں دخل دے کر پوچھا۔

"بن کے سلسلے میں کرائے کے مکانوں کا چکر بری طرح ناکام ثابت ہوا۔ اگر بھارت سے بلیک کیٹس آئے ہوئے ہیں تو انہیں ایک محفوظ اور مستقل ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ یہ فائیو اسٹار ہوٹل جس کا منیجر ان لوگوں سے ملا ہوا تھا، ان کے لیے بہترین تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کوبرا نے بھی مستقل طور پر

Downloaded from https://paksociety.com

اسی ہوٹل کے کسی فلور پر کرالیا ہوا ہو۔"

"ممکن ہے کہ بلیک کیٹس میں سے کسی نے کوبرا کا روپ دھارا ہوا ہو؟" ویرا بڑبڑائی۔

"امکانات کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ان پر سوچ کر اپنا وقت برباد نہ کرو۔" میں نے اسے ترش جواب دے کر اول خان سے کہا "مطلع صاف ہوتے ہی اپنے کم از کم ایک ہوشیار آدمی کو اس ہوٹل میں ٹھہرا دو۔ وہ وہاں چند مشتبہ مہمانوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ وہ بھارتی ہو سکتے ہیں جو مقامی بن کر ہوٹل میں رکے ہوئے ہوں۔"

وہ تدبیر ضروری تھی۔ وہ اسی ہوٹل میں تھے تو ارجن کے قتل کے باوجود' ان کے لیے ہوٹل بدلنا آسان نہیں تھا۔ نئے ہوٹل میں وہ غیر متوقع مسائل اور مشکلات کا شکار ہو سکتے تھے۔ ارجن کے ہوٹل میں انہیں چند روزہ قیام کا تجربہ اور تسلسل حاصل تھا جس سے وہ آسانی سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے یہاں کافی وقت گزار لیا۔ میرے دونوں آدمی یہاں ہیں۔ ان سے کوئی شکایت ہوئی تو انہیں تبدیل کر دیا جائے گا۔" اول خان واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

اول خان کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے میرے ذہن سے ایک بڑا سا بوجھ ہٹ چکا تھا۔ نک سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے کرنل داور کے روپ کو بھرپور انداز میں نبھانے کے لیے گھر چھوڑ کر اسٹیشن فور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ نک سے بات بگڑ جانے کے بعد اس عارضی ہجرت کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف وہ اور ٹام مجھے کرنل داور کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ان سے میں یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میرے خلاف خود میدان میں اتر آئیں گے۔ ان کے دوسرے ہمدردوں اور ساتھیوں کے لیے کرنل داور ایک نام ہو سکتا تھا' پہچان نہیں بن سکتا تھا۔

طویل مذاکرات نے شاید سب کو تھکا دیا تھا۔ ویرا اور غزالہ اول خان کے دونوں آدمیوں کو بلا کر گھر کے کام کاج سمجھانے میں مصروف ہو گئیں۔ وہ دونوں اپنی صورتوں سے نیک اور شریف نظر آ رہے تھے۔ یہ انتخاب ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ ان میں سے کون گھر کے کام کرے گا اور کون رات کی چوکیداری کا کام انجام دے گا۔

میں فرصت سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تو میرے ذہن میں سلطان شاہ کا سوال چبھنے لگا۔ سب کچھ صاف ہونے کے بعد معاملات بہت آگے بڑھ گئے تھے لیکن سوبھراج کا نام

افادیت

"ٹی وی پروڈیوسر تسنیم اسلم اپنے نئے بنگلے میں شفٹ ہونے کے بعد اپنی پڑوسن مسز آغا کو اپنے پالتو کتے کے بارے میں بتا رہی تھیں "یہ ٹھیک ہے کہ یہ کوئی بہت اعلیٰ نسل اور بہت قیمتی کتا نہیں ہے لیکن کسی گلی کوچے سے پکڑا ہوا لاوارث کتا بھی بہر حال نہیں ہے۔ بہت عقل مند ہے۔ چور ڈاکو گھر کے قریب بھی آئیں تو اس کتے کی وجہ سے ہمیں فوراً پتا چل جاتا ہے۔"

"کیا کرتا ہے یہ؟" مسز آغا نے دلچسپی سے پوچھا

"کیا بھونک بھونک کر گھر سر پر اٹھا لیتا ہے؟"

"نہیں۔ یہ فوراً صوفے کے نیچے گھس جاتا ہے۔" تسنیم نے بتایا۔

کہیں ابھر کر سامنے نہیں آ سکا تھا۔

میں نے کوبرا کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔ نک نے دوستانہ فضا میں باتیں کرنے کے دوران صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ ایک عزت دار' مقامی اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ سوبھراج ان تینوں تعریفوں پر پورا اترتا تھا۔ اس کی عزت اور سماجی رتبے کی گواہی جلال نے دی تھی۔ وہ اسلام آباد سے چیک کیے بغیر سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

میرا ذہن اس راہ پر چل نکلا۔ میں جتنا سوچ رہا تھا' میرا یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ کوبرا کے پردے میں سوبھراج ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے اس معاملے میں جلال کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔

○☆○

اول خان اپنے کسی آدمی کو کوارجن والے فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانے کا وعدہ کر کے گیا تھا لیکن راستے میں اس کام کی نزاکتوں پر غور کرنے کے بعد اس نے ارادہ بدل دیا۔

اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس معاملے کی کوئی کڑی اس وقت تک گم تھی ورنہ کہانی کے سامنے آنے والے بکھرے بکھرے کرداروں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ وہ معاملات اتنے الجھے ہوئے تھے کہ کام کی ذمہ داری کسی ماتحت پر ڈالنے کے بجائے اسے خود آگے بڑھنے کی ضرورت تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہوٹل کی طرف بھیجا جانے والا کارندہ ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے بعد ہوٹل کی پارکنگ سے نکل گیا تھا مگر انہی اطراف میں منڈلاتا رہا۔ اس نے اپنی تحویل میں موجود مشتبہ اشیا اور ہتھیار وغیرہ گاڑی میں چھپائے اور گاڑی ہوٹل سے دور پارک کرکے دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔

اس نے ہوٹل کے قرب و جوار میں رہ کر اندر آنے جانے والے پولیس افسروں اور صحافیوں وغیرہ سے جستہ جستہ معلومات حاصل کرکے اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں اول خان کو اس واردات کے بارے میں قدرے تفصیلی رپورٹ فراہم کردی جو حقائق سے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

اسے بتایا گیا کہ ہوٹل کی آپریٹر کے ذریعے ارجن کمار کے لیے کسی کرنل شاہ کی فون کال آئی جو لمحہ بھر میں کٹ گئی۔ نامعلوم کرنل نے دوبارہ فون کرکے ارجن سے مختصر سی گفتگو کی جس کے نتیجے میں ارجن کی حالت غیر ہوگئی اور اس نے اپنے اردلی کو طلب کرکے فریش جوش کے دو گلاس پی ڈالے۔ اردلی کا کہنا تھا کہ اس وقت ارجن کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ دوسرا گلاس خالی کرکے' اس نے اردلی کے جانے سے پہلے اپنے ڈائریکٹ فون پر کسی کا نمبر ملایا تھا۔

اردلی نے واپس آکر اپنی تشویش دور کرنے کے لیے ارجن کے کمرے میں جھانکا تو وہ اپنی کرسی پر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے دروازے پر اردلی کے چہرے کی جھلک دیکھتے ہی' پھٹی پھٹی آواز میں اسے جھاڑ کر بھگا دیا۔

ارجن کمار صحت مند' خوش مزاج اور باحوصلہ شخص تھا۔ اردلی اس کی طرف سے فکرمند ہوگیا۔ وہ ارجن کی بگڑی حالت بتانے کے لیے اسی فلور پر واقع چیف اکاؤنٹنٹ کے دفتر کی طرف چلا گیا۔ وہ دونوں بوکھلا کر ارجن کے دفتر کی طرف آرہے تھے تو ایک خوش پوش اور مہذب آدمی ارجن کے دفتر سے نکلا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔

دربان نے بتایا کہ وہ شخص چند لمحوں پہلے خالی ہاتھ ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور سیدھا ارجن کے دفتر میں گھستا چلا گیا تھا۔ بمشکل ایک منٹ بعد وہ دفتر سے نکل کر ہوٹل سے بھی فرار ہوگیا۔ اتنی عجلت میں آمد و رفت کی بنا پر دربان نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ واپسی پر بھی خالی ہاتھ تھا اور اس کے بشرے پر خوف یا گھبراہٹ کے بجائے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

وہ گیٹ سے نکلا اور چیف اکاؤنٹنٹ دروازہ کھول کر

ارجن کے دفتر میں داخل ہوا تو ارجن اپنی کرسی پر بے جان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر جھول گئے تھے۔ پیشانی کے وسط میں موجود سرخ رنگ کا خونی دائرہ چیخ چیخ کر فائر کا اعلان کر رہا تھا۔

دونوں نے گھبرا کر ارجن کو دیکھا اور وہ بے جان بت کی طرح ان کے ہاتھوں میں آگیا۔

دہشت سے ان دونوں نے ہذیانی آوازوں میں چیخنا شروع کردیا۔ ہوٹل میں سنسنی خیز کہرام برپا ہوگیا۔

دربان کسی کی ہدایت کے بغیر عجلت پسند اجنبی کی تلاش میں باہر نکلا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لمحوں ہی لمحوں میں فضا میں تحلیل ہوگیا ہو۔

پولیس آئی اور ہوٹل کے دروازے بند کردیے گئے۔ وہ شہر کا مشہور ہوٹل تھا۔ وہاں اہم سیاسی' سماجی اور سرکاری شخصیات مقیم تھیں۔ ان کو زیادہ دیر تک قید نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ ہوٹل کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے بیشتر ارکان وہ وحشت اثر خبر سنتے ہی ہوٹل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے ملکی اور غیر ملکی مہمانوں کی سہولت کی خاطر' اپنی ذاتی کاوشوں سے تین بجے تک ہوٹل کے دروازے کھلوا دیے۔ اس دوران میں پولیس اپنی ابتدائی اور سرسری تفتیش کا پہلا مرحلہ تیزی سے مکمل کرچکی تھی۔

اس وقت تک ہوٹل میں مقیم مہمانوں کے سوا کسی کو اندر جانے یا اندر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اول خان کا آدمی بھی صدر دروازے کے باہر رکا ہوا تھا۔

اول خان کو اندازہ تھا کہ ہوٹل میں مجرموں کے کسی ساتھی سے اس کا ٹکراؤ ہو بھی گیا تو کھلی محاذ آرائی کی نوبت نہیں آسکے گی۔ ہوٹل کے اندر اور باہر مسلح پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ مالکان نے اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر کچھ پرائیویٹ گارڈ بھی بلا لیے تھے تاکہ ان کے مہمانوں کا کھویا ہوا تحفظ کا احساس بحال ہوسکے۔

اس نے کسی خاموش تصادم کے لیے بھرپور تیاریاں کیں اور اسٹیشن فورسے ہوٹل کے لیے روانہ ہوگیا۔

اسے اندازہ تھا کہ ابتدائی تفتیش کے بعد پولیس ہوٹل کے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوگی اور اس سے بھی سرسری اندازمیں گزر جائے گی جبکہ اول خان کے لیے ہوٹل کا ریکارڈ بہت اہم تھا۔ اس کا سبب بہت واضح تھا۔ اول خان کو ارجن کے قتل کے پورے پس منظر اور محرک سے آگاہی حاصل تھی۔ پولیس والے ان باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کے نزدیک ارجن کے قتل کی واردات ایک عام پراسرار واردات ہی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی جس میں صرف ایک مفرور قاتل ملوث تھا۔

وہ ساڑھے چار بجے ہوٹل پہنچا تو اس نے دور ہی سے اپنے آدمی کو دیکھ لیا۔ وہ اس وقت ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔ اول خان اس کی طرف توجہ دیے بغیر کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

شام ہو رہی تھی لیکن ہوٹل کی لابی رنگ و بُو کی رونق سے عاری تھی۔ وہاں ہر طرف ویرانی اور افراتفری کا راج تھا۔ ہوٹل کی حدود میں کوئی باوردی پولیس والا نظر نہیں آرہا تھا۔ عمارت سے باہر بھی اول خان کو اِکا دُکا باوردی سپاہی اور جونیئر افسران نظر آئے۔ پولیس والوں کی تعداد میں وہ غیر معمولی کمی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ ہوٹل کے ماحول سے خوف و ہراس کی فضا ختم کرنے کے لیے ارجن کمار کی لاش وہاں سے لے جائی جا چکی تھی۔

اول خان ایس ٹی ایف میں ہونے کے باوجود عام پولیس فورس کے لیے ایک عام شہری تھا۔ اسے شہری پولیس کے گنے چنے افسران ہی بخوبی پہچانتے تھے۔ اول خان کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ پولیس کی نفری میں کمی کے سبب اس کا کوئی شناسا افسر کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ منیجر کی تختی والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کچھ لوگ وہاں موجود اور مصروف ہو سکتے تھے۔

اول خان نے ہوٹل میں دو راتوں کے لیے ایک کمرا لینے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے' بکنگ کلرک سے ویرانی کا سبب دریافت کیا تو اس نے ایک حادثے کا ذکر کر کے بات ٹال دی۔ وہ قتل کا ذکر کر کے' آئے ہوئے ایک گاہک کو بھگانا نہیں چاہتا تھا۔ ارجن کے قتل کی واردات کے بعد اس کی آمد ہوٹل والوں کے لیے ایک نیک شگون تھی۔

اول خان کو اصل سانحے سے بے خبر رکھنے کے لیے' بہت زیادہ عجلت میں کاؤنٹر سے نمٹا کر پورٹر کے ساتھ کمرے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

اول خان بارعب اور پروقار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ کاروباری افراد کے انداز میں محض ایک کشادہ بریف کیس لے کر ہوٹل پہنچا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھولتا ہوا بریف کیس پورٹر نے لے لیا اور سیدھا لفٹ کی طرف ہو لیا۔

پانچویں منزل کا کمرا اسے دیا گیا تھا۔ طویل راہداری میں فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ سر پر فالس سیلنگ سجی ہوئی تھی۔ دھیمی روشنی میں وہ سرنگ نما راہداری' گراؤنڈ فلور کے کشیدہ ماحول سے بالکل مختلف اور رومان آفریں محسوس ہو رہی تھی۔

اول خان نے پورٹر کو ٹپ دے کر رخصت کیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے جوتوں سمیت دہرے بستر پر دراز ہو گیا۔

اگر میں نے نک سے بات نہ بگاڑی ہوتی تو کم و بیش اسی وقت' ایسے ہی کسی کمرے میں ارجن مجھے کوبرا سے ملوا رہا ہوتا۔ اول خان نے سوچا۔

ہوٹل پہنچنے تک وہ اپنے لیے کسی طریقہ کار کا انتخاب نہیں کر سکا تھا۔ پر تکلف اور آرام دہ کمرے میں پہنچنے کے بعد ارجن اور کوبرا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا جہاں ملکی اور غیر ملکی معززین و شرفا قیام کرتے تھے۔ کسی کے لیے چہرے پر نقاب چڑھا کر وہاں آنا ناممکن تھا۔ نک کا معتمد نقاب پوش جو بھی رہا ہو' عام آدمی کی طرح' شریفانہ حلیے میں' کوئی نقاب لگائے بغیر اس ہوٹل میں آتا ہوگا اور سیدھا ارجن سے رجوع کرتا ہوگا۔ ارجن ذاتی طور پر اسے اس کی پسند کے فلور کا کوئی کمرا دے دیتا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر یہ علم رہا ہوگا کہ وہی شریف آدمی'

آئندہ

لیری نے ہیری کو بتایا "پچھلے سے پچھلے سال پہاڑوں پر تعطیلات کے دوران میں میری بیوی امید سے ہو گئی۔ پچھلے سال غیر ممالک میں تعطیلات کے دوران میں میری بیوی پھر امید سے ہو گئی۔ اس بار میں نے سوچا ہے کہ جہاں بھی تعطیلات منانے جاؤں گا' بیوی کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

اپنی سی تدبیر

ایک صاحب اپنی نوبیاہتا بیوی کو لے کر پہلی بار ایک اچھے سے ریستوران میں پہنچے۔ انہوں نے مینیو دیکھا تو احساس ہوا کہ ہر چیز کی قیمت کافی زیادہ تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بیگم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے "ہاں.... تو میری پیاری سی.... موٹی سی بیگم' کیا کھانا پسند کرے گی؟"

○☆○

Downloaded from https://paksociety.com

ضرورت پڑنے پر اپنے کمرے کی چار دیواری میں' چہرے پر نقاب چڑھا کر کوبرا کا روپ دھار لیتا ہے۔ بعد میں کوبرا کا کوئی ملاقاتی ارجن کے پاس آتا ہوگا تو وہ پہلے انٹر کام پر کوبرا کو کسی ملاقاتی کی آمد سے مطلع کرتا ہوگا پھر اسے اپنے ساتھ لے کر' مودبانہ انداز میں کوبرا کے حضور میں پیش کردیتا ہوگا۔

دوسرے الفاظ میں ارجن کمار کو کوبرا کی اصلیت کا پورا پورا علم تھا۔ وہ اس کے چہرے سے لے کر نام پتے تک سب کچھ جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے بہت عجلت' نفاست اور پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ٹھکانے لگادیا گیا تھا۔ کوبرا کے اس قریبی رازداں کو کرنل داور کے چنگل سے بچانے کے لیے بے رحمی سے مروا دیا گیا تھا۔ ویرا کے قول کے مطابق وہ امریکیوں کا ایک بنیادی وصف تھا۔ وہ بھیڑیے اپنی کھال بچانے کے لیے اپنے ہی ساتھیوں کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔

پرسکون ماحول میں ذہنی ارتکاز کے ذریعے اس کے دماغ میں مربوط خیالات کا ایک سیلاب امڈا چلا آرہا تھا۔

صرف ارجن' کوبرا کی اصلیت سے آگاہ تھا۔ ہوٹل کے دوسرے عملے کے لیے اس آدمی کا کوئی نہ کوئی عام نام اور چہرہ تھا۔ وہ اسے اسی حیثیت میں پہچانتے تھے۔ ان کو ارجن نے اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی ہوگی کہ ضرورت کے وقت وہی شخص کچھ دیر کے لیے کوبرا بن جاتا ہے۔

ہوٹل کے بکنگ کاؤنٹر کے عملے پر محنت کرکے یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ ہوٹل میں کبھی کبھی آنے والے اس خاص مہمان کا نام کیا تھا جس کی خدمت کے لیے ارجن ہمیشہ ذاتی توجہ اور دلچسپی لیتا تھا۔ اول خان سمجھ رہا تھا کہ ہوٹل کی ساکھ بچانے کے لیے وردی پوشوں کی تعداد بڑی حد تک گھٹا دی گئی تھی لیکن ہوٹل میں کہیں نہ کہیں تفتیشی کام پورے زور و شور سے چل رہا ہوگا۔ بیانات لیے جارہے ہوں گے' ارجن کے کمرے میں کیمرے چل رہے ہوں گے' فنگر پرنٹس اٹھائے جارہے ہوں گے۔ تناؤ کے اس ماحول میں اگر وہ اپنی شناخت ظاہر کرکے پوچھ گچھ کا متوازی سلسلہ شروع کرتا تو کوئی معترض نہ ہوتا لیکن بیشتر جبینیں شکن آلود ہوجاتیں اور دوسری طرف وہ ایک پراسرار تفتیشی اہلکار کی حیثیت سے ہوٹل کے عملے کے سامنے بے نقاب ہوجاتا۔

ہوٹل میں اپنی شناخت اسے سرے سے گوارا نہیں تھی۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح ہوٹل میں رہ کر اپنے کام کی باتیں معلوم کرنے سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اس ضمن میں اسے ہوٹل کا رجسٹر سب سے اہم محسوس ہورہا تھا۔ جس میں ہوٹل کا عملہ ہر آنے جانے والے مہمان کے مکمل کوائف درج کرتا ہے۔

کوبرا' ارجن کے لیے بہت اہم بلکہ شاید اہم ترین گاہک تھا۔ اس کا وقت بہت قیمتی تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ رجسٹر میں کوبرا کے کوائف ارجن خود تحریر کرتا ہوگا۔ وہ اس کے کسی ماتحت کلرک کی ڈیوٹی تھی جسے وہ کوبرا کو خوش کرنے کے لیے اپنے سر لے لیتا ہوگا۔

اگر ہوٹل کا وہ ایک رجسٹر کسی طرح ہاتھ آجاتا تو محض چند روز کے اندراجات دیکھ کر بہت کچھ پتا چلایا جاسکتا تھا۔

اسی رجسٹر سے کوبرا کی آمد و رفت کا دورانیہ بھی معلوم ہوسکتا تھا۔ ارجن پر بھروسا کرکے اس نے اس مخصوص ہوٹل کو اپنا اڈا بنایا تھا۔ وہ وہاں کے مستقل گاہکوں میں شامل تھا۔ عملے کے بہت سے لوگ اسے پہچاننے لگے ہوں گے۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہوٹل میں ہر بار نئے نام سے کمرا لیتا۔ شاید کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت کمرا بدل جاتا ہو' کوبرا کا اصل یا فرضی نام نہیں بدل سکتا تھا۔ ارجن کی تحریر میں اس ایک نام کی کئی بار تکرار اسے کوبرا کے بہت قریب پہنچا سکتی تھی۔

وہ بہت خوش ہوا کہ وہ اپنے طور پر بھی کڑیاں ملا سکتا ہے۔ اس نے موبائل فون پر اپنے اس آدمی کا نمبر ملالیا جو ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔

"سر! میں کچھ لوگوں کے ساتھ مصروف ہوں۔ فارغ ہو کر فون کرتا ہوں۔" ایس ٹی ایف کے کارندے نے اپنے باس کی آواز سن کر مختصر سا جواب دیا اور فون بند کردیا۔

چند منٹ بعد اس کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ وہ کہیں مصروف نہیں تھا۔ ایک ایسی جگہ تھا جہاں وہ فون پر کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ایک بہتر اور کھلے مقام پر آکر دوبارہ فون کیا تھا۔ اس نے اول خان کو ہوٹل میں آتے اور پھر پورٹر کے ساتھ رہائشی کمروں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے چیف کو بذات خود ہوٹل میں ڈیرا ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

"یہ معاملہ سنگین ہے۔ ہمیں پس پردہ رہ کر بہت احتیاط سے اسے دیکھنا ہے۔" اول خان نے اسے سمجھایا۔

"ابھی تک میں دور دور رہا ہوں۔ دو شناسا پولیس افسران مل گئے تھے۔ وہ حیران ہوئے کہ قتل کی ایک روٹین واردات میں ہماری فورس کے لیے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے مگر میں نے انہیں ٹال دیا۔ بتایا کہ میں اتفاق سے ادھر نکل آیا ہوں۔ میری موجودگی کا فورس کی دلچسپی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میں کمرا نمبر پانچ سو بیس میں ہوں۔ اس وقت ہوٹل کا رہائشی رجسٹر بہت اہم ہے۔ اس تک رسائی کی کیا صورت ہے۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ پولیس کو ہوٹل کے ریکارڈ سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ واقعاتی شہادتوں پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے۔" اس کے آدمی کی طرف سے جواب آیا "میں رجسٹر کچھ دیر کے لیے شاید حاصل کرلوں لیکن یہ بات پھیل سکتی ہے کہ ایس ٹی ایف راہ میں آرہی ہے۔"

"تم آس پاس ہی رہو۔ میں سوچ کر تمہیں بتاتا ہوں۔" اول خان نے بات التوا میں ڈال دی۔

کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد اول خان نے کمرے کے فون پر براہِ راست لائن لے کر ہمارے گھر کا نمبر ملالیا۔ درمیان میں آپریٹر کا دخل نہ ہونے کے سبب بلا تکلف بات کی جاسکتی تھی۔ درمیان میں کوئی بھی مخل ہونے کی کوشش کرتا تو سی ایس ڈی حرکت میں آجاتی۔ جو ہمارے گھر پر موجود تھی۔

اس وقت تک میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ ارجن کے قتل کی خبر سن کر میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ بس رہ رہ کر ایک ہی بات ذہن میں چکرا رہی تھی کہ وہ ہوٹل اس وقت ان کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہاں سے کوئی نہ کوئی سرا مل سکتا تھا۔

مجھے یہ جان کر بے ساختہ خوشی ہوئی کہ اول خان ہمت کرکے خود ہوٹل میں مقیم ہوگیا تھا۔ میری طرح اس کی جان کو بھی خطرات لاحق تھے۔ اس پر گولی چلا کر اس کا بازو زخمی کیا جاچکا تھا۔ وہ بھی ہمارے نادیدہ دشمنوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا لیکن کام کی خاطر اس نے ہر خطرے کو نظرانداز کردیا تھا۔

اس نے مجھے ارجن کے قتل کی پوری روداد کے ساتھ اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج بھی سنائے جو بہت مدلل تھے۔

مجھے مان لینا پڑا کہ ارجن کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ غلط تھا۔ وہ اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا اور کوبرا کی اصل شخصیت سے پوری طرح واقف تھا۔

"ہوٹل کا ماحول تمہیں راس آیا ہے۔ وہاں بیٹھ کر تم نے قابلِ قدر باتیں سوچی ہیں۔" میں نے دلچسپی کے ساتھ اس کی ساری باتیں سن لینے کے بعد کہا "اب تمہارا مسئلہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ ایس ٹی ایف کا نام سامنے لائے بغیر اس رجسٹر کو کیسے چیک کیا جائے۔"

"ہاں۔ بات یہیں اٹکی ہوئی ہے اور میں نے اسی مشورے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔"

"سوالاً جواباً"

☆..... "کیا آپ اپنے اخراجات اپنی آمدنی کی حدود میں رکھتے ہیں؟"

☆..... "نہیں..... میں اپنے اخراجات اپنے قرضہ جات کی حدود میں رکھتا ہوں۔"

☆..... "کیا آپ کے خیال میں مسز بقراط کچھ خود پسند خاتون نہیں ہیں؟"

☆..... "کچھ نہیں..... بلکہ بہت زیادہ..... وہ تو اپنی سالگرہ پر اپنی والدہ کو مبارکباد کا پیغام بھیجتی ہیں۔"

"تم ہوٹل میں موجود ہو تو میں گھر میں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں بھی وہیں آرہا ہوں۔ تم نے کمرا نمبر پانچ سو بیس ہی بتایا تھا نا!"

"نہیں... تم ادھر آنے کی غلطی نہ کرنا۔" وہ میرا فیصلہ سن کر بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا "تمہارے لیے یہاں بہت خطرات ہوسکتے ہیں۔"

"خطرہ تو تم کو بھی ہے۔ تم ایک گولی کھا چکے ہو۔" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"میری بات اور ہے۔" اس کی عاجلانہ آواز آئی "انہوں نے مجھے زخمی کرکے آلۂ کار بنایا تھا تاکہ میرا پیچھا کرکے تمہارا کوئی سراغ حاصل کرسکیں۔ ان کے لیے میری اس سے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ تم ان کا اصل ہدف ہو۔ وہ تم تک پہنچنے کے لیے یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہیں۔"

"خطروں سے خوف زدہ ہو کر ہم پیش قدمیوں سے رکے رہتے تو آج اس مقام پر نہ ہوتے۔"

"میں تم کو روک نہیں رہا۔ بس ذرا انتظار کرلو۔ وقت سازگار ہوجائے تو سب کچھ تم ہی کو کرنا ہے۔"

"اس وقت تم کیا خطرہ محسوس کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ان کے آدمی ہوٹل میں موجود ہوں گے۔ وہ ہر آنے جانے والے پر نظر رکھنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

"تم غلط سمت میں سوچ رہے ہو۔ ارجن کا قتل کسی لمبی منصوبہ بندی یا جدوجہد کے نتیجے میں نہیں ہوا۔ وہ چند منٹوں میں ہونے والے ایک فیصلے کے نتیجے میں اچانک مارا گیا ہے۔ نک اور اس کے بھیجے ہوئے قاتل کے سوا کسی کو علم نہیں ہوسکا ہوگا کہ ارجن کو کس نے اور کیوں مروایا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ارجن کا قاتل کوئی مقامی تھا۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا "کیا تمہارا خیال ہے کہ اسے نک نے بھیجا ہوگا۔ درمیان میں رابطے کا کوئی اور آدمی ملوث نہیں رہا ہوگا۔"

"کتنے ہی آدمی ملوث ہوں، قتل کا سبب نک کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ مجھے ارجن کا نام بتا کر پھنس گیا تھا۔ اس کے پاس ارجن کے قتل کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں رہی تھی۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ تم ہوٹل میں ان کے کسی آدمی یا آدمیوں کی موجودگی کیوں نظر انداز کر رہے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"ان کے جو لوگ بھی ہوٹل میں ہیں وہ ارجن کے قتل سے بری طرح خوف زدہ ہوگئے ہوں گے۔ وہ اس وقت اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اچانک موت کا خوف انہیں منظر عام پر آنے سے روکے رہے گا۔ ان کے خلاف تیزی سے کام کرنے کے لیے یہی مناسب ترین وقت ہے۔"

"اس وقت تم ایک متضاد بات کہہ رہے ہو جو قرین قیاس ضرور ہے مگر تمہارے ابتدائی اندیشوں سے میل نہیں کھاتی۔"

"مطلع کچھ صاف ہونے تک وہ باہر نکل سکتے ہیں نہ ہوٹل تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس مہلت سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔"

"پھر تم کتنی دیر میں آرہے ہو؟" اول خان نے قائل ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔

"میں بس ابھی نکل رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہمارے فیصلے بھی بدل رہے تھے۔ آثار و قرائن سے کچھ یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے جلد ہی کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔

میں کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نہیں جا رہا تھا۔ وہ ہوٹل کی بند چار دیواری میں سازشوں اور مکاریوں کا مقابلہ ہوتا نظر آرہا۔ ہوٹل کے کمروں اور راہداریوں میں آتشیں ہتھیاروں سے کہیں زیادہ مہلک اور خاموش حربوں کی ضرورت تھی۔ اس بار میں بیم گن گھر پر بھولنے کی غلطی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

مجھے روانگی کی تیاری میں مصروف پا کر تینوں کا تجسس جاگ اٹھا۔ میرے ارادے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن وہ فکر مند تھے۔ ان کے لیے وہ دلیلیں بھی کافی نہیں تھیں جنہوں نے اول خان کو خاموش کر دیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ اول خان مجرموں کے ایک متوقع مسکن میں برا جمان تھا۔ وہ تینوں گھر میں تھے۔

میں نے ایس ٹی ایف کے ابرار نامی کارندے کو چائے بنانے کی ہدایت کی اور فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

صدف میشن جلال کی مصروفیات کا مرکز اور محور ضرور تھا لیکن وہ ہر وقت وہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔

"تم صحیح کہہ رہے تھے۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں دن دیہاڑے، دیدہ دلیری سے گھس کر منیجر کو مار ڈالنا دل گردے کا کام ہے۔" اس نے اپنے فون پر میری آواز سنتے ہی ہیجانی آواز میں کہا "شہر میں وارداتیں تو ہوتی رہتی ہیں مگر اس واقعے نے سب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"سب سے بڑی مشکل قتل کے اسباب کے تعین میں پیش آئے گی۔" میں نے اپنی رائے دی۔

"یہی بنیادی مسئلہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکے گی۔ ہم لوگوں کو آگے آنا پڑے گا۔" وہ بولا "اندرون خانہ رونما ہونے والے واقعات سے آگاہی کے بغیر کوئی ارجن کے قتل کی گتھی کو نہیں سلجھا سکے گا۔"

"میں نے پوری کہانی تمہیں سنا دی تھی۔ ارجن کا اصل قاتل نک ہے۔ اس کا تم کیا کر سکو گے؟"

"ہوں... اوں!" اس کی فکر مندانہ ہنکار سنائی دی۔ وہ آئی بی کی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔

کچھ لمحوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر اس کی آواز ابھری "تم نے اس رکاوٹ کا کیا حل سوچا ہے۔"

"ہمیں کوبرا اور اس کے نیٹ ورک تک پہنچنا ہوگا۔ فی الحال تمہیں اپنے محکمے کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں۔ میں ایس ٹی ایف کو بھی پس پردہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"سب ہی پس پردہ رہے تو کوبرا کی سرکوبی کون کرے گا؟" اس کا سوال فطری تھا۔

"مجھے کچھ دیر کے لیے ہوٹل کا مسافروں والا رجسٹر درکار ہے۔ کیا وہ مل سکتا ہے؟"

"مل جائے گا۔ اس سے تم کیا حاصل کر سکو گے؟" اس کا پژمردہ لہجہ یکایک تجسس آمیز ہوگیا۔

"شاید ہمیں کوبرا کا کوئی سراغ مل جائے!" میں نے پر امید لہجے میں کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے لیے وہ تشنہ جواب ناکافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میرے ذہن میں کوئی خیال سر ابھارتا ہے تو اس کے پس پشت کوئی نہ کوئی عملی خاکہ بھی موجود ہوتا ہے۔ میں نے ازراہِ مذاق اسے ٹالنے کی کوشش کی جسے ناکام ہونا ہی تھا پھر میں نے اسے اول خان کی ذہنی کارگزاری سے آگاہ کردیا۔

"میں ترجیحی بنیاد پر اس رجسٹر کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" پوری بات سن لینے کے بعد اس نے پرجوش انداز میں جواب دیا "یہ تمہارے گھر بھجوادوں۔"

"یہ اسی ہوٹل کے کمرا نمبر پانچ سو بیس میں بھجوا دو!"

"وہاں کون ہے؟" اس نے تیزی سے سوال کیا "میرے موبائل کی اسکرین سے تو ظاہر ہوا تھا کہ تم اپنے گھر سے فون کررہے ہو۔"

"اول خان وہاں ہے۔ میں بھی سیدھا وہیں جارہا ہوں۔"

دوسروں کی طرح وہ بھی یہ اطلاع سن کر خوش نہیں ہوا مگر جانتا تھا کہ کام آگے بڑھانے کے لیے کوئی نہ کوئی خطرہ مول لینا ضروری تھا۔ اس نے چند اہم اور قیمتی مشورے دے کر فون بند کرنا چاہا تو معاً مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

"نک کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق کوبرا کے پاس سیٹ لائٹ ٹیلی فون ہے۔ اس کا کہیں نہ کہیں کوئی ریکارڈ تو ہوگا۔"

"یہ جدید ترین مواصلاتی سہولت ہے۔ میں اس کے حصول کے طریقے سے واقف نہیں ہوں۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت' اس کے لیے اجازت نامہ وغیرہ ضروری ہونا چاہیے۔" اس نے کسی غور کے بغیر اپنی مجبوری ظاہر کردی "فون غیر قانونی ہے تو بات دوسری ہے۔"

"اس پہلو کو بھی دیکھو۔" میں نے اسے تاکید کی "یہ قانون شکن لوگ ہیں۔ شاید فون کا کوئی ریکارڈ نہ مل سکے لیکن ہم کو ان پر ہر طرف سے یلغار کرنا ہوگی تب کہیں سے کامیابی کی کوئی کرن نمودار ہونے کی امید پیدا ہوسکے گی۔"

جلال سے گفتگو ختم ہوگئی اور میں چائے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ابرار شاید پیشہ ور باورچی نہ ہو لیکن اس نے چائے بہت لذیذ بنائی تھی۔ میں نے اپنی طویل رفاقت میں ایک بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ ایس ٹی ایف کے سپاہیوں سے افسروں تک میں بددلی یا بیزاری کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ جس کو جو کام سونپ دیا جاتا تھا' وہ اسے دل و جان سے پورا کرنا اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ ابرار نے بھی اسے جذبے سے سرشار ہو کر چائے بنائی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک طویل مدت کے بعد غزالہ اور ویرا کو گھر کے کاموں کے لیے اچھا مددگار مل گیا تھا اور گھر کی حفاظت کے لیے دو بے خوف محافظ بھی ہاتھ آگئے تھے۔

گاڑی کی گھر پر بھی ضرورت رہتی تھی۔ سلطان شاہ نے مجھے مین روڈ پر چھوڑا اور میں ٹیکسی سے ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

○☆○

جہانگیر بستر میں لیٹا ایک کتاب پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس ضمن میں وہ صرف کوشش ہی کرسکتا تھا کیونکہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے کبھی لکھنے پڑھنے سے شغف نہیں رہا تھا۔ کھلی ہوئی کتاب اپنے سینے پر لگائے وہ کن انکھیوں سے بار بار سلمیٰ کی طرف دیکھ رہا تھا جو کافی دیر سے سنگھار میز کے سامنے مصروف تھی۔

بری عادت

سنگاکل نے شکایتی سے لہجے میں مسز اختر کو بتایا "مسز رمضان میں ایک عجیب بات ہے... میرے پاس کوئی بھی نئی چیز دیکھ لیں... اس کی قیمت ضرور پوچھتی ہیں تو میں نے یہ جو نیا جوڑا پہنا ہوا ہے' آج اس کی قیمت پوچھ رہی تھیں۔"

"یہ تو واقعی بہت بری عادت ہے..." مسز اختر نے سرہلاتے ہوئے کہا "بہرحال ... تم نے کیا قیمت بتائی؟"

اختتام جنگ

"اچھا .... تو اب آپ کی بیوی آپ سے بالکل نہیں جھگڑتی؟"

"جی ہاں .... اب وہ مجھ سے بالکل نہیں جھگڑتی۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس کا انتقال ہوچکا ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"کیا بات ہے؟ اتنا بن سنور کر کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔" آخر کار اس سے رہا نہ گیا اور وہ بول ہی پڑا۔

"تم کتاب پڑھ رہے ہو یا میری نگرانی کر رہے ہو؟" سلمٰی نے مڑے بغیر اس کے عکس پر توجہ مرکوز کر دی جو آئینے میں نمایاں تھا۔

"دونوں کام کر رہا ہوں۔ عورتوں کو کھلی چھوٹ دے دی جائے تو وہ آسانی سے بگڑ جاتی ہیں۔ ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔"

"میرے علاوہ اور کتنی عورتیں ہیں تمہاری؟" سلمٰی نے جل بھن کر پوچھا۔

"ہائے! کیا پوچھ لیا۔ اجازت چار کی ہے مگر مقدر میں شاید ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ تم اکیلی دس پر بھاری ہو۔"

"وہ تو کہو کہ کوئی عورت تم کو گھاس ہی نہیں ڈالتی ورنہ تم تو ہر ایک پر منہ مارنے کے لیے تلے بیٹھے رہتے ہو۔" سلمٰی نے ہنس کر کہا۔ ہنسی مذاق کے موڈ میں جہانگیر نشتر کے گھاؤ بھی ہنس بول کر سہہ لیتا تھا۔ کشیدگی کی فضا میں وہ سلمٰی کی ذرا سی لغزش بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔

"میں نے کس پر منہ مار دیا جو تم یوں طعنے دے رہی ہو۔" جہانگیر نے کتاب بند کر کے ایک طرف ڈال دی۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں کچھ نہیں دیکھتی۔ بس ٹوک کر تمہیں شرمندہ نہیں کرتی ورنہ ہر بات میری نظروں میں ہے۔ کئی مرتبہ تم ماسی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر چکے ہو۔ وہ شریف عورت ہے۔ سر جھکا کر اپنا کام کرتی ہے اور چلی جاتی ہے۔"

"ماسی کیا، تمہیں تو میرے مقابلے میں کتے اور کمینے بھی شریف نظر آتے ہیں۔ آخر ہونا اپنے عزت دار ماموں عظمت کی بھانجی!"

"بس اتر آئے اپنی بے سروپا باتوں پر۔ سچ تو تم سے برداشت ہی نہیں ہو سکتا۔ اچھا سچ سچ بتانا کہ کیا تم نے تل والی لڑکی کے ہاتھ میں چٹکی نہیں لی تھی۔" شوہر کی کمزوریاں گنوانے کے چکر میں سلمٰی کچھ دیر کے لیے اپنا بناؤ سنگھار بھی بھول گئی۔

"کک... کون سی تل والی لڑکی؟" جہانگیر نے ہکلا کر پوچھا۔

"اب انجان نہ بنو۔ میں اسی کی بات کر رہی ہوں جو گھٹیا پرفیوم بیچنے آئی تھی۔"

"قسم لے لو جو میں نے ایسی حرکت کی ہو۔ تمہاری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں اس لیے تمہیں بس وہی نظر آتا ہے جو تم دیکھنا چاہتی ہو۔"

"اور تم نے اسے آنکھ بھی نہیں ماری تھی۔" سلمٰی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جہانگیر بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور تکیے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔"

"پھر تم نے اس سے دو پرفیوم کیوں خریدے؟"

"بس! اس وقت پسند آ گئے تھے اور سستے معلوم ہو رہے تھے۔" وہ بوکھلا کر بولا "دو چھوٹے سیمپل وہ مفت میں دے گئی تھی۔ میں نے صرف ایک خریدا تھا۔"

"تمہاری چٹکی پر اس کا منہ بگڑ گیا تھا۔ تم ڈر گئے تھے کہ تم نے اسے خالی ہاتھ لوٹایا تو مجھ سے تمہاری شکایت کر دے گی..."

"تمہارا مطلب ہے کہ میں نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کے لیے رشوت دی تھی!" جہانگیر نے آنکھیں نکالیں۔

"کھلی رشوت تھی۔ پیسے لے کر اس کا موڈ بالکل بدل گیا تھا۔" سلمٰی بولی "اس کے بعد اس نے ڈینی کی بات نکالی تھی۔ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے اس کا حوصلہ کھل گیا تھا۔"

"ڈینی بتا رہا تھا کہ وہ بدمعاش تھی۔ یہاں کسی اور چکر میں آئی تھی۔"

"ہاں ہاں۔ مجھے سب معلوم ہے۔ ڈینی تمہیں لڑکی کی طرف سے ہوشیار نہ کرتا تو تم اسے ڈھونڈنے کے لیے نکل گئے ہوتے۔"

"اب تم کسے ڈھونڈنے جا رہی ہو؟" جہانگیر نے زہریلے لہجے میں پوچھا "تمہارے عظمت ماموں تو لاہور کی جیل میں سڑ رہے ہیں۔ یہاں کون رکھا ہے تمہارا!"

"میں اپنے نہیں، تمہارے کام سے جا رہی ہوں۔" سلمٰی آنکھیں نچا کے بولی "بوتل میں چار بوندیں رہ گئی ہیں۔ رات کو پھر چلانا شروع کر دو گے..."

"اوہ... یہ بات تمہیں پہلے ہی بتا دینی چاہیے تھی۔" جہانگیر کا لہجہ یکایک نرم پڑ گیا "اب تو میں نے بہت کم کر دی ہے۔ لیٹر کی بوتل دو روز چلتی ہے۔ آدمی کو پینے کے لیے اتنی سی بھی نہ ملے تو پھر اسے گھر بار چھوڑ کر بن باس لے لینا چاہیے۔"

سلمٰی نے مصنوعی غصے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالوں میں کنگھا پھیرا، لپ اسٹک درست کی اور پرس اٹھا کر باہر کی طرف چل دی۔

جہانگیر کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ والہانہ نظروں سے سلمٰی کی چال کا نظارہ کر رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

سلمٰی گھریلو ضروریات کی خریداری کے لیے عام طور پر پیدل جاتی تھی۔ اس بہانے راستے میں دو چار شناسا عورتوں سے ملاقات ہوجاتی تھی' ورزش اور چہل قدمی بھی ہوجاتی تھی۔ اس وقت اس نے گاڑی نکال لی۔ میری تادیب کے بعد وہ کوئی بے احتیاطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے راستے کی ایک دکان سے سودا سلف خریدا اور پھر میڈم کے فلیٹ کی طرف چل دی۔ گاڑی رکتے ہی میڈم کا ملازم دوڑ کر قریب آگیا۔ وہ سلمٰی کی گاڑی پہچاننے لگا تھا۔ وہ سلمٰی سے پیسے لے کر واپس آگیا اور بہت تیزی کے ساتھ لوٹ آیا۔ تھیلے میں لپٹی ہوئی بوتل سلمٰی کو دے کر اس نے ٹپ کے دس روپے شکریے کے ساتھ وصول کیے اور لوٹ گیا۔

سلمٰی نے کچھ آگے جاکر گاڑی گھمائی تھی کہ اچانک اس کی نظر اسی پرفیوم فروش لڑکی پر پڑی جوان کو بے وقوف بنا کر جاچکی تھی۔ سلمٰی نے بے ساختہ گاڑی کے بریک لگادیے۔

وہ لڑکی اپنا بیگ شانے سے لٹکائے ایک عمارت سے باہر آرہی تھی۔ سڑک پر ٹائروں کے رگڑنے کی آواز سن کر اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر سلمٰی کی گاڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ سلمٰی نے مسکراتے ہوئے اس لڑکی کی طرف ہاتھ لہرایا۔ سلمٰی کے دوستانہ انداز پر لڑکی کے قدم گاڑی کی طرف اٹھنے لگے۔

"کہاں گھوم رہی ہو؟" سلمٰی نے اپنے برابر والی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آؤ! میرے ساتھ آجاؤ۔"

"میں دن بھر گھر گھر جھانکتے جھانکتے تھک جاتی ہوں۔ تکلیف نہ ہو تو مجھے اگلے بس اسٹاپ پر اتار دیں۔" لڑکی نے مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور سلمٰی کی گاڑی میں سوار ہوگئی۔

سلمٰی کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ لڑکی فراڈ نہیں تھی۔ گھوم پھر کر پرفیوم بیچنے کا ہی کام کرتی تھی۔ اس کے کام کی نوعیت بتا رہی تھی کہ وہ غریب اور ضرورت مند رہی ہوگی۔ سلمٰی نے کہا "اترنے سے پہلے میرے لیے دو مردانہ پرفیوم نکال دینا۔"

لڑکی نے ممنونیت سے لبریز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب مجھے یاد آیا کہ شاید آپ ہی کے گھر میں' میں نے ڈینی کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"ہاں! تمہارا وہ سوال بے تکا اور چونکانے والا تھا۔" سلمٰی نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"دراصل وہ میرا سوال نہیں تھا۔ مجھے اس بارے میں بتایا گیا تھا۔" لڑکی نے اپنے بیگ میں سے سربند پرفیوم کے ڈبے نکال کر پیچھے کی سیٹ پر رکھتے ہوئے خود بخود انکشاف کیا۔

"اچھا۔" سلمٰی نے حیرت کا مظاہرہ کیا "مجھے یہی حیرت تھی کہ ڈینی کی لڑکیوں سے کیسی دوستی ہوگئی۔ وہ مردانہ صفات سے محروم ہے اور لڑکیوں سے شرماتا ہے... اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے تم سے کس نے کہا تھا؟"

سلمٰی خاصی چالاک عورت تھی۔ میری ہدایت کے بعد اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کسی بڑے چکر سے دو چار ہونے والی تھی۔ وہ تل والی اس لڑکی سے سرسری انداز میں بات آگے بڑھا رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ لڑکی اس کے ساتھ کوئی خطرناک حرکت نہ کر گزرے۔ اس خوف کے ساتھ اس کی یہ شدید خواہش بھی تھی کہ وہ لڑکی کے منہ سے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوالے اور پھر ان باتوں سے آگاہ کرکے مجھے مرعوب کرسکے۔

"وہ گاڑی میں تھا اور شاید میرا پیچھا کررہا تھا۔ اس نے تمہارے گھر کا جائزہ لینے اور کچھ خاص باتیں معلوم کرنے کے عوض ہزار روپے کی پیشکش کی تھی۔ بات ٹیڑھی اور خطرناک ہونے کے باوجود میں تیار ہوگئی کیونکہ میرے لیے ہزار روپے کی رقم بہت بڑی تھی۔ میں ہفتہ بھر دھکے کھانے کے بعد مشکل سے اتنا کمیشن کماتی ہوں۔"

"اوہو!" سلمٰی کھوکھلی آواز میں ہنسی "پھر تو وہ ہمارا کوئی دوست ہوگا جو ہمارے ساتھ ڈینی کو بھی جانتا ہوگا۔ اس نے مذاق کیا ہوگا۔ حلیہ کیا تھا اس کا؟"

"پڑھا لکھا' شریف اور مال دار آدمی تھا۔" اس غریب لڑکی کے لیے وہ خواص زیادہ اہم تھے "گٹھے ہوئے بدن کا سانولا سا آدمی تھا۔ اس کے ماتھے پر کسی پرانی چوٹ کا بڑا سا نشان تھا۔"

لڑکی رضاکارانہ طور پر تعاون کررہی تھی۔ سلمٰی نے گاڑی کی رفتار کم کرکے اپنے پرس سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور لڑکی کی گود میں ڈال دیا۔ لڑکی نے بقایا رقم لوٹانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ سلمٰی بول پڑی "رہنے دو۔ یہ باقی پیسے تمہارے کام آئیں گے۔"

"میں آپ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ اس آدمی سے بات کرتے ہوئے مجھے یہ بے فکری تھی کہ مجھے صرف بات کرنی تھی۔ آپ کے گھر یا گھر میں رہنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا تھا۔" لڑکی نے سلمٰی کے بڑھتے ہوئے اخلاقی دباؤ کے نتیجے میں اپنی صفائی پیش کی۔

"کوئی بات نہیں۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔" سلمٰی نے اسے دلاسا دیا "واپسی پر وہ تم سے کیا کہہ رہا تھا۔"

"کچھ نہیں... میری باتیں سن کر کچھ مایوس ہوا تھا۔ وہ شاید سمجھ رہا تھا کہ میں ڈیٹی کا نام پتا لکھ لاؤں گی۔"

"اب جو کچھ ہوا' ہوگیا۔ آئندہ احتیاط رکھنا۔ تم خوب صورت لڑکی ہو۔ ہمارے فلیٹ میں کار والے کا کوئی بدمعاش ساتھی بھی ہوسکتا تھا۔ وہ تنہائی میں تمہیں دبوچ لیتا تو کیا ہوتا۔ لڑکی کی عزت ہزار روپے سے بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ! میں ایسی ویسی نہیں ہوں۔ بس اس وقت لالچ میں میری آنکھوں پر پردہ پڑگیا تھا۔ فلیٹ میں اس وقت میرا دم نکل گیا تھا جب آپ کے میاں نے میرے ہاتھ پر چٹکی لی تھی۔ اس پر آپ کو غصہ آگیا تھا۔"

"وہ شرارتی ہیں۔ دل کے برے نہیں ہیں۔ جان بوجھ کر مجھے چڑا رہے تھے۔" سلمٰی نے جلدی سے بات بنادی "میں نے تو یہ بھی دیکھا تھا کہ ایک بار انہوں نے تم کو آنکھ ماری تھی۔"

لڑکی نے شرما کر اپنا سر جھکالیا اور دبی دبی آواز میں بولی۔ "آپ بہت اچھی بیوی ہیں۔ اپنے میاں کی عادتوں کو جانتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ نے ان کے لیے دو مردانہ پرفیوم لے لیے۔"

"اب کوئی دس ہزار بھی دے تو ہمارے گھر کا رخ نہ کرنا۔" سلمٰی نے ایک فوری اندیشے کے تحت زور دے کر کہا "اس وقت میں باہر ہوں' وہ گھر میں اکیلے ہیں۔ ایسے میں تم پہنچ جاؤ اور ان پر شیطان آجائے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

سلمٰی نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ لڑکی نے اسے سلام کیا اور بیگ بند کرکے گاڑی سے اتر گئی۔

سلمٰی نے بہت غور سے یہ دیکھ لیا تھا کہ لڑکی کے داہنے رخسار کا قیامت خیز تل سو فیصد قدرتی تھا۔

اس لڑکی سے اتفاقی ملاقات سلمٰی کو قدرت کا ایک انعام محسوس ہورہی تھی۔ جب اس لڑکی کی آمد کے بارے میں فون پر میری اور جہانگیر کی بات ہوئی تو لڑکی کے تل کا معمّا وجود میں نہیں آیا تھا لیکن میں نے اپنے بارے میں لڑکی کے تجسّس کی بنا پر اسے سخت خطرناک قرار دے دیا تھا۔ اس ملاقات میں یہ گرہ کھل گئی تھی کہ وہ لڑکی بے ضرر تھی۔ اصل خطرہ سانولے رنگ کے اس کار سوار کی طرف سے تھا جس نے ایک ہزار روپے دے کر لڑکی کو جہانگیر کے گھر بھیجنے پر آمادہ کیا تھا۔

وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر جہانگیر کو اور پھر مجھے ان تفصیلات سے آگاہ کردینا چاہتی تھی۔

جہانگیر کے لیے یہ اطلاع بم کے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ تل والی لڑکی انہی اطراف میں منڈلا رہی تھی۔ اسے اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔

پوری کہانی سن لینے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے اوسان بحال ہوئے۔ اس نے سلمٰی اور لڑکی کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بہت کرید کرید کر سوالات کیے اور سلمٰی نے اسے ہر بات بلا کم و کاست بتادی۔ صرف وہ باتیں گول کردیں جن کا تعلق جہانگیر کے اخلاق' کردار اور حرکتوں سے تھا۔

جہانگیر نے فوری طور پر ہمارے گھر فون کیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے مرا جارہا تھا۔ غزالہ نے اس سے مسئلے کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن وہ ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ مجھ سے کہاں رابطہ ہوسکتا تھا۔

جہانگیر کے کہنے کے مطابق وہ معاملہ بہت سنگین اور گمبھیر تھا جس کے لیے مجھ سے بات ہونی ضروری تھی۔

غزالہ نے مجبور ہوکر اسے میرا موبائل فون نمبر دے دیا۔

○☆○

مجھے وہاں پہنچے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اول خان سے ان معاملات کے سارے نشیب و فراز پر بات ہوچکی تھی لیکن جلال کے کسی آدمی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ہوٹل کا رہائشی رجسٹر ہم تک لانے کی کوششوں میں وہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔

اسی دوران میں جہانگیر کا فون آگیا۔ وہ بہت جوش میں تھا اور جذباتی ہورہا تھا۔ اس نے مجھے بہت کچھ بتادیا لیکن اس کے پاس میرے ہر سوال کا جواب نہیں تھا۔ آخر اس نے ریسیور سلمٰی کو دے دیا۔ مجھے ان دونوں کے خانگی اختلافات اور جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن مجبوراً مجھے وہ سب بھی سننا پڑ رہا تھا۔

"یہ بات شک و شبہے سے بالا ہوچکی ہے کہ راکی وہ دیوی کراچی میں نہیں ہے جو لاہور میں کام کررہی تھی۔" ان دونوں سے بات کرنے کے بعد میں نے اول خان کو آگاہ کیا۔

"کیوں؟ کیا جہانگیر کو کوئی نئی بات معلوم ہوئی ہے۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

جہانگیر اور سلمٰی کی ساری باتیں دہرائے جانے کے

Downloaded from https://paksociety.com

قابل نہیں تھیں۔ میں نے چند فقروں میں اول خان کو خلاصہ سنا دیا۔

"دھیرے دھیرے بات آگے بڑھ رہی ہے۔" وہ خوش ہو کر بولا "اب ان کا ایک اور آدمی نظروں میں آگیا۔ شہر میں متوسط قامت والے' سانولے رنگ کے ہزاروں آدمی ہوں گے لیکن ان میں سے دو چار ہی کی پیشانی پر چوٹ کا نشان ہوگا۔ اسے پہچانا جاسکتا ہے۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مقامی یا سرے سے پاکستان ہی نہ ہو' وہ کوئی بھارتی بھی ہوسکتا ہے۔"

اس نے سرہلا کر میری بات سے اتفاق کیا پھر تشویش آمیز لہجے میں بولا "اب مجھے فکر ہونے لگی ہے۔ جلال کا وہ آدمی کہاں رہ گیا۔ تم اسے فون کرکے معلوم تو کرو۔"

"جلال اتنا غیر ذمے دار آدمی نہیں ہے۔" میں نے اس کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ خود ہی مجھے فون کردیتا۔"

ہم آپس کی باتوں میں انتظار کا وقت گزارتے رہے۔ اس دوران میں' میں نے ایک مرتبہ گھر فون کرکے غزالہ کو صورت حال بتادی۔

ساڑھے نو بجے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کے بجائے براہِ راست جلال کی آواز آئی تو میں چونک پڑا "تم کہاں موجود ہو؟"

"میں زیادہ دور نہیں ہوں۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "نیچے ہوٹل کی لابی سے انٹر کام پر بات کررہا ہوں۔"

"اوہو!" میں وہ اطلاع سن کر مضطرب ہوگیا "تم یہاں کیوں آگئے۔ تم پہچانے جاسکتے ہو۔ تمہارا آدمی کہاں رہ گیا۔"

"بات میرے آدمی کے بس کی نہیں رہی تھی اس لیے مجھے خود نکلنا پڑا۔" وہ میرے لہجے کے اضطراب سے محظوظ ہوا تھا "تم میری شناخت کی فکر نہ کرو۔ اس وقت میں ایسے حلیے میں ہوں کہ مجھے تم بھی آسانی سے نہیں پہچان سکو گے۔ اسی لیے میں انٹر کام پر اوپر آنے کی اجازت لے رہا ہوں۔"

"جلدی آؤ۔ میں انتظار کررہا ہوں۔" میں نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کردیا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر میں نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے کوئی مصنوعی میک اپ استعمال کیے بغیر اتنی مہارت سے اپنا حلیہ تبدیل کیا تھا کہ پیشگی اطلاع کے بغیر میں اسے آسانی تو کیا مشکل سے بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔

اس کے سیاہ بال تیل میں تقریباً لتھڑے ہوئے تھے۔ بائیں مانگ نکال کر اس نے بال دونوں طرف جما لیے تھے۔ وہ چشمہ استعمال نہیں کرتا تھا لیکن اس کے چہرے پر باریک کمانی میں جڑے ہوئے سفید شیشوں کی عینک دیکھ کر یہ گمان ہورہا تھا جیسے وہ ایک مدت سے بینائی کی کمزوری کا شکار رہو۔

بوسکی کے شیروانی کالر کرتے اور لٹھے کے پاجامے پر سیاہ واسکٹ نے رہی سہی کسر پوری کردی تھی۔ اس کے بدن پر صرف توند کی کمی تھی ورنہ وہ پکا مارواڑی سیٹھ معلوم ہورہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک ہلکا اور چپٹا سا چرمی بیگ جھول رہا تھا۔

میں نے دروازہ کھول کر اسے جلدی سے اندر بلایا اور دروازہ اندر سے مقفل کرلیا۔

"شان دار!" اول خان نے اسے دیکھتے ہی بے ساختہ نعرہ لگایا اور اسے اپنے سینے سے لگالیا "تم بالکل بدلے ہوئے نظر آرہے ہو۔" وہ جلال کے سامنے کچھ محتاط رہتا تھا اور اس سے کسی بھی قسم کی بے تکلفی کے مظاہرے سے گریز کرتا تھا مگر اس وقت اسے بدلے ہوئے روپ میں دیکھ کر اپنی بے ساختہ مسرت کے اظہار پر قادر نہ رہ سکا۔

"میرا یہاں دیکھا جانا ہمارے مشن کے مفاد میں نہیں تھا۔ یہاں سرکاری عہدے دار بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ کئی بار میں اس ہوٹل میں رک چکا ہوں۔ ڈر تھا کہ کوئی پہچان لے گا اس لیے یہاں آنے سے پہلے یہ عارضی تبدیلیاں کر ڈالیں۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کپڑے میرے اپنے ہیں۔ میں اپنے گھر میں کرتا پاجامہ ہی استعمال کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا چشمہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

"یہ سب اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن تمہارا آدمی کہاں رہ گیا؟" میں نے پوچھا "اصل پروگرام تو اس کے آنے کا تھا۔"

"وہ یہاں آیا تھا اور ناکام رہا۔ وہ رجسٹر ڈی آئی جی صاحب لیے بیٹھے تھے۔"

"تم نے کیا کرلیا۔ تم بھی خالی ہاتھ آئے ہو۔ وہ رجسٹر خاصا ضخیم اور بڑا ہوتا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"انہوں نے مجھے بھی ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ میں رجسٹر کے دس صفحات کی فوٹو کاپی لے آیا ہوں۔" اس نے خوش خبری سنائی۔

"ویری گڈ!" میں نے خوش ہو کر کہا "اتنے صفحات بھی کافی ہیں۔ کام بن جانا چاہیے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے اپنا بیگ کھول کر تہ کیے ہوئے کاغذوں کا ایک پلندا نکال کر میرے اور اول خان کے سامنے رکھ دیا "میں نے رجسٹر پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی مگر مجھے اس میں کام کی کوئی بات نہیں نظر آئی۔ اب تم اسے دیکھ ڈالو۔ شاید کہیں میری نظریں چوک گئی ہوں۔"

رجسٹر کی ان تصویری نقول کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے میں نے اسے سلمٰی کے تجربے سے آگاہ کردیا۔ اس نے اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کی دانست میں دیوی والا قصہ پہلے ہی تمام ہوچکا تھا۔ اس پر مزید سر کھپانا فضول تھا۔

میں نے آخری صفحے سے رجسٹر کے اندراجات کو دیکھنا شروع کردیا۔ ہوٹل میں تین شفٹ کی ڈیوٹیوں کی وجہ سے تحریر میں فرق ضرور تھا لیکن ہر شفٹ میں کیے جانے والے اندراجات یکساں تحریر میں تھے۔ میں آخری تاریخ سے پیچھے چلتا رہا۔ پچھلے روز کسی حشمت خان کی آمد کا اندراج بالکل مختلف تحریر میں تھا۔ رجسٹر کے مطابق وہ پچھلے دن شام چار بجے آیا تھا اور بدستور ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقیم تھا۔ میں پیچھے چلتا رہا۔ ان دس صفحات میں تین مرتبہ حشمت خان کی آمد کا اندراج تھا۔ تینوں مرتبہ شفٹ ڈیوٹی والے یا والی کے بجائے کسی اور نے اس کی آمد درج کی تھی کیونکہ پوری شفٹ میں وہی ایک اندراج مختلف تحریر میں تھا۔ تینوں مرتبہ لکھی جانے والی مختلف تحریریں کسی ایک ہی شخص نے لکھی تھیں۔

جلال میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے اندازہ لگا رہا تھا کہ مجھے اپنی مشق میں کچھ کامیابی حاصل ہورہی تھی لیکن اس نے میری مصروفیت میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔

پچھلے دو مواقع پر حشمت خان ایک اور دو راتوں کے لیے ہوٹل میں رکا تھا۔ تیسرے اندراج کے مطابق وہ ایک رات بسر کرنے کے بعد اس وقت بھی کمرے پر متصرف تھا۔

میں نے وہ صفحات جلال کی طرف بڑھا دیے کیونکہ اول خان میرے قریب کھڑا ہو کر ان کا مشاہدہ کرچکا تھا۔

"کیا ملا؟" جلال نے کاغذات میرے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں حشمت خان کی آمد کے اندراجات دیکھو۔ سات دنوں میں وہ آج تیسری بار یہاں مقیم ہے۔ وہ وی آئی پی ہے اس لیے اس کی آمد کے اندراجات کاؤنٹر پر ڈیوٹی کلرک نہیں کرتا۔ وہ کسی افسر کی ذمے داری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریر ارجن کمار کی ہوگی۔"

جلال نے بہت دلچسپی سے پہلا صفحہ دیکھا اور پھر دیگر صفحات بھی دیکھتا چلا گیا۔ اس کے لیے کہیں بھی میرے مشاہدے سے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔

آخری صفحہ دیکھ لینے کے بعد جلال ایک گہرا سانس لے کر سیدھا ہوگیا "صحیح معنوں میں تم دونوں کو آئی بی یا آئی ایس آئی کے تفتیشی شعبے میں ہونا چاہیے۔ برجستگی کے ساتھ یوں بال کی کھال نکالنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ گندی تحریروں میں پوشیدہ یہ فرق میری نظروں میں بھی نہیں آسکا۔ میں بہت احتیاط سے پتا چلاتا ہوں کہ حشمت خان والے اندراجات کس کی تحریر میں ہیں۔ یہ معاملہ اب بہت حساس اور نازک ہوچکا ہے۔"

"غالباً تم نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ وہ کل شام چار بجے سے اب تک یہیں مقیم ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اب مجھے اتنا گیا گزرا نہ سمجھو!" اس نے مذاق میں ہنستے ہوئے گہری چوٹ کر ڈالی "اس کی موجودگی کی وجہ سے ہی میں نے اس معاملے کو نازک اور حساس قرار دیا ہے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ ارجن کے قتل کے سلسلے میں اس کے بارے میں چھان بین کی جارہی ہے تو وہ اسی لمحے غائب ہوجائے گا۔"

"غائب ہو کر کہاں جائے گا۔" اول خان نے بے ساختہ' پورے اعتماد سے کہا "رجسٹر میں اپنا فیصل آباد کا پتا لکھوا کر وہ اپنی گردن پھنسوا چکا ہے۔"

"تم بعض اوقات بہت بھولے بن جاتے ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر وہ مشکوک آدمی نہیں ہے تو اس بھنک سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ ہوٹل میں رک کر ہر قانونی بازپرس کا سامنا کرے گا۔ وہ ہمارا مطلوب آدمی ہے تو ہم اسے ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔ اس کا فیصل آباد کا پتا بالکل غلط ثابت ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ تم صحیح کہہ رہے ہو۔" وہ تفکر آمیز انداز میں سر ہلا کر بولا "پھر تو اس کا نام بھی غلط ثابت ہوسکتا ہے۔"

"امکان یہی ہے۔" جلال نے کاغذات سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے ہوئے' اس کی بات کی توثیق کی "پھر ہر بات فراڈ اور غلط ہوگی۔"

جلال یکایک بہت عجلت میں نظر آنے لگا تھا۔ کاغذات سمیٹتے ہی وہ اٹھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ اپنا چشمہ ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟ بیٹھ کر جلال کی واپسی کا انتظار کیا جائے!" اول خان نے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اپنے آدمی سے کہو کہ وہ نیچے لابی سے انٹر کام پر حشمت خان کے کمرے کا نمبر ملا کر دیکھے۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو ٹھیک ہے لیکن کسی نے فون اٹھالیا تو وہ کیا کرے گا۔" اول خان کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خود مطمئن ہونا چاہتا تھا۔

"جواب ملنے کا مطلب ہوگا کہ حشمت خان شریف آدمی ہے۔ وہ اس سے کوئی بھی فرضی بات کرکے معذرت کے ساتھ فون بند کردے۔" میں نے کہا۔

"شاید تم نتیجہ اخذ کرنے میں عجلت کررہے ہو۔ حشمت خان اپنے کمرے میں ہے۔ اس کا ہمدرد اور مخبر ارجن مرچکا ہے۔ ایسی مفروضہ صورت میں اسے پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ اس کے بارے میں کوئی چھان بین ہورہی ہے۔ یہ بات ابھی تک صرف ہم تینوں ہی جانتے ہیں۔ اس کارروائی سے کوئی اور اس وقت واقف ہوگا جب جلال وہ اندراج دکھا کر کسی سے تحریر کی تصدیق کرائے گا۔"

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ مشتبہ فرد کے فرار کے لیے صرف اتنی خبر ہی کافی تھی کہ ارجن کو ہوٹل میں مار دیا گیا تھا۔

اس وقت میرے لیے کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنا دشوار ہورہا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "تم یہیں بیٹھو۔ میں نچلے فلور پر ذرا حشمت خان کے کمرے کا دیدار کرکے آتا ہوں۔"

"اچھی تجویز ہے۔" وہ بولا "میں اکیلا یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"ہم دونوں میں سے کسی ایک کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "جلال یا تمہارا آدمی انٹر کام پر رابطے کی کوشش کرسکتا ہے۔ یہاں سے انہیں کوئی جواب نہ ملا تو وہ تشویش میں مبتلا ہوجائیں گے۔ صورت احوال واضح ہونے تک یہ ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان بنا ہوا ہے۔"

"بس دور سے جائزہ لے کر آجانا۔ کوئی نظر آجائے تو اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اول خان نے مجھے سمجھایا۔

میں نے مسکرا کر سر خم کیا اور ہاتھ ہلا کر کمرے سے نیچے اتر گیا۔

اپنے فلور سے تیسری منزل پر اترنے کے لیے میں نے لفٹ کے بجائے زینوں کا انتخاب کیا۔ قابلِ اعتبار اور سبک رفتار لفٹ سروس کی موجودگی میں کوئی بھی زینوں پر موجود نہیں تھا۔ میں نے سگریٹ پیتے ہوئے خراماں خراماں زینے طے کیے اور تیسری منزل پر پہنچ کر رہائشی کمروں والی خوب صورت راہداری کی طرف مڑ گیا۔

دوسرے کمروں کی طرح کمرا نمبر تین سو دس کا دروازہ بھی بند تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہینڈل پر گتے کا وہ مخصوص ٹیگ جھول رہا تھا جس پر نمایاں انگریزی حروف میں مخل نہ ہونے کی التجا کی گئی تھی۔ وہ ٹیگ ظاہر کررہا تھا کہ حشمت خان اس وقت اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ دروازے پر طبع آزمائی کروں اور کم از کم اس شریف آدمی کا دیدار ضرور کرلوں جو ارجن کے قتل سے بے پروا ہو کر اپنے کمرے میں آرام کررہا تھا اور ہم بلاوجہ اس کے بارے میں چھان بین کرتے پھر رہے تھے مگر میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔

وہ آرام کررہا تھا تو دروازے کا اندر سے مقفل ہونا ناگزیر تھا۔ دروازے پر ٹیگ لگا ہونے کے باوجود دستک دینا بد اخلاقی کے مترادف ہوتا۔ انٹر کام کی گھنٹیاں بجا کر اس شریف آدمی کو اطمینان سے جگایا جاسکتا تھا۔

میں نے اپنے گردو پیش کا جائزہ لیا اور راہداری کو ویران پاکر وہیں سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

تیسری منزل سے گراؤنڈ فلور پر اترنے کے لیے میں نے لفٹ کو ترجیح دی۔ تیسری منزل کے کمرے میں حشمت خان کی موجودگی کی علامات پاکر مجھے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ ہماری ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد رائگاں جاتی نظر آرہی تھی۔

میں نے ایک قطار میں، دیوار گیر کاؤنٹر پر لگے ہوئے انسٹرومنٹس میں سے ایک پر کمرے کا نمبر ملایا اور دھڑکتے ہوئے دل سے انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر وقفے وقفے سے گھنٹیاں بجنے لگیں۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ کہیں ارجن کی طرح اسے بھی خاموشی سے ہمیشہ کی نیند نہ سلا دیا گیا ہو۔

ٹیگ بتا رہا تھا کہ وہ کمرے میں آرام کررہا تھا۔ مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور تیزی سے لفٹ کی طرف ہولیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

لفٹ میں سوار ہوتے ہوئے میرا ارادہ براہِ راست حشمت خان کے کمرے کی طرف جانے کا تھا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لفٹ کے حرکت میں آنے تک میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ان نازک حالات میں میرا حشمت خان کے کمرے پر جانا قرینِ مصلحت نہیں تھا۔ جوش اور عجلت میں کام خراب بھی ہو سکتا تھا۔

حشمت ہوٹل کے کمرے میں تھا یا نہیں تھا اور اگر وہ کمرے میں تھا تو کس حال میں تھا کہ فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکی تھیں۔ وہ سوالات بہت اہم تھے۔ ان کے جوابات مل جانے سے کئی گتھیاں سلجھ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس میں جو کچھ ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا۔ اگر ہمیں وہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جاتی تو وہاں کی صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی تھی۔ حالات جوں کے توں رہتے۔

میں لفٹ میں سوار ہوتے ہی تیسری منزل کا بٹن دبا چکا تھا۔ لفٹ چند ثانیوں کے لیے اس فلور پر رکی۔ دروازہ کھل کر بند ہوا اور ذرا سی دیر میں' میں دوبارہ پانچویں منزل پر واقع' اول خان کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

اول خان بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی اس نے اپنی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"کچھ نہیں ہوا۔" میں نے نیم دلی سے اسے بتایا "کمرے کا دروازہ بند ہے اور اس کے ہینڈل پر نو ڈسٹربنس پلیز کا نمایاں ٹیگ جھول رہا ہے۔"

اول خان نے بے صبری سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "تم کو انٹر کام پر اسے چیک کرنا چاہیے۔ وہ کمرے میں موجود ہے تو فون ضرور اٹھائے گا۔"

"میری یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا "میں نے نچلے فلور سے فون کیا تھا' اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اسی فراق میں مجھے واپس آنے میں تاخیر ہوئی ہے۔ پتا نہیں یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ اسے بھی ارجن کمار کی طرح لمبے سفر پر روانہ کر دیا گیا ہو!" اول خان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ارجن کو [illegible] مارا گیا ہے۔ مجھ سے یعنی کرنل داور سے بات کرتے ہوئے اس سے ایک چوک ہو گئی تھی جس کا ازالہ ارجن کے قتل کے سوا کسی اور طرح نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بہت تیزی سے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ یہاں تک بات قابلِ فہم ہے مگر حشمت کا معاملہ مختلف ہے۔ ان لوگوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہے۔ ان کے متعدد ساتھی ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے مارے جا چکے ہیں۔ وہ خود بھی اتنی تیزی سے اپنے آدمیوں کا صفایا کرتے رہے تو پھر کام کس سے لیں گے۔ نک اور نام اپنے آرام دہ دفتروں میں بیٹھ کر بھیانک منصوبہ بندیاں کر سکتے ہیں لیکن میدان میں اترنا ان کے بس سے باہر ہے۔ فیلڈ ورک کے ذریعے کام کو آگے بڑھانے کے لیے انہیں مقامی کارندوں کی شدید ضرورت ہے۔ ارجن کا کانٹا صاف کر دینے کے بعد حشمت کے قتل کا کوئی واضح جواز نہیں رہا تھا۔"

"اب کم از کم یہ بات صاف ہو گئی کہ حشمت کوئی بے گناہ آدمی نہیں ہے بلکہ ان کا قریبی معاون اور مددگار ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام اور پتا درست نہیں ہے۔ فیصل آباد کے پتے پر ہم کسی حشمت خان کو دریافت نہیں کر سکیں گے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔"

وہ نکتہ میرے ذہن میں بھی چکرا رہا تھا لیکن اول خان مجھ سے پہلے وہ بات اپنی زبان پر لے آیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں سوچتا رہ گیا اور تم نے اپنے دل میں آنے والی بات کہہ ڈالی۔ مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے کہ اس کے کمرے کے دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ مغالطے میں ڈالنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے ورنہ وہ ہوٹل سے نکل چکا ہے۔"

"وہ نک اور نام کا آدمی ہے تو ارجن کے قتل کے بعد اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔" اس نے میری تائید کی۔

اس بارے میں اول خان سے مکمل کر بات کر لینے کے بعد میرے ذہن سے خلش دور ہو گئی۔ اب مسئلہ صرف اتنا رہ گیا تھا کہ اس بند کمرے کا دروازہ کھول کر اس اندازے کی تائید حاصل کی جائے۔

اول خان اس معاملے میں ایس ٹی ایف کے کردار کو پس منظر میں رکھنا چاہ رہا تھا۔ آئی بی والوں کی پالیسی میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ روز مرہ کے واقعات اور شہری پولیس کے دائرہ کار میں کبھی بے جا مداخلت نہیں کرتے تھے۔ میں نے ہوٹل کے رجسٹر کے بارے میں جلال کو یہ باور کرا دیا تھا کہ ارجن کے قتل کے معاملے میں تیزی سے کسی پیش قدمی کے لیے اس کا جائزہ لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ جلال نے اس ضرورت

Downloaded from https://paksociety.com

کا ادراک کرتے ہوئے خود میدان میں آکر وہ کام کر ڈالا تھا۔

رجسٹر کے دس صفحات کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لیے بھی اس نے اپنی وضع قطع میں نمایاں تبدیلی کر کے یہ اہتمام کرلیا تھا کہ ہوٹل میں اس کا کوئی شناسا افسر یا عملے کا کوئی رکن اسے آسانی سے شناخت نہ کرسکے۔ شاید اس نے صرف ڈی آئی جی کو اپنی شناخت کرانے کے بعد اپنا کام نکالا تھا۔ دوسرے افسران کو کانوں کان پتا نہیں چل سکا تھا کہ ارجن کے قتل کے معاملے میں یکایک آئی بی والوں نے بھی دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔

ڈی آئی جی کو اعتماد میں لے کر وہ خود پس پردہ رہتے ہوئے' حشمت کا بند کمرا بھی کھلوا سکتا تھا۔ ایک بار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ وہ ارجن کے قتل کے بعد ہوٹل سے فرار ہوچکا تھا تو پھر پورے زور و شور سے اس کی شناخت اور تلاش کی مہم شروع کی جاسکتی تھی۔

حشمت کے بارے میں ایک واضح امکان ذہن میں آجانے کے بعد میرے ذہن میں کچھ نقشہ جمنا شروع ہوگیا تھا۔

حشمت اور اس جیسے کچھ لوگ پاکستان کی سرزمین پر غیر ملکی سازشی قوتوں کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ حشمت کراچی کا کوئی معزز اور بارسوخ شہری تھا جو درپردہ ٹک اور نام سے ملا ہوا ہونے کے باوجود اپنے اصل روپ میں کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ شاید ارجن اسی کی دریافت تھا اور اسی کے ایما پر ٹک کے مقاصد اور مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔

حشمت کا اصل مسکن کہیں اور تھا۔ وہ ضرورت کے وقت اس ہوٹل میں آتا تھا اور ارجن کمار عزت اور احترام سے اس کے لیے کسی کمرے کا بندوبست کردیتا تھا۔ ان دونوں کی ملی بھگت کی وجہ سے ہوٹل میں کسی کی مجال نہیں رہی ہوگی کہ وہ حشمت سے اس کی شناخت کی تصدیق طلب کرسکے۔ وہ آتا' ہوٹل میں رہتا اور کچھ گنے چنے لوگوں سے کوبرا کے روپ میں مل کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا ہوگا۔

یہ اس کی چالاکی تھی کہ ارجن کے قتل کے بعد اس نے باضابطہ طور پر ہوٹل نہیں چھوڑا تھا۔ اس خوں ریزوارادات کے فوری بعد ہوٹل چھوڑنے والے مہمان پولیس کی تفتیش سرگرمیوں کی زد میں آسکتے تھے۔

اس نے ہوٹل کے عملے اور کسی غیر متوقع مہمان کو دھوکا دینے کے لیے اپنے کمرے کے دروازے کے ہینڈل میں ایک ٹیگ لٹکایا اور خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا۔

اول خان اپنی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور میں اسی معاملے پر مغز زنی کررہا تھا۔ کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مرحلے پر حشمت کے بند کمرے کو چھیڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ ارجن کے قتل کے بعد پہلی فرصت میں فرار ہوچکا تھا۔

وہ ہوٹل کے مستقل مہمانوں میں سے ایک تھا۔ دس صفحات پر مشتمل' چند روزہ ریکارڈ میں اس کی تین مرتبہ آمد کا اندراج تھا۔ وہ نہ جانے کب سے اس ہوٹل کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کررہا تھا۔ ہوٹل کے عملے میں ارجن اس کے اعتماد کا قریبی آدمی تھا جو مارا جاچکا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ ہوٹل کے نچلے عملے کے بہت سے افراد سے اس کے قریبی مراسم رہے ہوں گے۔ وہ فضا میں خطرے کی بو سونگھ کی فوری طور پر ہوٹل سے فرار ہوگیا تھا لیکن بعد میں یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ اس کے خاموشی سے فرار کے نتیجے میں ہوٹل میں کیا صورت حال پیش آئی تھی۔

ذرا سے انعام کے لالچ میں عملے کا کوئی بھی فرد اسے بعد میں پیش آنے والے واقعات سے پوری طرح آگاہ کرسکتا تھا۔

اگر اسے یہ پتا چل جاتا کہ اس کے کمرے کی خصوصی طور پر جانچ پڑتال کی گئی تھی تو وہ بہت زیادہ ہوشیار اور محتاط ہوجاتا۔ ہمارے لیے اس وقت بہترین حکمت عملی یہ تھی کہ اس کے کمرے کو مکمل طور پر نظرانداز کردیا جائے تاکہ حشمت ہمارے عزائم سے بالکل بے خبر رہ کر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ اس دوران میں ہوٹل کا عملہ اپنے روز مرہ کے معمول کے مطابق کسی نہ کسی وقت یہ پتا چلالیتا کہ کمرا نمبر تین سو دس میں ٹھہرا ہوا مہمان پراسرار انداز میں غائب ہوچکا ہے۔

ہوٹلوں کے کمروں میں اکیلے مہمانوں کا ٹھہرنا ایک معمول ہے۔ مہمانوں کو اپنی خلوت میں رہنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن مستقل طور پر دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ چند گھنٹوں بعد ہی فکور پر موجود روم سروس کے عملے کو حشمت کے کمرے کی طرف متوجہ کرسکتا تھا۔ اندر والے سے رابطہ قائم کرنے کی روایتی کوششوں میں ناکامی کے بعد ہوٹل والے یہی سوچ سکتے تھے کہ ان کا مہمان شاید علیل ہوکر اچانک اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ کسی بھی رابطے کی کوشش کا جواب دینے کا قابل نہیں رہا۔

ذمے داروں کی موجودگی میں متبادل چابی سے دروازہ

Downloaded from https://paksociety.com

کھولتے ہی یہ بات سامنے آجاتی کہ حشمت غائب ہو چکا تھا۔

جلال کے اثر و رسوخ کے ذریعے بات آگے بڑھانے سے کہیں زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ بات ہوٹل والوں کی طرف سے از خود سامنے لائی جاتی۔

میں نے اس بارے میں اول خان سے بات کی تو وہ تحسین آمیز انداز میں میری رائے سے متفق ہو گیا۔

"پھر ہم میں سے کسی کا یہاں رکنا بے سود ہے۔ تم جس مقصد کے لیے یہاں آئے تھے وہ حاصل کیا جا چکا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہوٹل کے ریکارڈ تک اس وقت رسائی بہت مشکل تھی اس لیے میں خود یہاں آیا تھا لیکن ایس ٹی ایف کا نام استعمال کیے بغیر یہ بات بنی مشکل تھی۔"

میں نے ہنستے ہوئے اس کی بات اڑا دی "چلو' یہ کام جلال نے آسان کر دیا۔ اس بہانے یہاں ہم تینوں کی ملاقات بھی ہو گئی۔"

"فوری طور پر کمرا چھوڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دو دن کا پیشگی کرایہ دیا ہے۔ میرے بعد میرا آدمی یہ کمرا سنبھال لے گا۔" اس نے مجھ سے تائید چاہی۔

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ کسی نہ کسی کو یہاں رہنا چاہیے تاکہ ہم حشمت کے کمرے میں پیش آنے والی آخری صورت حال سے واقف ہو سکیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے ننانوے فیصد یقین ہے کہ وہ بھاگ چکا ہے لیکن ایک فیصد شبہ ہے کہ کہیں اسے کمرے میں ہی نہ مار دیا گیا ہو۔"

"اس وہم کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ اس وقت اس کا سایہ بھی اس ہوٹل میں موجود نہیں ہے۔"

چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو جلال سامنے کھڑا عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"مبارک ہو!" دروازہ بند ہو جانے کے بعد اس نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تمہاری بھاگ دوڑ ضائع نہیں ہوئی۔ تم نے اس معاملے پر خاصی عرق ریزی سے کام کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ تحریر ارجن کی ثابت ہوئی ہے۔"

مجھے پہلے سے اس خبر کی توقع تھی لیکن جلال کی زبان سے وہ کلمات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔

کچھ دیر پہلے جب میں نے کرنل داور بن کرنک سے بات کی تھی تو ہمارے سامنے کوبرا کے سوا کوئی نام نہیں تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کے منیجر کے عہدے اور کوبرا کے لقب سے شروع ہونے والی بات کے محض دو گھنٹے بعد ارجن کی لاش اور حشمت کا نام ہمارے سامنے آچکا تھا۔

بن ڈیوڈ کی موت کے بعد ہم خود کو جس بند گلی میں محسوس کر رہے تھے اس سے نکلنے اور کچھ پیش رفت کرنے کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ سراغ سامنے آچکے تھے۔ سلمٰی نے تل والی لڑکی کی جو کہانی سنائی تھی اس پر یقین نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ میں نے سلمٰی سے اس گفتگو کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کیے تھے اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس بے کس اور ضرورت مند لڑکی نے ممنونیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر سلمٰی کو ہر بات درست بتائی تھی۔

اس کے بیان کی صحت پر اعتبار کر لینے کے بعد میرے لیے وہ آدمی بہت اہم ہو گیا تھا جس نے تل والی لڑکی کو ایک ہزار روپے کے عوض جہانگیر کے فلیٹ میں جانے اور کچھ مخصوص معلومات جمع کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ عام سی متوسط قامت اور سانولے رنگ کے باوجود اسے اپنی پیشانی پر موجود' زخم کے پرانے نشان کی بدولت ہزاروں کی بھیڑ میں الگ سے پہچانا جا سکتا تھا۔

میرے لیے ان سب سے زیادہ اہم سوبھراج کا نام تھا جو نیلی ڈاج کے حوالے سے سامنے آیا تھا۔ چوپڑا نے برنشدد تفتیش کے دوران اس کی عزت اور اعتبار کی کہانی سنائی تھی مگر سوبھراج کے مجرمانہ ماضی اور اس کے اس وقت کے کردار کی روشنی میں میرے لیے اس کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ بکھرے ہوئے سراغ تھے جو رہ رہ کر میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ میرا وجدان مجھے بتا رہا تھا کہ ان کے درمیان آپس میں کہیں نہ کہیں گہرا تعلق موجود تھا مگر عملی طور پر میں بالکل اندھیرے میں تھا۔

جلال اور اول خان ٹھوس عملی دنیا کے آدمی تھے۔ وہ مضبوط مفروضوں اور قیاسات پر بھی کام کرتے تھے مگر میں نے سوبھراج کے بارے میں اس وقت اپنی زبان کو بند رکھنا ہی بہتر سمجھا۔

"اب یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ اس ہوٹل میں ارجن کا خاص مہمان حشمت ہی ہوا کرتا تھا۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" جلال نے اعتراف کیا "ہمیں کام کرنے کے لیے ایک سمت مل گئی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ارجن کی تحریر کی تصدیق کے چکر میں یہ بات ہوٹل کے عملے میں پھیل گئی ہوگی کہ حشمت کی آمد کا اندراج ارجن خود کیا کرتا تھا۔" میں اس معاملے کو ایک دوسرے زاویے سے بھی دیکھ رہا تھا۔

"بات پھیل جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔" جلال نے برجستہ جواب دیا "اس وقت ساری اہمیت رازداری کی ہے۔ ہوٹل میں حشمت کے دوسرے روابط بھی ہوں گے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ اس کی ذات شبہات کی زد میں آگئی ہے تو وہ زیرِ زمین چلا جائے گا اور ہم بھٹکتے رہ جائیں گے۔"

"تمہارے آنے سے پہلے ڈینی نے بالکل یہی بات ذرا دوسرے الفاظ میں کہی تھی۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا۔

"کیوں؟ تم کیا سوچ رہے تھے؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"حشمت کے دروازے پر ٹو ڈسٹربنس کا ٹیگ جھول رہا ہے اور فون پر جواب نہیں مل رہا۔"

"ارجن کے قتل کے بعد اسے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹکنا چاہیے تھا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا ہوگا۔" جلال نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"پہلے میرا خیال تھا کہ اس کا کمرا کھلوا دیا جائے لیکن اس طرح بات پھیل جاتی۔" میں نے اپنی بات خود ہی دہرا دی "ہمیں انتظار کرنا ہوگا کہ ہوٹل کا عملہ اس بند کمرے کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے۔"

"کمال ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا "ادھر تم یہ سوچ رہے تھے اور میں بھی اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا۔ ڈی آئی جی نے میری بات سنتے ہی' تحریر کی شناخت کے لیے ڈیوٹی کلرک کو بلا کر پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا مگر پھر میری بات سے متفق ہوگیا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ خود اپنی بات پوری کرے گا مگر جب اس کی خاموشی کا وقفہ طویل ہوگیا تو اول خان مضطرب ہو کر بول پڑا "پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ تحریر ارجن کی ہے۔"

"ارجن کی درازوں اور فائلوں میں اس کی بہت سی تحریریں تھیں۔ ان سے موازنے کے بعد کسی سے مزید پوچھ گچھ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔" جلال نے اطمینان سے جواب دیا۔

جلال کی محتاط روی کی وجہ سے وہ نکتہ صرف ڈی آئی جی کی ذات تک محدود رہا۔ جلال نے یہ بات اس کے ذہن میں ڈال دی کہ حشمت کا ارجن کے قتل سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رہا ہوگا۔

پولیس کے محکمے کے لیے وہ قتل کی ایک الجھی ہوئی اور پراسرار واردات تھی جس کے سر پیر کا کوئی سرا سامنے نہیں تھا۔ جلال نے بھی ڈی آئی جی کے لیے اس گتھی کو سلجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس قتل کے پس منظر میں موجودہ حالات و واقعات کا صیغہ راز میں رہنا ہی سب کے مفاد میں تھا۔ اسی طرح حشمت کے کمرے کو چھیڑنا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ میرے خیال کی بازگشت تھی۔

ڈی آئی جی کے ذہن میں یہ منطقی سوال ابھرا تھا کہ آئی بی کے ایک ذمے دار افسر کو ارجن کے قتل میں یکایک کیوں دلچسپی ہوگئی تھی۔ جلال ایسے سوالات کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا کہ شہر کے ایک مشہور ہوٹل میں ارجن کے دیدہ دلیرانہ قتل کی خبر سن کر اس کے ذہن میں اس شبے نے سر ابھارا تھا کہ اس واقعے میں کہیں را کے تعصبی کی کوئی کڑی ملوث نہ ہو۔ وہ دوڑا ہوا ہوٹل چلا آیا تاکہ ذاتی طور پر واقعات سے آگاہی حاصل کرسکے۔

یہ بات ڈی آئی جی بھی جانتا تھا کہ ابتدائی طور پر وہ معاملہ بھارتی سیکرٹ سروس سے متعلق نظر آیا تو وہ کیس چند ہی روز میں پولیس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور پھر انہیں آخر تک کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ آئی بی والوں نے مجرموں کا کیا حشر کیا۔

جلال نے اپنا کردار بہت خوش اسلوبی اور تیزی سے نبھایا تھا۔ اسے نظریہ ضرورت کے تحت اپنے سر میں چپڑے ہوئے تیل سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے ہم دونوں سے ہمارے اگلے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا اور پھر کمرے سے رخصت ہوگیا۔

"تم اپنے آدمی کو یہ کمرا کب سونپو گے؟" جلال کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"تمہارے جاتے ہی میں اسے یہاں بلالوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری روانگی کا انتظار کررہے ہو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تم چاہو تو بیٹھے رہو۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر بعد میں بھی چل دوں گا۔ دراصل تمہاری موجودگی میں میرے آدمی جھجکتے ہیں یا کھل کر بات کرنے سے خائف رہتے ہیں۔ تخلیے میں میرا آدمی مجھ سے بے تکلفی سے ہر بے تکی بات بھی پوچھ لے گا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ کام کے بارے میں میری اپنے اسٹاف سے کافی بے تکلفی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان کی وہ وضاحت ضرورت سے زیادہ کافی تھی۔ میں نے خندہ پیشانی سے اسے الوداع کہہ دیا۔

○*○

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اس چکر میں کچھ اور ہو یا نہ ہو' جہانگیر مفت میں مارا جائے گا۔" ویرا برا سا منہ بنا کر بولی۔

اس وقت ان تینوں کے سروں پر سب سے زیادہ اسی کی فکر سوار تھی۔ سلمٰی ہمارے گھر زیادہ فون نہیں کرتی تھی۔ غزالہ نے لاکھ کوشش کی کہ سلمٰی اسے کچھ بتادے۔ جب وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوئی اور مجھ ہی سے بات کرنے پر اڑی رہی تو غزالہ نے مجبور ہو کر اسے میرے موبائل فون کا نمبر دے دیا۔

وہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ میری واپسی تک وہ تینوں ذہنی طور پر اسی میں الجھے رہے۔ ان کے لیے جہانگیر کی سلامتی' ارجن کے قتل سے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے میرے گھر پہنچتے ہی' سب سے پہلے اسی کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔

"اسے دانستہ نظرانداز نہیں کیا جارہا۔" میں نے تحمل سے کہا "اس کی حفاظت کے لیے ایس ٹی ایف کا ایک مسلح محافظ دن رات وہاں موجود رہتا ہے۔"

"کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہارا پالا کن لوگوں سے پڑا ہوا ہے۔ وہ آنکھ سے سرمہ چرالے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" ویرا اسی تیکھے انداز میں بولی "اول خان کا آدمی نیچے اپنی ڈیوٹی پر بیٹھا رہ جائے گا اور وہ اوپر جاکر اپنا کام کر گزریں گے۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں کہ بیٹھے رہ جائیں۔" سلطان شاہ نے ترشی سے اسے جواب دیا۔

"ڈیٹی کے آنے سے پہلے تم اتنے بولائے ہوئے تھے کہ جہانگیر کے گھر جاکر صورت حال کا جائزہ لینے پر تلے ہوئے تھے اور اب ڈیٹی کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صورت دیکھتے ہی تمہارے فرشتے کوچ کرجاتے ہیں۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہاری نیلی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔ انہیں خوب صورت ہی رہنے دو۔ ان کا حلیہ نہ بگاڑو۔"

"میں کہتی ہوں کہ اسے کمزور چارہ سمجھ کر ان کے دو چار آدمی پوری تیاری کے ساتھ وہاں آئے تو وہ اکیلا آدمی ان کا کیا بگاڑ لے گا!" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ اس وقت اس کے ہر سوال کا رخ صرف اور صرف میری طرف تھا۔

"وہ دو چار آدمی کہاں سے لائیں گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "تمہیں علم نہیں ہے کہ پچھلے چند روز میں ان کے کتنے آدمی جہنم واصل ہو چکے ہیں۔"

"چھ تو مجھے زبانی یاد ہیں۔" سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر میری ہم نوائی کی "چار راؤ والے مارے گئے۔ پانچواں نیلی ڈاج کا ڈرائیور تھا۔ بن ڈیوڈ کے مرنے کے ساتھ یہ تعداد چھ تک پہنچ گئی۔ ساتواں چوہڑا تھا جو آئی بی کی قید میں ہے۔"

"تم ان پر بلاوجہ مشتعل ہو رہی ہو۔" غزالہ نے بھی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "جہانگیر اور سلمٰی کی حفاظت کے لیے سب کچھ کیا جارہا ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ان انتظامات کو مزید بہتر اور مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا جارحانہ انداز میں اپنے صوفے پر قدرے آگے سرک آئی "مجھے بتاؤ کہ اس کے لیے مزید کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس قحط الرجال ہے۔ ایس ٹی ایف کے پاس افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں۔ وہاں فوری طور پر آدمیوں کی تعداد بڑھائی جاسکتی ہے مگر ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہارے سر پر یکایک یہ بخار کیوں سوار ہوگیا۔"

"تمہارے آنے سے پہلے میں اور میرے ساتھ تمہارے یہ دونوں چیتے بھی جہانگیر کے بارے میں فکرمند تھے۔ تم نے اپنی کہانی سنا کر میری اس فکر کو تشویش میں بدل دیا ہے۔"

"میں نے تمہیں ایسی کون سی بات بتادی جس نے تمہارے تفکرات میں یکایک اضافہ کردیا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس تل والی لڑکی کا دوبارہ سلمٰی سے ٹکرانا خطرے کی گھنٹی ہے۔ کیا تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے؟"

"میں نے اس بارے میں سلمٰی پر باقاعدہ جرح کی ہے۔ وہ سلمٰی کی طرف نہیں آئی تھی۔ سلمٰی نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا تھا۔"

"یہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ گھر میں گھسنے کے بعد اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ وہ دوبارہ ٹکراؤ کی امید میں انہی اطراف میں منڈلا رہی ہے۔"

"یہ تمہارے معدے کی گرانی کے اثرات ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "وہ آسودہ حال لوگوں کا گنجان آباد علاقہ ہے۔ ہر اونچی بلڈنگ میں دسیوں خوش حال خاندان رہتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ وہ گھر گھر گھوم پھر کر وہاں کچھ نہ کچھ بیچ لیتی ہے۔ مجھے اس لڑکی کی سچائی پر پورا بھروسا ہے۔"

"وہ لڑکی سچی ہے اور میں جھوٹی ہوں۔" ویرا تنک کر بے ساختہ بولی۔

"تم بلاوجہ خود کو اس سے ملا رہی ہو۔" ویرا کی بات پر غزالہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "وہ ایک راہ چلتی لڑکی تھی جسے معاوضہ دے کر ایک مذموم مقصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ تم گھر کی ایک فرد اور جہانگیر کی خیر خواہ ہو۔ تمہارا اور اس کا کیا مقابلہ ہے۔"

"سلمٰی عقل سے کوری اور بالکل ڈفر ہے۔" ویرا بولی "وہ لڑکی دوسری مرتبہ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک ہزار روپے میں پرفیوم کے نام پر خوشبودار اسپرٹ کی دو شیشیاں تھما کر چلی گئی۔ میں سلمٰی کے کسی مشاہدے یا تبصرے پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

مجھے اندازہ ہوا کہ ویرا کو سارا غصہ سلمٰی پر تھا جس نے غزالہ کو کچھ نہ بتا کر ان تینوں کو ذہنی کوفت اور الجھن میں مبتلا کیے رکھا۔ وہ شاید یہ توقع بھی کر رہی ہوگی کہ قتل والی مشتبہ لڑکی کو دوسری بار دیکھتے ہی، سلمٰی کو اسے چوٹی سے پکڑ کر کسی تھانے میں پہنچا دینا چاہیے تھا۔ سلمٰی اس لڑکی کے ساتھ وہ سلوک نہ بھی کرتی تو اسے لڑکی کو دو چار ہاتھ ہی جھاڑ دینے چاہیے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ سلمٰی اس کے برعکس ایک مشرقی عورت تھی۔ ایک تعلیم یافتہ مشرقی عورت ہاتھا پائی کو اپنی توہین تصور کرتی ہے۔ اس کی نظروں میں سلمٰی کا یہ جرم کم نہیں تھا کہ اس نے لڑکی سے ہمدردانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے اپنی گاڑی میں کچھ دور تک لفٹ دی تھی۔

وہ رائے قائم کرتے ہی میں نے موضوع بدل دینے کا فیصلہ کر لیا اور کہا "اب اس منحوس لڑکی کو جہنم میں ڈالو۔ اس کے ذکر سے تم بلاوجہ چڑ رہی ہو۔ میں سلمٰی کو مشورہ دوں گا کہ وہ لڑکی اب کہیں نظر آئے تو اسے چوٹی سے پکڑ کر کسی قریبی پولیس والے کے حوالے کر دے۔"

"پولیس والے اپنی حرکتوں کی وجہ سے بہت بدنام ہیں لیکن کسی کی فرمائش پر راہ چلتوں کو یوں نہیں پکڑتے۔" میں وہ مصالحانہ بات کہتے ہوئے یہ نکتہ فراموش کر گیا تھا کہ سلطان شاہ بھی ہمارے ساتھ موجود تھا۔ ویرا کو مزید سلگانے کے لیے اس کا اختلاف رائے ضروری تھا۔

"وہ فراڈ ہے۔ گھروں کی مخبری کرتی ہے اور جعلی چیزیں بیچتی پھرتی ہے۔" مجھے اپنا ہم نوا پا کر ویرا کا لہجہ نرم پڑ گیا تھا۔

"یہ سب الزامات میرے ذہن میں ہیں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا "اور کچھ نہیں تو یہی ایک بہتان کافی ہوگا کہ اس نے سلمٰی سے اس کا پرس جھپٹنے کی کوشش کی تھی۔"

"ویری گڈ!" ویرا کی آنکھیں مسرت سے پہلے انھیں "اسے کسی تھانے کے لاک اپ میں پہنچانے کے لیے یہی ایک الزام سب سے بہتر اور کافی ثابت ہوگا۔ وہ ایک مرتبہ تھانے میں پہنچ گئی تو پھر فر فر اپنے سارے کرتوت اگلنا شروع کر دے گی۔"

"اس لڑکی کے چکر میں ہم نے ابھی تک ارجن اور حشمت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی!" غزالہ نے ٹوکا۔

"ارجن مردہ خانے میں پہنچ چکا ہے۔ حشمت چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔" ویرا بولی۔

"یہ نہ بھولو کہ ہوٹل میں جو کچھ ہوا وہ تنک کے اشارے پر ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"تنک سے ایک بار غلطی ہو گئی کہ اس نے ڈبی کو ہوٹل کے منیجر کے بارے میں بتا دیا۔ دوبارہ وہ ایسی فاش غلطی نہیں کرے گا۔ ہمیں اپنے طور پر حشمت کے گریبان تک پہنچنا ہوگا۔ وہ بتائے گا کہ اس کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔" ویرا کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ وہ سکون سے بات کر رہی تھی۔

میں اس بارے میں راستے بھر مغز سوزی کرتا رہا تھا اس لیے خاموشی سے بیٹھا سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ ان تینوں کی آپس کی باتوں سے بھی کام کا کوئی نکتہ ابھر کر سامنے آسکتا ہے۔

"اس بارے میں فی الحال کیا کیا جا سکتا ہے!" غزالہ بولی "تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا بتا رہے تھے۔ اول خان اور جلال اس وقت اپنے اپنے محکموں کو الگ تھلگ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ ارجن کا قتل زبردستی پولیس کے گلے پڑ گیا ہے۔ ان بے چاروں کو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ ڈی آئی جی کو حشمت کے بارے میں بتا دیا گیا ہے لیکن پولیس والے اس کے کمرے کا رخ نہیں کریں گے۔ جب تک ہوٹل والوں کی طرف سے حشمت کے غائب ہونے کی خبر سامنے نہیں آتی، اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ غزالہ نے کام کی بریات ذہن نشین کی ہوئی تھی۔ اس وقت کی صحیح پوزیشن یہی تھی کہ ہم حشمت کے بارے میں کوئی کام کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس کو محکمہ جاتی اور میری گہری دلچسپی سے بے خبر رکھنے کے لیے وہ احتیاط ضروری تھی۔

"اگر ہوٹل کے عملے نے چار دن تک وہ کمرا نہیں کھولا

Downloaded from https://paksociety.com

تو ہم یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے!" ویرا نے فکرمندانہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"وہ کوئی بھنگڑ خانہ نہیں' فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ روز صبح ہر کمرے کی صفائی ہوتی ہے۔ چادریں اور تولیے وغیرہ بدلے جاتے ہیں۔ افراتفری میں آج کوئی ادھر متوجہ نہ ہوا تو زیادہ سے زیادہ صبح تک بات کھل جائے گی۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

"تم حشمت کے بارے میں کیا کرنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے ویرا سے پوچھا۔

"ایک بار اس کی کوئی واضح شناخت سامنے آجائے تو پھر اسے شہر میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"لاکھوں کی آبادی والے شہر میں ایک فرد کو تلاش کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" غزالہ نے اسے جتایا۔

"وہ بن ڈیوڈ سے زیادہ پراسرار نہیں ہوسکتا۔ کوبرا اس کا خفیہ روپ ہوسکتا ہے جس سے صرف ارجن واقف تھا۔ حشمت خان کے روپ میں اسے ہوٹل کے بہتیرے ملازموں نے دیکھا ہوگا۔ جب کام شروع ہوتا ہے تو کڑیاں سامنے آنے لگتی ہیں۔ ہم بن ڈیوڈ یا آئی مین تک پہنچ گئے تھے تو حشمت کا سراغ بھی مل ہی جائے گا۔"

ویرا کی وہ پرامیدی حوصلہ افزا تھی لیکن وہ حشمت اور بن کا غلط موازنہ کررہی تھی۔ بن امریکی نژاد تھا۔ شہر میں اس کے گنے چنے روابط تھے جبکہ حشمت اپنے نام سے مقامی معلوم ہوتا تھا۔ اس امر میں مجھے کوئی شبہ نہیں تھا کہ حشمت کے تک سے براہِ راست روابط رہے ہوں گے لیکن اسے مقامی ہونے کا بہت بڑا فائدہ حاصل تھا۔ ویرا کی اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ایک مرتبہ کام شروع کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی سرا ہمارے ہاتھ آسکتا تھا۔

"بن اور حشمت میں بہت فرق ہے۔" سلطان شاہ ویرا کو ناصحانہ انداز میں سمجھا رہا تھا "بن شروع سے آخر تک پناہ گاہوں کی تلاش میں بھٹکتا رہا اور امریکی قونصل خانے سے نکالے جانے کے بعد اسی چکر میں بی نائین کے جال میں آ پھنسا اور مارا گیا۔ حشمت کا کیس مختلف ہے۔ وہ ہوٹل سے فرار ہوکر آرام سے اپنے گھر میں گھس کر بیٹھ گیا ہوگا۔ اسے کوئی جلدی نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر بیٹھ کر آرام سے مطلع صاف ہونے کا انتظار کرے گا۔"

"وہ پاتال میں بھی چھپ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا "میں نے بہت طویل مجرمانہ زندگی گزاری ہے۔ اس کا نچوڑ یہ ہے کہ کوئی جرم بے داغ نہیں ہوتا۔ ہر مجرم سے کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہوتی ہے اور وہی اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔"

"تم اپنے انجام سے بچی ہوئی ہو۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہیں کہ تمہارا ہر جرم مکمل اور بے داغ ہوا کرتا تھا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "میری کہی ہوئی ہر بات میں تم کیڑے تلاش کرنے بیٹھ جاتے ہو۔ میں نے اپنے جرائم کی بہت سی سزائیں بھگتی ہیں۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سزا کے لیے پولیس اور جیل کا دخل ضروری ہو۔ قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کی مسلط کی ہوئی سزائیں بہت دردناک ہوتی ہیں۔ میری بعض غلطیوں کا خمیازہ شی نے بھگتا تھا اور کئی بڑے مالی نقصان اٹھائے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے ماضی سے تائب ہوکر اب شاید اس کا ازالہ کررہی ہوں۔"

"اس وقت مجھے تمہاری باتیں سن کر خوشی ہوئی ہے۔" غزالہ نے بے ساختہ کہا "آج سے پہلے تم ہمیشہ اپنے ماضی کا ذکر فخریہ انداز میں کرتی رہی ہو۔"

"اس ماضی کی اپنی شان و شوکت تھی۔ جب میں یہ سوچتی ہوں کہ شی کے کارندوں پر میری کتنی ہیبت تھی تو میں جذبات کے ریلے میں بہہ جاتی ہوں۔"

"اب تم پھر بہک رہی ہو۔" سلطان شاہ بولا "ہم حشمت کی باتیں کررہے تھے اور تم نے اپنے ماضی کا ذکر نکال لیا۔"

ہم چاروں کے درمیان باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایس ٹی ایف کا سپاہی ابرار کچن میں مصروف تھا۔ دین محمد نامی دوسرا سپاہی چھت پر پہرا دے رہا تھا۔

کچن کی ذمے داریوں سے نجات مل جانے کے بعد ویرا اور غزالہ کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ مجھے غزالہ کو بے تکان باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ وہ ماضی قریب میں رونما ہونے والے ہر واقعے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ امور خانہ داری میں مصروف رہنے کی وجہ سے وہ ہماری باتوں سے بے خبر رہتی ہوگی لیکن اس کی بھرپور معلومات سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے کان ہر وقت گھر میں ہونے والی باتوں پر لگے رہتے تھے۔

ہم چاروں کو میز پر قرینے سے کھانا سرو کرنے کے بعد ابرار نے برتن سمیٹے' کچن میں بیٹھ کر اپنی شکم پری کی اور پھر ٹرے میں اپنے ساتھی کے لیے کھانا لے کر چھت پر چلا گیا تاکہ دین محمد کے کھانا کھانے کے دوران میں خود گھر کے قرب

Downloaded from Paksociety.com

وجوار پر نظر رکھ سکے۔

میرے اصرار کے باوجود ان دونوں میں سے کسی نے نچلی منزل کے خالی بیڈ روم میں رہنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ وہ دونوں اپنے مختصر اسباب سمیت چھت کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ تاکہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزار سکیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ دوبارہ ڈرائنگ روم میں جم گئے۔ حشمت کی ذات اور ہوٹل میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا تھا اس لیے اِدھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں جن کا رخ بتدریج عالمی سیاست کی طرف ہوتا چلا گیا۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ ارجن کے ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس کا معما یکایک حل ہوگیا تھا۔

حشمت اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ بہت چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ مقفل کرکے اس پر ٹیگ لٹکایا اور ہوٹل میں پولیس کی آمد سے پہلے ہی اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر دے کر ہوٹل سے نکل گیا۔ وہاں ارجن کے قتل سے پیدا ہونے والی افراتفری میں کسی نے دھیان نہیں دیا کہ کون کون ہوٹل سے نکل گیا تھا۔ وہ عقدہ حشمت نے خود ہی ہوٹل فون کرکے حل کیا تھا۔ اس نے کلرک کو بتایا کہ وہ ایک ضروری کام کی وجہ سے ہوٹل چھوڑ کر فیصل آباد واپس جاچکا تھا۔ اس کے کمرے کی چابی ہوٹل کے کی بورڈ پر موجود ہونی چاہیے تھی۔ اس کی پیشگی ادا کی ہوئی رقم میں سے ہوٹل کے واجبات وضع کرکے اس کا حساب بے باق کردیا جائے۔ اپنی بقایا رقم وہ اگلی آمد کے موقع پر وصول کرلے گا۔

"وہ ضرورت سے زیادہ چالاک اور مکار ہے۔" میں نے وہ کتھا سننے کے بعد فضیلی آواز میں کہا "ہوٹل کا عملہ اس کے غائب ہونے کا معاملہ دریافت کرتا تو اس کی ذات بری طرح شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی اور ہر طرف سے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہوجاتیں۔ خود فون کرکے اس نے ہر قیاس آرائی کی راہ مسدود کردی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" اول خان کی طرف سے جواب آیا "ارجن کے قتل کے بعد ہوٹل والے بہت مستعد ہوگئے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر بھی دیکھ بھال شروع کردی تھی۔ حشمت کے کمرے کے دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ ان کی نظروں میں آگیا تھا مگر کسی نے بورڈ پر اس کمرے کی چابی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ہوٹل میں بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ حشمت کی ارجن سے گہری دوستی تھی۔ وہ جب بھی آتا تھا' دوسروں سے دعا سلام کرتا ہوا سیدھا ارجن کے دفتر میں جاتا تھا۔ اس کا سارا حساب کتاب وہیں ہوتا تھا۔

"ہوٹل کے عملے سے پہلے یہ باتیں میرے اور تمہارے علم میں ہیں۔"

"وہ لوگ ارجن کے قتل کے بعد اس کے ایک گہرے دوست کی یوں واپسی کو غیر معمولی قرار دے رہے ہیں اسی لیے انہوں نے حشمت کے فون کی رپورٹ پولیس کو دی ہے۔ جلال کی تاکید کی وجہ سے پولیس والوں نے ہوٹل کے عملے کو حشمت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔"

"اوہ! یہ بہت اچھا ہوا۔ ہوٹل کی انتظامیہ میری توقع سے زیادہ ذہین ثابت ہوئی ہے۔ حشمت بکواس کرتا ہے۔ اس کا فیصل آباد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کے کسی علاقے کا باسی ہے۔ اسے اب تک یہ خبر مل چکی ہوگی کہ ہوٹل والوں نے اس کے فون کے بعد پولیس کو اپنے اعتماد میں لے لیا ہے۔"

"ہم اسی انتظار میں تھے کہ یہ بات ہوٹل والوں کی طرف سے باہر نکلے اور یہ ہوچکا ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو۔"

"بس' اپنا کام شروع کردو۔ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات درکار ہیں۔ تاکہ ہم جلد از جلد اس تک پہنچ سکیں۔" میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا لیکن تم سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا۔

اول خان سے بات ختم کرکے میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس مرتبہ جلال لائن پر تھا۔

"کیا بات ہے؟ کافی دیر سے کوشش کررہا ہوں مگر تمہارا فون مصروف تھا۔" جلال نے لائن ملتے ہی شکوہ کیا۔

"اول خان سے بات ہورہی تھی۔ تم نے میرا موبائل نمبر لالیا ہوتا۔" میں نے کہا۔

"تم مصروف تھے تو موبائل نمبر لانے سے کیا فائدہ تھا۔ ویسے مجھے اس کا دھیان نہیں آیا ورنہ کوشش ضرور کرتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات تمہارے سامنے آئی ہے جو مجھ سے بات کرنے کے لیے اتنے بے چین ہورہے تھے۔"

"بات نہیں' باتیں کہو۔ پہلی یہ کہ سوہراج وی وی آئی پی ہے۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"کیا بہت زیادہ اہم افراد کو ہر فعل کی کھلی آزادی حاصل ہے!" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

"تم میری بات نہیں سمجھے۔" جلال نے وضاحت کی "یہاں کوئی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ قابل تعزیر جرم پر ہر ایک کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے مگر میں سوبھراج کے خلاف اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس فہرست میں شامل افراد کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لیے اوپر کی منظوری ضروری ہوتی ہے۔"

"اور دوسری بات کیا ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"سیٹ لائٹ فون یہاں نایاب ہیں۔ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت اس کا لائسنس ہونا چاہیے۔ سننے میں آیا ہے کہ سوبھراج جنوبی کوریا سے ایک سیٹ لائٹ فون لایا ہے جو اس کے خفیہ اور ذاتی استعمال میں رہتا ہے۔ مقامی لائنوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ شاید صحیح سمت میں پہلا سراغ ہے۔" اس کی پوری بات سن کر میں نے طمانیت سے کہا "نک نے کہا تھا کہ گوبرا سے سیٹ لائٹ فون پر ہر وقت میرا رابطہ ہوسکے گا۔"

"مجھے یاد ہے۔ اسی لیے میں اس بات کی تصدیق یا تردید کے چکر میں لگا ہوا تھا۔"

"تو کیا سوبھراج ہی حشمت بن کر ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ایک معروف آدمی ہے۔ ہر جگہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ ایسی حماقت نہیں کرسکتا۔" جلال کی تفکر آمیز آواز سے بے اعتباری مترشح تھی "اب اسے تم لوگوں کو ہی دیکھنا ہوگا۔ میں صبح کی پرواز سے اسلام آباد واپس جارہا ہوں۔ وہاں میری ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس نازک مرحلے پر جلال کی اچانک واپسی معنی خیز تھی۔ وہ خیال نہایت لچر اور بودا تھا کہ سوبھراج یا اس کے کسی ساتھی کا آئی بی پر اتنا اثر و نفوذ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے کسی ذمے دار افسر کو کسی شہر سے روانگی پر مجبور کرسکے۔ میں جلال سے براہ راست کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا البتہ اس کے لہجے سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس کی واپسی محض ایک اتفاق تھی۔

"اس بار تم کراچی میں کافی دن رہے ہو۔ مجھے تمہاری عادت سی ہوگئی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بس کچھ نہ کچھ چکر چلتے ہی رہے۔ شاید پانچ چھ مرتبہ مجھے اپنی کنفرمڈ سیٹ چھوڑنی پڑی۔ حالات سازگار رہتے تو شاید میں بہت پہلے لوٹ گیا ہوتا۔"

"حالات تو اب بھی سازگار نہیں ہیں مگر تم جارہے ہو۔" مجھے نرم ترین الفاظ میں اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔

"ڈینی! سمجھا کرو۔ اسلام آباد میں ہمارا صدر دفتر ہے۔ میں غیر معینہ مدت کے لیے وہاں سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ وہاں میرے لیے کام کا ایک انبار جمع ہوچکا ہوگا۔ دہلی سے تم جو فائلیں اڑا کر لائے تھے' ان کی بنیاد پر فراہم کی جانے والی کلاسی فائیڈ اطلاعات نے نیپال والوں کو پریشان کردیا ہے۔ ان کی ایک اعلیٰ اختیاراتی ٹیم چار دن سے اسلام آباد میں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ نیپال کے خلاف بھارتی سازشوں کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہیں۔"

"مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ میری لائی ہوئی وہ فائلیں کسی انبار میں دفن ہوچکی ہوں گی۔ تمہاری زبان سے ان کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"میں پہلے بھی تمہیں بتاچکا ہوں کہ ان فائلوں پر بہت محنت کی جارہی ہے۔"

"تم نے بتایا تھا۔" میں نے اقرار کیا "سب کام بہت خفیہ رکھا جارہا ہے۔ اس بارے میں کوئی خبر سامنے نہیں آتی۔ شاید اس لیے مجھے کبھی کبھی بدگمانی ہونے لگتی ہے۔"

"پاکستانی بہت سی خرابیوں کا شکار ہیں۔ افسر شاہی میں کرپشن کے دور دور تک شعبے ہیں لیکن تم یقین کرو کہ سب افسر اور تھکے ایک جیسے نہیں ہیں۔" اس نے دردمندانہ لہجے میں مجھے تسلی دی "بعض لوگ تو اس ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جنون میں مبتلا ہیں اور دن رات کام میں لگے رہتے ہیں۔ کام ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا۔"

بھارت میں را کے دفاتر سے لائے جانے والے ریکارڈ کے بارے میں وہ اس کی پہلی مضبوط یقین دہانی تھی۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ہمارے درمیان چند الوداعی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ وہ اگلی صبح شہر چھوڑ رہا تھا۔ میں نے اسے خوشگوار فضائی سفر کی دعا دی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

"سوبھراج کے حشمت ہونے کے بارے میں کیا بات ہو رہی تھی؟" میرے فارغ ہوتے ہی ویرا نے تند انداز میں سوال داغ دیا۔

"یہ میرا شبہ تھا۔ جلال اس کی تردید کر رہا تھا۔ ایک

Downloaded from https://paksociety.com

مشہور سماجی رہنما ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"پھر تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟" ویرا نے پوچھا "میں خود بھی کئی مرتبہ یہ بات سوچ چکی ہوں۔"

"خیالات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ آتے ہیں تو آتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی تاویل یا توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی۔"

"اگر میرا اور تمہارا شبہ درست ہے تو یہ بات زیادہ دنوں تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔ جلد ہی کھل کر سامنے آ جائے گی۔"

"اگر اس کھیل میں سوبھراج کا ہاتھ ہے تو پھر ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"شاید آپ یہ بات اس کے سیاسی رتبے کی بنا پر کہہ رہے ہیں؟" غزالہ نے میری تشویش کا رخ بھانپتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"یہ سامنے کی بات ہے۔ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہمارے لیے رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھتے ہیں کہ آنے والا دن ہمارے لیے کیا خبر لے کر طلوع ہوتا ہے۔" غزالہ کی بات ویرا کے موڈ پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔

"جلال اسلام آباد لوٹ گیا ہے۔ اس کے آدمی سوبھراج کا رخ نہیں کریں گے۔ اب ہماری معلومات کا انحصار صرف اول خان کے آدمیوں پر ہوگا۔" سلطان شاہ بولا "ہو سکتا ہے کہ سوبھراج کے سلسلے میں ہماری کامیابی کی رفتار میں تیزی برقرار نہ رہ سکے۔"

"ایک بار حشمت کی شخصیت کے بارے میں کچھ مواد سامنے آجائے تو پھر میں خود میدان میں اتروں گی۔ کافی عرصے سے گھر پر پڑے پڑے میرے اعصاب زنگ آلود ہونے لگے ہیں۔" ویرا نے پرعزم لہجے میں کہا "وہ زیادہ دیر تک ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔"

"وقتی رو میں بہہ کر زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا "ابھی ہمیں صبر اور سکون سے انتظار کرنا چاہیے۔ جلد ہی کوئی نہ کوئی سرا سامنے آجائے گا۔"

باتیں کتنی دیر جاری رہ سکتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ہم چاروں پر تکان غالب آنے لگی اور ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔ اول خان کے دونوں آدمی اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق چھت پر موجود تھے۔

اگلے روز اول خان دن چڑھے ہمارے پاس آیا تو اس کے پاس حوصلہ افزا اطلاعات موجود تھیں۔

حشمت خان دراز قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ عمومی طور پر اس کی قامت و جسامت سوبھراج سے بڑی حد تک مشابہ تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہوٹل میں آنے جانے والا حشمت خان باریش آدمی تھا۔ داڑھی اور خم دار مونچھوں کی وجہ سے اس کی شخصیت بہت بارعب نظر آتی تھی۔ اس کے برعکس سوبھراج کلین شیو تھا۔

"کیا تمہارے نزدیک اس فرق کی کوئی اہمیت نہیں؟" ویرا نے وہ تفصیلات سننے کے بعد اول خان سے پوچھا۔

"ایک عام آدمی کے لیے کسی کے خدوخال کی باریکیوں کو نوٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ حشمت کے بارے میں میرے آدمی نے ہوٹل کے عملے سے معلومات حاصل کی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ داڑھی مونچھوں والا ہے۔" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا۔

"ذرا سی دیر کے لیے داڑھی مونچھوں کو بھول جاؤ۔ قد و قامت کی یکسانیت کو تم کیا کہو گے۔" میں نے پوچھا۔

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ حشمت کی داڑھی مونچھیں نقلی ہوتی ہیں۔" اول خان نے سوال کیا۔

"یہ جلال کی دلیل کا جواب ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ سوبھراج ایک معروف آدمی ہے۔ وہ کسی فرضی نام سے ایسے فائیو اسٹار ہوٹل کا رخ نہیں کر سکتا جہاں اس کا اپنے جاننے والوں سے بھی سامنا ہو سکتا ہو۔ وہ نک کے اعتماد کا آدمی ہے۔ کوبرا کا ذمہ دارانہ کردار وہی ادا کر سکتا تھا۔ سوبھراج نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ دہری شخصیت اختیار کرلی۔ ہوٹل میں وہ حشمت بنا ہوا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ سوبھراج بن جاتا تھا۔ اس کے دونوں روپ اور بہروپ کامیابی سے چل رہے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ گیٹ اپ دشوار ضرور ہوگا لیکن ناممکن نہیں تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"چہرے پر الگ سے چپکائی ہوئی گھنی داڑھی قریب سے پہچانی جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا "آج کل ریڈی میڈ میک اپ کے لیے ایسی ایسی آسانیاں دستیاب ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی اصل داڑھی مونچھوں کی تراش خراش کا اتنی باریکی سے دھیان رکھتے ہیں کہ بادی

Downloaded from https://paksociety.com

انکر میں ان کی داڑھی مونچھیں نقلی نظر آتی ہیں۔ تیسری اور اہم بات یہ ہے کہ ہوٹل میں حشمت کا قریبی رابطہ اور واسطہ صرف ارجن سے تھا۔ وہ اس کے گھر کا بھیدی تھا۔ اس کے لیے داڑھی مونچھوں کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بقیہ عملے سے اس کی دور سے دعا سلام ہوتی تھی۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ حشمت ہوٹل میں کیا ڈراما کر رہا تھا۔"

"میرے ذہن میں ابتدا سے یہ خلش موجود تھی کہ سوبھراج کا اس سارے واقعے میں کیا کردار ہو سکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے چہرے پر داڑھی مونچھیں لگا کر اسے ہوٹل کے سامنے لایا جائے تو وہ سب اسے حشمت خان کی حیثیت سے پہچان لیں گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔" ویرا نے برجستہ کہا "وہ وی وی آئی پی ہے۔ کوئی اسے چھیڑ نہیں سکتا۔"

بے اختیار میری نظر اول خان کی طرف اٹھ گئی۔ ویرا کے اٹھائے ہوئے نکتے کا جواب وہی دے سکتا تھا۔

"مجھے اس بارے میں اوپر سے کوئی ہدایت نہیں ملی۔ جب تک جلال نے اس کی حیثیت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں اس کے ساتھ ہر سلوک کر سکتا تھا لیکن اب بات پیشہ ورانہ ایمان داری کی آگئی ہے۔ مجھے اس کے پروٹوکول کا علم ہو چکا ہے تو اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"

"تم محتاط رہو گے۔ جلال کو اسلام آباد میں کام پڑ گیا ہے تو پھر مجھے خود میدان میں نکلنا ہوگا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کام کی ابتدا ہوٹل سے کروں گا۔"

"تم اکیلے نہیں رہو گے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" ویرا نے بلا توقف اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ڈینی کے ساتھ رہ کر تم خود بھی پھنسو گی اور اسے بھی مرواؤ گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ سر عام ڈینی کے ساتھ کندھا جوڑ کر پھرتی رہوں۔" ویرا نے کہا۔

"پھر کتنی احمق ہو؟" سلطان شاہ نے معصومیت سے پوچھا اور سب بے ساختہ ہنس پڑے۔ ویرا بھی اس برجستہ مذاق سے محظوظ ہوئی تھی۔

"میں براہ راست سوبھراج سے ملنے کے امکانات پر غور کر رہی ہوں۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "میرے ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ اس کے خدوخال صاف ہوئے تو آپس کے مشورے سے آگے بڑھوں گی۔ زیادہ خطرات نظر آئے تو میں اس سے دور رہوں گی۔"

"وہ موذی دشمن ہے۔ اس سے دور رہ کر کام کرنا ہی سب کے حق میں بہتر ہوگا۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

"دشمن کتنا ہی موذی کیوں نہ ہو' اس کا سر کچلنے کے لیے اس کے قریب جانا پڑتا ہے۔" ویرا مسکرا کر بولی۔

"تم خود سمجھ دار ہو۔ میں تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں۔ تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں سے تم کہاں جاؤ گے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک میٹنگ ہونے والی ہے۔ وہیں جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے بتایا۔

"بس تو پھر مجھے راستے میں صدر اتار دینا۔ میں ہوٹل کا ایک چکر لگاؤں گا۔"

"میں پندرہ منٹ بعد روانہ ہو جاؤں گا۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "تمہیں کوئی تیاری کرنی ہے تو کر ڈالو۔"

"میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ غزالہ بھی میرے ساتھ اٹھ گئی۔ بقیہ تینوں افراد میں سے کسی نے میرے ارادے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ شاید ہر ایک کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہرحال بہتر تھا۔

"ہوٹل آپ کس امید پر جا رہے ہیں؟" کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ نے مجھ سے ایک متوقع سوال کر ڈالا۔

"ٹک سے میری بات کل ہوئی تھی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "وہ کوئی طے شدہ گفتگو نہیں تھی۔ بس بات میں سے بات نکلتی چلی گئی۔ حشمت میری اس گفتگو سے پہلے اس ہوٹل میں پہنچا ہوا تھا۔ ہوٹل کا ریکارڈ بتا رہا ہے کہ گزشتہ چند دنوں میں وہ دو بار ہوٹل میں رہ چکا تھا۔ ان حقائق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ محض میری وجہ سے ہوٹل میں نہیں پہنچا تھا۔ وہاں اس کی پراسرار سرگرمیاں کئی دن سے جاری ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔"

غزالہ سوچ میں پڑ گئی اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولی "آپ نے پہلے بھی یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ہوٹل دشمنوں کی سرگرمیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے لیکن ویرا نے شاید اس نکتے پر دھیان نہیں دیا۔ وہ بس سوبھراج کی ذات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔"

"سوبھراج سے مجھے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔" میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

کہا "اس کی مشکوک سرگرمیوں نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اب ذرا سی تفصیلات سامنے آئی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہوٹل میں اس وقت بھی کچھ مشتبہ افراد موجود ہوں گے جو سوبھراج سے ہدایات لیتے ہوں گے۔"

"یعنی سوبھراج نے حشمت خان کا روپ دھار کر بھارتی ایجنٹوں کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا!"

"وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ یوں کھل کر سامنے آ جاتا۔ نک اور ارجن کے علاوہ شاید نام کو یہ بات معلوم ہو گی۔ دوسرے ایجنٹوں کے لیے وہ نقاب پوش کوبرا تھا۔" میں نے کپڑے بدلتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ ایجنٹ بلیک کیٹس بھی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "نک اور نام بہت سے تحفظات کے ساتھ' قانونی طور پر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف بن ڈیوڈ کو نئے آئی مین کے روپ میں میدان میں اتارا ہوا تھا۔ دوسری طرف را کے دہشت گردوں کو خوف و ہراس پھیلانے کی مہم میں لگایا ہوا تھا اور تیسری سمت میں سوبھراج سے کام لے رہے تھے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بلیک کیٹس دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں اور دشمن پر کاری وار کر کے تیزی سے فرار ہو جاتے ہیں مگر اس کے لیے بھی انہیں کسی نہ کسی مقامی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کوبرا ان کا سہارا بنا ہوا تھا۔"

"اگر بلیک کیٹس ہوٹل میں موجود ہیں تو آپ کا وہاں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" غزالہ پر تشویش انداز میں بولی "ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی آپ کو پہچانتا ہو۔"

"وہ مظہر خان کو پہچانتے ہیں جو دہلی میں را والوں کا مہمان بن گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ذرا غور سے میری طرف دیکھو۔ کیا میں مظہر خان لگتا ہوں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں نے یہ غور نہیں کیا تھا۔ تبدیلیاں معمولی اور فطری ہیں لیکن اہم بھی ہیں پھر بھی آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔ دوسروں کے مقابلے میں بلیک کیٹس زیادہ چالاک ہو سکتے ہیں۔ وہ آسانی سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔"

"تم دعا کرتی رہو۔ ان کی بینائی کمزور ہو جائے گی۔" میں نے اس کی پیشانی چوم کر کہا "مجھے ہر حال میں خطرہ مول لینا پڑے گا۔"

تھوڑی دیر میں اپنی تیاری مکمل کر کے میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ اس وقت اول خان کے دیے ہوئے وقت میں مزید چند منٹ باقی تھے۔

میرے اشارے پر وہ اٹھ گیا۔ ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "تمہیں واپسی میں پریشانی ہو گی۔ تم اپنی گاڑی کیوں نہیں لے جاتے۔"

"جلال نے نوید کو پارکنگ لاٹ میں شکار کیا تھا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ مجھے واپسی کے لیے ہوٹل کے دروازے پر ہی کوئی ٹیکسی مل جائے گی۔"

گھر سے روانگی کے بعد گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھائی رہی جسے اول خان نے توڑا "تمہیں شبہ تھا کہ اس ہوٹل میں بلیک کیٹس بھی مقیم ہو سکتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے وہ اہم بات گھر سے روانہ ہونے کے بعد یاد آئی تھی۔ اس نے ویرا کے سامنے وہ بات چھیڑ دی ہوتی تو ایک لمبی بحث کا آغاز ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا "پہلے صرف شبہ تھا جو اب یقین میں بدل گیا ہے۔"

وہ میرے یقین کے اسباب جاننا چاہتا تھا۔ میں نے وہی بات دہرا دی جو میں غزالہ سے کہہ چکا تھا۔

"بلیک کیٹس ہر جگہ خاص ہدف لے کر جاتے ہیں! افواہوں میں کہا گیا تھا کہ وہ تمہیں مارنے کے لیے آئے ہیں۔ ہوٹل میں تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔" وہ فکرمند ہو گیا۔

"اسی لیے میں نے ویران پارکنگ لاٹ سے بچنے کے لیے گاڑی چھوڑی ہے۔ بھرے پرے ہوٹل میں وہ مجھ پر وار کرنے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"تم واقعی دور اندیشی سے کام لیتے ہو۔ وسیع پارکنگ لاٹ میں دو تین چوکیدار ناکافی ہوتے ہیں۔ وہاں حملہ ہونے کے زیادہ امکانات تھے لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم اس وقت ہوٹل جا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ تم انہیں نہیں پہچانتے' ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی تمہیں دہلی میں دیکھ چکا ہو۔"

"میں انہیں اکسانا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اپنے بل سے نکل کر میرا پیچھا کریں تاکہ میں اپنے کسی دشمن کو پہچان سکوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "حشمت اور سوبھراج کے قصے میں کہیں پیشانی کے پرانے زخم کا ذکر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر زخم کے نشان والا بلیک کیٹ ہو۔ وہ نظر آ گیا تو میں اسے دور سے پہچان لوں گا۔"

"تم نے نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے تو

Downloaded from https://paksociety.com

ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اکتا کر رواروی سے گھر میں نکل کھڑے ہوئے ہو۔"

"ہوٹل میں تمہارا کمرا ابھی تک آباد ہے یا خالی ہو گیا ہے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی اور وہ بولا "فی الحال آباد ہے۔ میں تمہیں اتارنے کے بعد اسے بتا دوں گا کہ تم بھی ہوٹل میں کچھ وقت گزارو گے۔ وہ دور رہ کر تمہاری دیکھ بھال کرتا رہے گا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم ہوٹل میں میرے اس آدمی کی موجودگی کو بھول چکے ہو۔"

"یہ بھولنے والی بات نہیں تھی۔ اسے میری نگرانی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ میرے اگلے پیغام تک اپنے کمرے میں رکا رہے۔ ضرورت پیش آئی تو میں خود اس سے رابطہ کرلوں گا۔"

اول خان خوش ہو گیا کہ میں نے اپنی نئی مہم میں اس کے آدمی کے لیے کسی کردار کا تعین کیا ہوا تھا۔

میرے ایما پر اس نے مجھے ہوٹل سے کچھ دور اتارا اور ہاتھ لہرا کر اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔

حالات و واقعات کی بھول بھلیاں سے گزرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چلا تھا کہ بلیک کیٹس کے بارے میں اول خان کا ابتدائی اندازہ بہت درست تھا۔ ان میں سے کسی نے اول خان کا بازو زخمی کر کے اس کا تعاقب کیا اور ہمارا گھر دیکھ لیا۔ یہ بات بیشتر دشمنوں کے علم میں تھی کہ جہانگیر میرا گہرا دوست تھا۔ اس کے حوالے سے گولڈن فارمیسی بھی مشہور ہو گئی تھی جسے آخر کار بن کے آدمیوں نے تباہ برباد کر دیا تھا۔ ہم نے اپنی سی ہر احتیاط کرلی تھی مگر پھر بھی گولڈن فارمیسی کے ذریعے جہانگیر کے گھر تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

بلیک کیٹس دونوں گھروں تک پہنچ چکے تھے لیکن محفوظ گھروں پر وار کرنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے ان دونوں جگہ کرائے کی لڑکیاں بھیج کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھے کہیں نہیں گھیر سکیں گے۔ انہوں نے جہانگیر کو صرف اس لیے ٹٹولا تھا کہ وہاں میری آمد و رفت ہو تو راستے میں کہیں مجھے گھیر سکیں۔

ان لڑکیوں کو بھیجنے کا دوسرا مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہوں مگر اس کا امکان کم تھا کیونکہ وہ لڑکیاں بہت بے ضرر اور دوستانہ روپ میں آئی تھیں۔ مقصد خوف زدہ کرنا ہوتا تو ان لڑکیوں کے ذریعے کوئی نہ کوئی ذو معنی پیغام ضرور بھیجا جاتا جس کے بین السطور میں کوئی نہ کوئی دھمکی پنہاں ہوتی۔

میں یہی سوچتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ وہ دن کا وقت تھا اور پھر شاید پچھلے روز رونما ہونے والی قتل کی وارادات کا اثر بھی کہ ہوٹل کی لابی میں رونق اور چہل پہل نظر نہیں آ رہی تھی۔

ارجن کے قتل کو اس وقت تک چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ عملے کے بیشتر ارکان کے چہرے ستے ہوئے اور سوگوار نظر آ رہے تھے۔ میرے لیے ان کا وہ عمل فطری اور قابل فہم تھا۔ ایک خاص بات یہ بھی کہ ہوٹل سے باہر عمارت کی حدود میں باورد کی تو در کنار کوئی ایسا سادہ پوش فرد بھی نظر نہیں آیا تھا جس پر پولیس یا خفیہ دالے کا شبہ ہو سکے۔

استقبالیہ کلرک سے میری نظریں چار ہوئیں تو اس نے خوش خلقی کے اظہار میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن نتیجے میں صرف باچھیں پھیلا کر رہ گیا۔ ان سب کے دلوں پر ارجن کے سفاکانہ قتل کی دہشت اور ہیبت طاری تھی۔ ایسی حالت میں کوئی سفاک شخص ہی زندہ دلی سے مسکرا سکتا تھا۔

میں ہوٹل کی وسیع اور طویل راہ داری سے ہوتا ہوا کافی ہاؤس میں پہنچا تو وہ بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر ویٹر میزوں پر رکھی ہوئی چمک دار اشیا کو مزید چمکانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ان کے سوا پورے کافی ہاؤس صرف دو جوان غیر ملکی جوڑے' ایک دوسرے سے دور' الگ الگ میزوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے والہانہ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو کر ایک دوسرے کے سحر میں کھوئے ہوئے تھے۔

میں نے دروازے سے قریب تر میز کا انتخاب کیا اور اپنے لیے کافی طلب کرلی۔

کافی ہاؤس میں رونق ہوتی تو اس بھیڑ بھاڑ میں مجھے اپنی اجنبیت کا کوئی احساس نہیں ہوتا لیکن خالی ہال میں مجھے شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ اکیلا ہونے کی وجہ سے میں وہاں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ میں وقفے وقفے سے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ دیکھنے والوں کو یہی اندازہ ہوتا کہ میں وہاں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد میں نے بل طلب کیا۔ بل اور ٹپ کی رقم طشتری میں ڈال کر میں وہاں سے اٹھ گیا۔

کافی ہاؤس سے نکل کر میں نے سگریٹ سلگائی اور خراماں خراماں شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں ملبوسات سے زیورات تک بڑے بڑے شوکیسوں میں سجے ہوئے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے ہوٹل میں تقریباً چار گھنٹے اسی طرح گھوم پھر کر گزار دیے۔ بھوک نہ ہونے کے باوجود ریستوران میں کچھ وقت خورونوش میں سکون سے گزارا ورنہ میں بیشتر وقت چلتا ہی رہا۔ اسی دوران میں مجھے کہیں کوئی مشتبہ شخص نظر آیا نہ کسی نے مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کی۔

تین بجے میں نے انٹرکام ڈیسک سے کمرا نمبر پانچ سو بیس سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے ہیلو کی آواز سنتے ہی میں نے اول خان کے آدمی کو سرور کے نام سے مخاطب کیا تو وہ سمجھ گیا کہ دوسری طرف سے کون بول رہا تھا۔ میں اپنا تعارف کرانے کی زحمت میں پڑنے سے بچ گیا۔

اسے پیغام دے کر میں لفٹ کے ذریعے پانچویں منزل پر پہنچا تو وہ لفٹ کے باہر میرا منتظر تھا۔ میں نے اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ لفٹ مجھے اتار کر اوپر یا نیچے چلی گئی۔ اس وقت فلور پر ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

"میں کچھ دیر کے لیے تمہارے کمرے میں آرام کروں گا۔ چابی تم اپنے ساتھ رکھو۔ پانچ بجے تم کمرے میں آسکتے ہو۔ میں جاتے ہوئے دروازہ مقفل کردوں گا۔"

اس نے سعادت مندی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لفٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں راہ داری کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے کا دروازہ مقفل کرکے میں تھکے ہارے انداز میں بستر پر گر گیا۔ میری اس مشق کا کوئی نتیجہ برآمد ہوگیا ہوتا تو شاید مجھے تھکن کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا مگر میرے ساتھ صورت حال مختلف تھی۔ میں نے آرام دہ اور نرم بستر لیٹے لیٹے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا۔

وہ میری طرف سے فکرمند تھی اور فون سے لگی بیٹھی تھی۔ اس سے چند منٹ کی مختصر سی گفتگو میں میں نے اسے بریف کیا اور فون بند کردیا۔ اس کے لیے یہ امر خوشی کا باعث تھا کہ ہوٹل کی حدود میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا اور میں خیریت سے تھا۔

ٹھنڈے کمرے میں، میں آنکھیں موندے بستر پر لیٹا رہا۔ فرصت اور آرام کے ان لمحات میں نہ جانے کب غنودگی کی لہر نے مجھے آدبوچا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اضطراری طور پر ہڑبڑا کر بستر چھوڑا مگر پھر فوراً ہی پرسکون ہوتا چلا گیا۔

وہ ذرا سا ڈسپلن کا تقاضا تھا کہ میں نے اپنے آرام کے لیے اسے کمرے سے بھیج دیا تھا ورنہ کچھ دیر کے لیے ہم دونوں اس کمرے میں ایک ساتھ بھی رہ سکتے تھے۔

میرا غسل کرنے کا موڈ ہو رہا تھا۔ میں نے چند منٹ تک انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ ٹھیک پانچ بجے دروازے کے قفل میں کنجی لگنے اور گھومنے کی آواز آئی اور سرور میرے اوپر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر دروازے کے پاس رک گیا۔

"چلے آؤ، میں نما کر واپس جاؤں گا۔" میں نے کہا اور وہ دروازہ متفل کرکے آگے بڑھ آیا۔

وہ قریب آکر دست بستہ کھڑا ہوگیا۔ میں نے اشارہ کرکے اسے کرسی پر بٹھادیا۔

"سر! چیف صاحب نے کہا تھا کہ یہاں کوئی خاص بات ہو تو میں انہیں رپورٹ دینے کے ساتھ آپ کو بھی بتادوں۔" وہ ادب سے بولا۔

"کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"چیف صاحب نے دوسری باتوں کے علاوہ اوسط قد اور سانولے رنگ کے ایک آدمی کی تلاش کے بارے میں بھی ہدایت کی تھی۔" سرور نے سپاٹ لہجے میں بتایا "انہوں نے پیشانی پر پرانے زخم کے نشان کو اس کی سب سے بڑی پہچان بتایا تھا۔ چار بجے کے قریب مجھے ایسا آدمی نظر آیا تھا۔"

میرے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ سرور کو اندازہ نہیں تھا کہ اس نے کیا دریافت کرلیا تھا۔ میں سنبھل کر بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "وہ کہاں نظر آیا تھا تمہیں۔"

"میں لابی میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ لفٹ سے اترا تو اس کا رخ میری طرف تھا۔ مجھے اس کے ماتھے پر زخم کا نشان چمکتا ہوا نظر آیا۔ میں نے چائے وہیں چھوڑی اور ویٹر کو سو روپے کا نوٹ پکڑا کر باہر آگیا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک پیکٹ لیے ٹیکسی کی طرف جارہا تھا۔

"بولتے جاؤ۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اسے لقمہ دیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"بس سر، یہ بڑوں کی دعا ہے کہ بندے کو سرخ روئی ملتی رہتی ہے۔" اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا "میرے پاس اپنی گاڑی نکالنے کا وقت نہیں تھا۔ اس کے جاتے ہی میں دوسری ٹیکسی میں اس کے پیچھے روانہ ہوگیا۔ میں نے ڈرائیور کو بتایا کہ میں سرکاری آدمی ہوں اور ایک مجرم کا پیچھا کررہا ہوں۔ اس نے ایمپریس مارکیٹ پر ٹیکسی چھوڑ دی اور

Downloaded from https://paksociety.com

ٹہلتا ہوا پیشاب خانے میں چلا گیا۔ میں حیران تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے چند منٹ بعد اسے پیشاب خانے کی کیا ضرورت پڑ گئی مگر پھر بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ باہر نکلا تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

"باہر آتے ہی وہ دوسری ٹیکسی لے کر چل دیا۔ میرے دو دل ہو رہے تھے۔ اس کا پیچھا کروں یا اس کا چھوڑا ہوا پیکٹ تلاش کروں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ پیکٹ خطرناک ہے۔ شہر میں پچھلے دنوں کئی بم دھماکے ہو چکے ہیں۔ لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے پیکٹ کو دیکھنا ضرور تھا۔ ٹھیکے دار کے آدمی کو پیسے دے کر میں اندر گیا تو ذرا سی تلاش کے بعد مجھے وہ پیکٹ نظر آگیا۔ وہ روشندان کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ اسے ہاتھ لگاتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ وہ ٹائم بم تھا اور اس کی گھڑی چل رہی تھی۔

"سر! میں کانپ گیا۔ وہ میرے ہاتھ میں پھٹ جاتا تو میرے بدن کے ٹکڑے بھی نہیں ملتے مگر وہاں چلنے پھرنے والے سیکڑوں آدمیوں کی جانیں مجھ سے زیادہ قیمتی تھیں۔ میں بم لے کر اپنی ٹیکسی میں آگیا۔ پیچھے بیٹھے بیٹھے میں نے اسے کھولا تو وہ پانچ بجے پر سیٹ تھا۔ میں نے ٹائمر بند کر کے اسے دیکھا تو وہ روس کا بنا ہوا چار پونڈ کا ٹائم بم تھا۔"

"اب وہ بم کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے ہوٹل میں لانا خطرناک تھا۔ گھڑی بند کرنے کے ساتھ میں نے بم کو ناکارہ کر کے اپنی گاڑی میں ڈال دیا۔ میرے دوسرے ہتھیار بھی اسی میں ہیں۔"

"تمہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں گیا ہوگا؟" غیر ارادی طور پر سوال کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرا وہ سوال غیر منطقی تھا۔

"سر! یہ اندازہ تو نہیں ہوا مگر جلد پتا چل جائے گا۔ میں نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔" سرور کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ نازک مواقع پر صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ اول خان نے شاید اسی خوبی کی بنا پر اسے اپنی جگہ مامور کیا تھا۔

"اول خان کو اپنی رپورٹ کے ساتھ ٹیکسی کا نمبر بھی دے دو۔ یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ وہ واپس کہاں گیا تھا۔"

"کمرے میں ایریئس کام نہیں کر رہا۔ سب کھڑکیاں بند ہیں۔ ریڈیو سگنل صاف نہیں آتا۔ آواز گڑبڑ ہو جاتی ہے۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں ابھی باہر جا کر یہ کام کرلوں گا۔"

مجھے ہلکا سا غصہ آگیا۔ مشتبہ آدمی کے سلسلے میں مثالی ہوشیاری کا مظاہرہ کرنے کے بعد سرور نے ایک حماقت کا بھی ارتکاب کیا تھا۔ ناکارہ بم کو اپنی گاڑی میں محفوظ کرتے ہی اسے اول خان سے رابطہ کر لینا چاہیے تھا لیکن وہ اس کام کو ادھورا چھوڑ کر اوپر دوڑا چلا آیا۔

میں نے سرور سے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ بن سے چھینی ہوئی سی ایس ڈی اول خان نے وہاں لگائی تھی۔

گھنٹی بجتے ہی میں نے ریسیور سرور کی طرف بڑھا دیا۔ "اس پر رپورٹ دے دو۔"

اس نے ریسیور میرے ہاتھ سے لے لیا مگر اس کے بشرے پر تذبذب کی علامات نظر آ رہی تھیں۔ میں نے زور دے کر کہا "فکر نہ کرو۔ اول خان نے ایک آلہ لگا لیا ہے۔ اب وہ فون محفوظ ہے۔"

میری یقین دہانی کے باوجود اس کی تسلی نہ ہو سکی۔ شاید وہ ہدایات سے ذرا بھی انحراف کا عادی نہیں تھا۔

"سر! صاحب کہہ رہے ہیں کہ اسی پر رپورٹ دے دوں۔" رابطہ ہونے پر اس نے پژمردہ آواز میں کہا۔

دوسری طرف سے تائیدی اشارہ ملتے ہی اس نے اپنی کہانی شروع کر دی۔

وہ میرے روبہ رو موجود تھا اس لیے اس نے خاصی تفصیل بتا ڈالی تھی۔ فون پر اپنی رپورٹ کو اس نے بہت مختصر کر دیا تھا۔

ٹیکسی کا نمبر بتانے کے بعد اس نے ریسیور مجھے دے دیا۔ میں نے ریسیور لیتے ہی کہا "تم نے دیکھ لیا کہ حرکت میں کتنی برکت ہوتی ہے۔"

"تمہارے قدم جہاں پہنچتے ہیں وہاں کام شروع ہو جاتا ہے۔" اول خان کی پرمسرت آواز آئی "یہ دہرا کام ہوا ہے۔ تل والی لڑکی کے بیان کی تصدیق ہو گئی کہ پیشانی پر زخم کے نشان والے آدمی کا وجود ہے۔ دوسری طرف اس کا وار ناکام بنا دیا گیا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ بم صرف چار پونڈ کا تھا۔" میں نے کہا۔

"ہوٹل ان کا عارضی ٹھکانا ہے۔ وہ اپنے ساتھ زیادہ بوجھ لے کر نہیں پھر سکتے۔ اس دھماکے کے لیے اس نے خطرناک جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ چھولے اور بریانی کے ساتھ چائے والوں کے پاس بھی رش رہتا ہے۔ وہاں دو چار افراد کی

Downloaded from https://paksociety.com

ہلاکت یقینی تھی۔ زخمی ہونے والوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا وہ کتنے ہوتے۔"

"میرا یہ شبہ درست ثابت ہوا کہ یہ ہوٹل ان لوگوں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ وہ نہ جانے کس سے ٹائم بم لے کر گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ خود اسی ہوٹل میں رہ رہا ہو۔ یہ پتا چلانا ضروری ہے کہ وہ واپس کہاں گیا تھا۔" اول خان کی آواز میں پستی عود آئی تھی۔ "میرے آدمی ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ سرور نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر کے کمال کیا ہے۔"

مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مشتبہ شخص اس ٹیکسی کے ذریعے براہ راست اپنی منزل پر گیا ہوگا۔ اگر وہ ایک تجربے کار اور پیشہ ور ایجنٹ تھا تو اس کو راستے میں اپنی سواری بدل لینی چاہیے تھی۔ وہ ایک معمولی اور بنیادی احتیاط تھی جسے کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی خوش گمانی برقرار رکھنے کے لیے وہ بات اپنی زبان پر لانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"بس ٹیکسی ڈرائیور کی رپورٹ مل جائے تو کام میں تیزی آ سکتی ہے۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"رپورٹ شاید رات تک مل جائے گی۔ مگر اب ہوٹل کی نگرانی اہم ہو گئی ہے۔ آج کا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دشمت یا سوبھراج کے فرار ہو جانے کے باوجود ہوٹل میں ان کے رابطے برقرار ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر زخم کے نشان والا دشمت کی اصلیت سے بھی واقف ہو۔" ایک کامیابی حاصل ہوتے ہی اول خان کی توقعات میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"تم اتنے یقین سے یہ دعویٰ کیسے کر رہے ہو؟" اول خان کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"تم واقعات کا تسلسل فراموش کر رہے ہو۔ بک نے جب مجھے گوبرا سے ملنے کا مشورہ دیا تھا تو دشمت ہوٹل میں موجود تھا۔ اس کے لیے بک کے مختصر سے نوٹس پر چست سیاہ لباس اور نقاب کا بندوبست کرنا ناممکن نہیں تھا۔ وہ چیزیں اس کے پاس پہلے سے موجود تھیں اور وہ بھارتی ایجنٹوں کے مانند اپنی شخصیت چھپانے کے لیے انہیں استعمال کر رہا تھا۔"

"بات کچھ نہ کچھ آگے بڑھی ہے۔ کسی وقت بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ دشمت کون تھا۔" وہ بولا۔

اس بارے میں ہمارے درمیان خاصی بحث ہو چکی تھی۔ میں نے اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بات بدلتے ہوئے کہا "آج مجھے جم کر ہوٹل میں رہنا ہو گا۔ کسی بھی وقت یہاں کوئی اہم واقعہ رونما ہو سکتا ہے یا کوئی نئی بات سامنے آ سکتی ہے۔"

"اس مرتبہ سرور نے اسے دیکھا اور وہ بچ گیا۔ تمہاری بے خبری میں اس نے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا تو بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ میری رائے میں اب سرور کو ہر وقت تمہارے آس پاس رہنا چاہیے۔ وہ تمہارے دشمنوں کے لیے بالکل اجنبی ہے۔ تمہارے کام آ سکتا ہے۔"

میں نے اس کے معقول مشورے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ "ابھی دیکھنا یہ ہے کہ پانچ بجے کے بعد ان لوگوں کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔"

"پانچ بجے ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں بم نہ پھٹنے سے وہ ہراساں ہو جائیں گے۔ اس وقت پانچ بج ہی چکے ہیں بلکہ چند منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔"

"وہ شخص اپنا کام کر کے مطمئن ہو گیا ہے۔ نتیجے کے لیے وہ ٹیلی وژن وغیرہ کی خبروں یا شہر میں پھیلنے والی خبروں کا انتظار کریں گے۔ ہر طرف کی خاموشی ان پر ذرا دیر سے اثر انداز ہو گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ابتدا اچھی ہے۔ خدا کرے کہ تمہاری کوششوں کا انجام بھی اچھا ہو۔"

"صرف دعاؤں سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے کچھ اور بھی درکار ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کہو بتاؤ۔ میرے بس میں ہوا تو میں تمہارے لیے آسمان کے تارے بھی توڑ لاؤں گا۔"

"بات اس سے کچھ ذرا ہی کم ہے۔ مجھے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر مل جائے تو مزہ آ جائے گا۔"

"اس کا کہیں ریکارڈ نہیں ہو گا۔ میں اس کا فون نمبر فراہم کر سکتا ہوں۔"

"سیٹ لائٹ فون پر اپنے دشمن کی آواز سن کر وہ حواس باختہ ہو جائے گا۔ وہ نہیں مل سکتا تو پھر اس کا فون نمبر ہی دے دینا۔"

"تو کیا تم ہوٹل میں بیٹھ کر یہ سارا بکھیڑا چلاؤ گے!" اول خان کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"میں نے تمہیں تمہاری سی ایس ڈی کی وجہ سے فون کر لیا اور خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک آپریٹر نے دخل اندازی نہیں کی۔ جب تک سی ایس ڈی دستیاب نہ ہو' میں یہاں

Downloaded from http://paksociety.com

سے کسی کو فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"اگر تم نے ہوٹل ہی میں جم جانے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھر گھر کی سی ایس ڈی ہمیں اٹھالاؤ۔"

"یہ کرنا پڑے گا۔ میں سلطان شاہ کو کچھ ضروری چیزوں کے ساتھ ہوٹل بلانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

وہ سر کے بل آئے گا۔ خالی بیٹھ کر وہ بہت جلد اکتا جاتا ہے۔" اس نے میری تائید کی "تم کو کسی بھی وقت اس کی مدد کی ضرورت محسوس ہوسکتی ہے۔"

اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

پانچ بج چکے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنے لگائے ہوئے ٹائم بم کی ناکامی کا علم خاصی دیر سے ہوگا مگر سرور کی دی ہوئی اطلاع کے بعد میری طبیعت پر عجیب سی بے چینی مسلط ہوگئی تھی۔ میں جلد از جلد ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچنا چاہ رہا تھا تاکہ کوئی بھی موقع ضائع نہ ہوسکے۔ میں نے نہانے کا ارادہ فوری طور پر ملتوی کردیا۔

"مجھے اپنے کچھ ایسے دشمنوں کی تلاش ہے جو شاید مجھے پہچانتے ہیں مگر میں ان کے چہروں سے ناواقف ہوں۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد سرور کو بتایا "اب تم کمرے میں رہنے کے بجائے میرے آس پاس رہو گے۔ پیشانی پر زخم یا چوٹ کے نشان والا بھی ہمارا مطلوب آدمی ہے۔ تم ان لوگوں کے لیے بالکل اجنبی ہو۔ میرے ساتھ رہ کر ان پر نگاہ رکھ سکتے ہو۔"

"میں سمجھ گیا سر! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے اپنا دہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔

میں نے دوبارہ گھر فون کیا تو اس بار ویرا سے بات ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ زخمی پیشانی والا آخر کار دریافت کرلیا گیا تھا اور لگے ہاتھوں اس کا ایک حربہ بھی ناکام بنادیا گیا تھا۔

وہ مجھ سے طویل گفتگو کی خواہش مند تھی جبکہ میں ہر قیمت پر کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے اپنی گلو خلاصی کرالی۔ اس نے میری خواہش کے مطابق فون سلطان شاہ کو دے دیا۔ جو اس کے ساتھ موجود تھا۔

سلطان شاہ کو سی ایس ڈی اور کچھ دوسرے لوازم کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کرکے میں نے فون بند کردیا۔

اگلے چند منٹ میں ہم دونوں آگے پیچھے ہوٹل کے نچلے فلور پر پہنچ چکے تھے۔ میں لفٹ سے نیچے اترا تھا۔ سرور نے وقفہ دینے کے لیے زینے استعمال کیے تھے۔

شام چار بجے زخمی پیشانی والا لفٹ سے گراؤنڈ فلور پر برآمد ہوا تھا۔ وہ بات بہت معمولی تھی مگر میرے لیے اس میں ایک اشارہ مضمر تھا۔ وہ نچلی کسی منزل پر مقیم ہوتا تو زینوں سے نیچے آسکتا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ ہوٹل کی کسی بالائی منزل سے آیا تھا۔

میں نے لفٹ کے عین مقابل لابی کے بڑھے ہوئے حصے میں ایک دور افتادہ میز کا انتخاب کیا اور وہاں جم گیا۔ میرا رخ لفٹ کی طرف تھا۔ میری میز کے مقابلے میں اصل راہداری کافی زیادہ روشن تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہر آنے جانے والے کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا لیکن اتنے فاصلے سے میرا دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ سرور نے مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک اکلوتے صوفے پر براجمان ہوکر اخبار سنبھال لیا تھا۔

وہاں بیٹھتے ہی مجھے خیال آیا کہ اول خان ہوٹل میں تنہا قیام کے ارادے سے آیا تھا۔ اپنی جگہ سرور کو دے کر وہ چند ثمنوں بعد چلا گیا تھا۔ کمرے میں ہماری تعداد بڑھ کر دو ہوچکی تھی جو سلطان شاہ کی آمد پر تین ہوسکتی تھی۔ اگر ہوٹل میں رات گئے تک کسی پیش رفت کی امید نہ رہتی تو سلطان شاہ گھر واپس جاکر اطمینان سے اپنے بستر میں سو سکتا تھا۔ دشمنوں کے خلاف ہمیں اپنی وہ رات کالی کرنی پڑتی تو ہم میں سے کسی کو کمرے کی نہیں سوجھ سکتی تھی پھر بھی ہوٹل کے ریکارڈ میں کم از کم دو افراد کا اندراج ضروری تھا۔

سوا چھ بجے کے قریب میں نے اپنی آنکھوں سے اسی زخم خوردہ شخص کو لفٹ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ اس کی صورت پر عجیب سی پھٹکار برس رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میری تقلید میں سرور بھی صوفے سے اٹھنے کے لیے تیار ہوچکا تھا۔

لفٹ سے اتر کر وہ دائیں بائیں دیکھتا ہوا ایک طرف چلا تو میں بھی دھندلی روشنیوں میں اپنے کنج عافیت سے باہر آگیا۔ اس شخص کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ہوٹل کے صدر دروازے سے باہر نکل جائے گا۔ میں اپنے گوشے سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر میرے قدم فٹبن میں گڑ کر رہ گئے کہ وہ ہوٹل سے باہر نہیں گیا تھا۔ ہوٹل میں موجود پبلک فون بوتھ میں کھڑا کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی پشت میری طرف تھی۔ ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ یکایک اتنا کم رہ گیا تھا کہ وہ میری طرف متوجہ ہوتا تو مجھے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

ابھی میں کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک پیچھے سے

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی مجھے کندھا مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ میں نے بھنّا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سرور تھا۔ شاید صورتِ حال کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ وہ مجھ سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ یقینی طور پر میرے آس پاس کوئی اور بھی موجود تھا۔ سرور نے کندھا مار کر مجھے اس کی طرف متوجہ کرنے کی ارادی کوشش کی تھی۔

میں بوتھ میں گھسے ہوئے شکار کی طرف متوجہ تھا اور کوئی مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں چوکنا ہو کر بہت تیزی سے گھوما اور پہلی طائرانہ نظر میں وہ خوب رو اور صحت مند لڑکی میری نظروں میں آگئی جو ایک ستون کے قریب کھڑی اپنے بائیں ہاتھ کے ناخنوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس لڑکی کے سوا وہاں موجود ہر شخص کی مصروفیات میں کوئی نہ کوئی تسلسل موجود تھا مگر اس لڑکی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ لمحہ بھر پہلے اس کی کوئی اور مصروفیت تھی۔ میرے گھومتے ہی اس نے اپنی نگاہیں اپنے ناخنوں پر مرکوز کرلی تھیں۔

وہ نازک اندام نہیں تو فربہ بھی نہیں تھی۔ بس صحت مند کہی جاسکتی تھی۔ بھرے بھرے شہابی چہرے کے تیکھے نقوش بہت جاذب نظر تھے۔ میرے ذہن میں دہلی کی فلم چلنی شروع ہوگئی مگر اس میں دور دور تک اس لڑکی کا نام و نشان نہیں تھا جو اس وقت میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اس مہم کا بہت نازک مرحلہ تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے مڑ کر بوتھ کی طرف دیکھا۔ وہ شخص اپنی بات ختم کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اچانک اس نے ریسیور ہک سے لٹکا دیا۔ میں اس کے مڑنے سے پہلے ستون کی اوٹ میں ہو کر واپس چل دیا۔

اس لڑکی نے مجھے عقب سے دیکھا تھا۔ میرے پلٹتے ہوئے شاید اس نے میرے چہرے کی ایک سرسری سی جھلک دیکھی ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اگر وہ میرے دشمنوں میں سے تھی اور دہلی میں مجھے منظر خان کے روپ میں دیکھ چکی تھی تب بھی اس سرسری نظر میں مجھے نہیں پہچان سکی ہوگی۔ میں اس کی طرف پشت کیے آگے بڑھ گیا۔

اگر زخم خوردہ پیشانی والا فون پر بات ختم کرکے ہوٹل سے باہر نکل گیا ہوتا تو میں یقینی طور پر اس لڑکی سے براہِ راست بات کرنے کی کوشش کرتا۔ مرو کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اپنے دھندلے اور نیم تاریک گوشے میں پہنچ کر میں نے روشن راہداری کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ لڑکی اپنی جگہ سے جاچکی تھی۔ مرو کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔

اس وقت تک وہ سب میرے قوی شبہات تھے جن کو سہارا دینے کے لیے صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ مرو نے صدر کے علاقے میں ایک ٹائم بم نصب کیا تھا۔ اس کا لڑکی سے کیا تعلق تھا۔ اس بارے میں سرور ہی مجھے کچھ بتا سکتا تھا۔

اس شخص نے ہوٹل میں دوسری بار نمودار ہو کر یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ اس ہوٹل کے کسی کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں بہت آسانی سے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال سکتا تھا مگر پھر ہمارے لیے سوبھراج تک پہنچنے کے مواقع محدود ہوجاتے۔ بلیک کیٹس سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ چوپڑا کی طرح مار کھا کر زبان کھول دیں گے۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔ سرور کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

واقعات سنسنی خیز انداز میں خاصی تیزی سے رونما ہو رہے تھے۔ میرے لیے وہ صبر آزما صورتِ حال اعصاب شکن تھی کیونکہ میں کبھی بھی اپنے کسی حریف کو اتنی مہلت دینے کا عادی نہیں رہا تھا۔ سانولا آدمی سامنے تھا۔ اس کا کم از کم ایک بھیانک جرم ثابت ہوچکا تھا۔ اسے جلد از جلد اپنے کیفرِ کردار کو پہنچنا چاہیے تھا۔ اس کی ہوٹل میں مستقل موجودگی کا انکشاف محض چند منٹ پہلے ہوا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے ڈھیل دیتے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہو۔ اگر مجھے حشمت یا سوبھراج کی فکر نہ ہوتی تو میں شاید اسے فون بوتھ سے واپس نہ جانے دیتا۔ کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر اسے بھرے ہوٹل میں گھیر لیتا۔

میں وہیں بیٹھا اپنا خون کھولاتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے سلطان شاہ نظر آیا۔ وہ کسی لاابالی نوجوان کی طرح ایک بیگ اپنے گلے میں ڈالے' متلاشی نظروں سے اس علاقے میں موجود لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا آگے چلا آرہا تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ وہ روشنی کے نمایاں فرق اور فاصلے کی وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میرے پیچھے آؤ!" میں یہ کہتا ہوا اس کے قریب سے نکل گیا۔

اس نے مجھے دیکھ کر کسی تپاک کا مظاہرہ کیا نہ میں نے اس کی طرف توجہ دی۔ وہ باتیں میں نے فون پر اسے سمجھا دی تھیں۔

سلطان شاہ نے اسی انداز میں چلتے ہوئے اپنی سمت

Downloaded from https://paksociety.com

تبدیل کی اور میرے پیچھے پیچھے لفٹ تک پہنچ گیا۔

چند ثانیوں بعد ہم دونوں اول خان والے کمرے میں موجود تھے۔ اس نے بیٹھتے ہی اپنے بیگ کی زپ کھول دی۔ اس میں سی ایس ڈی کے نیچے میرا شب خوابی کا لباس موجود تھا۔

"اب شاید کپڑوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ابھی ابھی وہ منحوس شخص دوبارہ نظر آیا تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات ہی اس کے کمرے کا سراغ لگا کر وہیں اس کا قصہ تمام کردوں۔ دوسروں کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔"

"اس کا دوبارہ نظر آنا نیک شگون ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں رہ رہا ہے پھر تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔" اس نے پوچھا۔

"میں مرو کو دیکھ رہا تھا اور ایک لڑکی عقب سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔" میں نے قدرے سنبھل کر جواب دیا "یوں معلوم ہورہا ہے جیسے بلیک کیٹس کے بارے میں ابتدائی افواہیں بے بنیاد نہیں تھیں۔ لڑکی کی موجودگی نے میری طبیعت کچھ مکدر کردی ہے۔ پتا نہیں وہ اچانک کہاں سے نمودار ہوگئی۔"

"وہ اس بار کہاں بم لگانے کے لیے آیا تھا؟"

"اپنے کسی آقا سے فون پر بات کرنے کے لیے نیچے آیا تھا۔"

"یہ کام وہ اپنے کمرے میں موجود فون سے بھی لے سکتا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"ہوٹل کے فون پر وہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی سے صدر میں دھماکے کے بارے میں معلوم کرنا چاہ رہا ہو۔ ان لوگوں کو ابھی تک خلش ہوگی کہ ایمپریس مارکیٹ کے علاقے سے ابھی تک بربادی کی کوئی خبر کیوں نہیں آئی۔"

"اس وقت تم پر غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت طاری ہے۔" سلطان شاہ نے محتاط لب و لہجے میں کہا "پتا نہیں تم کچھ کر گزرنے کے لیے اتنے بے چین کیوں ہو۔ آج دوپہر تک ہمارے پاس اپنے دشمنوں کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ چند گھنٹوں کی محنت سے اس وقت دو چہرے سامنے آچکے ہیں۔ ایک واردات روکی جاچکی ہے۔ تم اور کیا چاہ رہے ہو۔"

شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں نے خاموش رہ کر اپنی جھنجلاہٹ کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر نئی سگریٹ سلگالی۔

"مجھے ہوٹل میں بلاتے ہوئے تم بہت خوش اور پُرجوش تھے۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ہنس کر اس کی بات اڑادی۔

"اس وقت سرور کو پہلی بار ایسی انسانی پیشانی نظر آئی تھی جس پر زخم کا کوئی پرانا نشان موجود تھا۔" میں نے ہنسی کے دوران اپنی بات جاری رکھی "اب تم میرے بزرگ بننے کی کوشش مت کرو۔ میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی خوش اور پرجوش ہوں۔ میں مرو کو اب زیادہ مہلت نہیں دوں گا۔"

"اور عورت کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"ابھی تک عورت کا کوئی جرم سامنے نہیں آیا۔ اگر وہ بلیک کیٹ ہی ہے تو ضرور ماری جائے گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ نیچے سے سرور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کمرا آباد تھا یا خالی پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اوپر بلالیا۔

"سر! میں آپ کی تلاش میں سارے ہوٹل میں چکراتا پھر رہا تھا۔" سلطان شاہ سے تعارف ہونے کے بعد اس نے کہا "بالکل آخر میں مجھے کمرے کا خیال آیا۔"

"سلطان شاہ آگیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے اوپر آنا پڑا۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔"

"وہ لڑکی آپ کو نہیں پہچانتی۔" اس نے اپنے پہلے فقرے سے ہی میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا "آپ اس کے سامنے تھے پھر بھی اس نے آپ کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس نے چونک کر اس وقت آپ کو پیچھے سے گھورنا شروع کیا جب آپ بوتھ والے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔"

"وہ لڑکی اچانک کہاں سے نازل ہوگئی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"وہ لفٹ سے نہیں نکلی تھی۔ شاید پہلے سے نیچے منڈلا رہی تھی۔ بعد میں بھی وہ اس آدمی سے نہیں ملی۔ سیدھی کیفے کی طرف چلی گئی۔"

"مرو کہاں گیا؟" میں نے سوال کیا "میں ان دونوں کی نگاہوں سے بچنے کے چکر میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ فون ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔"

"میں اسی کے ساتھ لفٹ میں سوار ہوکر اوپر گیا تھا۔ وہ ساتویں منزل پر اترا تھا۔ میں اس کا کمرا دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"ہر کام قسطوں میں ہورہا ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "پہلی دفعہ شبہ ہوا۔ دوسری مرتبہ یقین آیا کہ وہ اسی ہوٹل

Downloaded from https://paksociety.com

میں ہے اور تیسری کوشش میں اس کا فلور معلوم ہوا۔ اب چوتھی بار کمرے کا نمبر معلوم ہوگا۔ اس کے بعد کہیں اس کے انجام کی باری آسکے گی۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ ان کا انجام اب بہت قریب ہے۔" میں نے سفاکی سے کہا۔

"وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے؟" سلطان شاہ نے براہِ راست سرور سے پوچھا۔

"وہ بے فکری سے کیفے میں ایک لڑکے کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کررہی ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ وہ شہر کی کوئی اوباش لڑکی ہو۔ تمہیں اس پر بلاوجہ شبہ ہوا ہو۔" میں نے سوال کیا۔

"ہوسکتا ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔" سرور نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا "مگر یہ بات ضرور ہے کہ وہ غور سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔"

"ہمارا ڈپی صاحب شان دار مرد ہے۔ دل پھینک لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں۔" سلطان شاہ مزاحیہ انداز میں بولا۔

"وہ دل پھینک لڑکی نہیں ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "آوارہ ہوتی تو مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر اپنے ناخنوں کو نہ نوچنے لگتی۔ مجھ سے نگاہیں ملا کر اشارے بازی کرتی۔ سرور میرا سایہ بنا ہوا ہے۔ وہ لڑکی دور رہ کر اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کررہی تھی۔"

"کیوں نہ کیفے میں چل کر اسی سے پہل کی جائے۔" سلطان شاہ کے پاس ریڈی میڈ تجویز موجود تھی "اس کے ساتھی کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ اس کی ساتھی ہوٹل سے اچانک کہاں غائب ہوگئی۔ مردوں کے مقابلے میں عورتیں مار کچی ہوتی ہیں۔ کیلی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔"

وہ قابلِ عمل تجویز نہیں تھی۔ اس کے ہر پہلو پر غور کرکے عمل کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ کی تجویز پر کوئی بات ہونے سے پہلے اول خان کا فون آگیا۔ آپریٹر کے ذریعے کمرے کی لائن لیتے ہی اس نے اپنی سی ایس ڈی آن کرکے مجھے کھلی گفتگو کا عندیہ دے دیا۔ اس نے سوبھراج کے گھر کے دو فون نمبر معلوم کرلیے تھے۔

اسے ہوٹل میں رونما ہونے والے واقعات کا کوئی علم نہیں تھا۔ دونوں فون نمبر لکھوانے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کے آدمی غیر معمولی تیزی سے مطلوبہ ٹیکسی تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ڈرائیور نے بتایا کہ اس نے ایمپریس مارکیٹ کی سواری کو میٹروپول ہوٹل کے چوراہے پر اتارا تھا۔ اول خان کی دانست میں وہ کوئی سراغ نہیں تھا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ٹیکسی اپنی منزل سے پہلے بدل لی ہوگی۔ فاصلہ کم تھا اس لیے اس نے میٹروپول سے پیدل مارچ کیا ہوگا۔" میں نے اس کی بات سن کر کہا "اب ان تفصیلات کی ضرورت نہیں رہی۔ کچھ دیر پہلے وہ دوبارہ نظر آیا تھا۔ اس مرتبہ سرور نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ وہ ساتویں منزل کے کسی کمرے میں رہ رہا ہے۔"

"آزادی سے کام کرنے کے لیے شاید یہ تمہاری آخری رات ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی دھیمی آواز آئی "مگر صبح تمہارے لیے مشکلات کا پیغام لے کر طلوع ہوگی۔"

اول خان کے دونوں فقرے سنگین تھے۔ میرے پورے بدن میں گویا چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں نے کہا "پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ کھل کر بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے۔"

"بن ڈیوڈ کا خون رنگ لارہا ہے۔ وہ اس کے انجام پر کوئی احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ انتقام کے طور پر انہوں نے صبح کے کئی بڑے اخبارات میں ایک مرتبہ پھر تمہارے خلاف بڑے بڑے انعامی اشتہار چھپوانے کا بندوبست کیا ہے۔ اشتہارات شائع ہوتے ہی تمہیں کچھ دنوں کے لیے روپوشی اختیار کرنی پڑجائے گی۔ یہ مجبوری ہے۔"

"بلیک کیٹس نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ کوبرا ان کی مدد کررہا ہے۔ دوسری طرف کوبرا اور نک کے گھرے مراسم ہیں۔ وہ ہمارے گھر کی نشان دہی کرکے پولیس سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے کہ اس پتے پر ریڈ کرکے ڈپی کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ بھارت میں بلیک کیٹس کو سارے ذرائع سے معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ وہ اپنی خفیہ معلومات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ شاید تمہارے گھر کا پتا اسی سانولے موذی تک محدود ہو۔ امریکیوں کو اس کی بھنک مل گئی ہوتی تو اب تک بہت کچھ ہوچکا ہوتا۔"

"ہمارے اخبارات بھی ان کے گماشتے بن گئے ہیں۔ کیا وہ ایسے اشتہار کی اشاعت سے انکار نہیں کرسکتے!" میں نے قدرے غصے سے کہا۔

"اخبارات صرف اشتہاروں کے بل پر چلتے ہیں ورنہ کوئی پانچ چھ روپے میں پاؤ بھر کاغذ نہیں دے سکتا۔" اول خان نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "پہلے صفحے کا وہ بڑا

Downloaded from https://paksociety.com

اشتہار لاکھوں کی مالیت کا ہوگا۔ اس کی اشاعت سے کون انکار کرے گا۔"

"ابتدا میں ان کے اشتہار مجھے پریشان کردیتے تھے۔ اب میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ ان کے پاس میری پرانی اور دھندلی تصویر ہے۔ شاید غزالہ بھی اب اسے نہیں پہچان سکے گی لیکن مجھے محتاط ہونا پڑے گا۔" میں نے بدمزگی سے کہا "بڑے انعام کے لالچ میں لوگ برادر فروش بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے میں کس گنتی میں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری اپنی آستین میں پلا ہوا کوئی سانپ مجھے ڈس لے۔"

"ایسی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ اپنی توجہ بلیک کیٹس پر مرکوز رکھو۔ صبح کے اخبارات بازار میں آنے سے پہلے ان کا کوئی بندوبست کرو۔"

"کیا ایس ٹی ایف موجودہ حالات میں میری طرف سے ان میں سے کسی ایک کا تحفہ قبول کرلے گی؟" میں نے پوچھا۔

"تم بلاوجہ تلخ ہورہے ہو۔ تم چاہو تو میں ابھی بھاری نفری وہاں بھیج دیتا ہوں۔ میرے آدمی تمہارے حکم پر آگ میں بھی کود پڑیں گے۔"

"مگر سوبھراج کی طرف نہیں جائیں گے!" اس وقت میرے سینے میں واقعی لاوا سا کھولنے لگا تھا۔

"تم مجھے ثبوت فراہم کردو کہ سوبھراج ہی حشمت اور کوبرا بنا ہوا تھا۔ تم دیکھنا کہ میں اس کی کیسی درگت بناتا ہوں۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس مرحلے پر اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنا کتنا مشکل کام ہے۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں میرے ہاتھ بھی بندھ جاتے ہیں۔" اس کی آواز میں بے بسی اتر آئی "سوبھراج بہت مشکل کیس ہے۔ اس وقت نام اور نمک کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ بن ڈیوڈ کی خودکشی نے انہیں دیوانہ کردیا ہے۔ مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ان دونوں نے مشترکہ طور پر ہماری وزارت داخلہ سے زبانی مطالبہ کیا ہے کہ میرا اور کرنل داور کا کسی اور اسٹیشن پر تبادلہ کردیا جائے۔"

"اوہ۔ تو کرنل داور ان کے اعصاب پر اتنا سوار ہے۔" میں نے تضحیک آمیز انداز میں کہا "اور یہ زبانی مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم کئی بار میری فورس کی بھرپور نمائندگی کرچکے ہو اور اب ارجن بھی کرنل داور کی قلابازی کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ وہ کوئی تحریری مطالبہ نہیں کرسکتے کیونکہ ان کی حکومت ہمارے اس سرکاری موقف کو تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان میں آئین سے ماورا کوئی ادارہ موجود نہیں ہے۔"

"مگر غیر سرکاری طور پر وہ سب کچھ جانتے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تو کیا وزارت داخلہ تمہیں کہیں اور بھیج رہی ہے؟"

"ہمارا کسی وزارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہیں صرف یہ بتارہا تھا کہ وہ کہاں کہاں اپنا دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

یہ جان کر میرا غصہ کچھ کم ہوا کہ صرف میں ہی عتاب میں نہیں آیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی دشمنوں کی نظر میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔

"وہ دو ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا "مرد ساتویں منزل کے کسی کمرے میں چھپا ہوا ہے۔ اسے میں بعد میں تلاش کروں گا۔"

ٹھہریئے اپنی ناک کا آپریشن کرانے سے پہلے

حیرت انگیز ہومیو پیتھک سائنسی تحقیق اور تجربہ سے تیار کردہ انتہائی زود اثر دوا

NariCOl Tablet

نزلہ، زکام کی ہو یا الرجک یا موسمی تبدیلیوں سے ناک کی ہڈی یا گوشت کے بڑھنے سے ہو، سر درد مستقل ہو، ناک بند ہو یا سانس لینے میں دشواری کیلئے مجرب شافی دوا ہے۔

ایک ہفتہ ضرور استعمال کر کے دیکھیں انشاء اللہ شفاء ہوگی

ایک بوتل کا کورس 180 روپے۔ منگانے پر V.P پارسل کی سہولت

مقررہ کردہ شوروم سے بھی کراچی سے باہر والے اس پتہ پر لکھیں

رابطہ: ہمدرد ایکو شوروم ہمدرد 8، ناظم آباد کراچی پی او بکس: 10914 کراچی 74700

تفصیل و معلومات کیلئے ٹیلیفون نمبر: 6647312 (صبح 11 سے 1 شام 5 سے 10)

E-mail: hdr_shoukatali@hotmail.com

موبائل 0300-9229413

Downloaded from https://paksociety.com

عورت کیفے میں بیٹھی کسی مقامی کو شیشے میں اتار رہی ہے۔ میں لڑکی سے ابتدا کرتا ہوں۔ کامیابی ہوگئی تو سرور اسے لے کر اسٹیشن فور پہنچے گا۔"

"مجھے تمہاری اس وقت کی کیفیت کا اندازہ ہے۔ تم ضرور کامیاب رہو گے۔" اس کی آواز پُر خلوص تھی "اگر ممکن ہو تو اب سرور سے میری بات کرادو۔"

سرور نے بس چند ثانیوں کے لیے ریسیور کان سے لگائے رکھا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔ شاید اول خان اسے کچھ نئی ہدایات دے رہا تھا پھر وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

"تم لابی میں بیٹھو۔" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "اب ہم وقت برباد کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ تم کو پیشانی کے نشان والے پر نگاہ رکھنی ہے۔ وہ جہاں نظر آئے' اس کا پیچھا کرو۔ اس کے ہاتھ سے نکلنے کا اندیشہ ہو تو بے دریغ اسے گولی مار دو۔ تھوڑی دیر بعد میں خود تمہارے پاس آجاؤں گا۔" سلطان شاہ اسی وقت اٹھ کر باہر چل دیا۔

○*○

سرور ہوٹل کے کیفے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ وہ لڑکی اس وقت بھی وہیں موجود تھی۔ جہاں اس نے اسے آخری بار دیکھا تھا۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی کی فضا پیدا ہوجانے کے نتیجے میں لڑکا بہت خوش نظر آرہا تھا۔

وہ کیفے تھا۔ وہاں صرف چائے' کافی' کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس سرو کیے جاتے تھے۔ کھانے کے لیے ہوٹل کے کسی ملحق ریستوران کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ کیفے میں لوگوں کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی۔

سرور نے اس لڑکی کی میز کے قریب' اپنی پسند کی جگہ منتخب کی اور ایسے زاویے سے کرسی پر جم گیا کہ لڑکی کا چہرہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ لڑکا سرور کی طرف پشت کیے' اپنی نئی نویلی محبوبہ سے مسلسل باتوں میں مصروف تھا۔ سرور لڑکے کی بے خبری میں کسی بھی وقت لڑکی کو براہِ راست اشارہ کرسکتا تھا۔

کیفے میں موجودگی کے جواز کے لیے سرور نے چائے کا آرڈر دیا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

وہ بڑے ہوٹل کا کیفے تھا اس لیے وہاں ہر چیز کے نخرے نرالے تھے۔ بھاپ اڑاتی ہوئی' گرما گرم چائے پورے سیٹ کی صورت میں خاصی دیر بعد آئی اور آدھی پی لی گئی لیکن اس دوران میں وہ لڑکی ایک مرتبہ بھی سرور کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ وہ پیشہ ور ایجنٹ تھی اور ایک وقت میں اپنی ساری توجہ ایک شکار پر مرکوز رکھنے کی عادی تھی۔

سرور کسی موقع کی تلاش میں دھیرے دھیرے چائے پیتا رہا۔ اس نے کیک اسٹینڈ میں سجے ہوئے اسنیکس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

خاصی دیر بعد لڑکی نے ایک بار اپنی بوجھل آنکھیں سرور کی طرف اٹھائیں' بے ساختہ سرور کی بائیں آنکھ دب گئی۔ وہ دیر سے اسی موقع کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہوگئیں۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کسی اجنبی سے ایسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

وہ پختہ کار تھی۔ سرور کی حرکت پر جھینپنے یا نظریں چرانے کے بجائے ڈھٹائی سے چند ثانیوں تک اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر دوبارہ خوش دلی سے لڑکے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ لڑکا رومان کی دنیا میں ایسا مگن تھا کہ اسے لڑکی کی تیوری کے ہلکے بل نظر آئے نہ اسے یہ اندازہ ہوا کہ چند ثانیوں کے لیے لڑکی کی توجہ کسی اور کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔

سرور نے لڑکی کے دل میں ایک بیج بودیا تھا۔ لڑکی نے ذرا سی دیر کے بعد ارادی طور پر اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔ سرور نے اسے آنکھ مار کر اپنے سر کو آگے کی طرف جنبش دی۔ وہ واضح طور پر لڑکی کو اپنی طرف بلانے کا اشارہ تھا۔ سرور نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس دوران بالکل سنجیدہ رہا تھا۔ اس نے کسی قسم کے تبسم کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

شاید لڑکی یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ وہ کون تھا جو باوقار انداز میں اسے دو بار آنکھ مار چکا تھا۔ وہ خطرناک حالات میں ایک دشمن ملک میں آئی ہوئی تھی۔ سرور کی حرکات نے اس کا ذہنی سکون درہم برہم کردیا۔ اس کی ساری شوخی اور بے فکری ذرا سی دیر میں رخصت ہوگئی۔ لڑکی کے رویے میں وہ تبدیلی اتنی نمایاں تھی کہ لڑکے کی عاشقانہ نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ان دونوں کے درمیان سرگوشیوں میں کچھ باتیں ہوئیں اور جب لڑکے نے مڑ کر سرور کی طرف دیکھا تو سرور خود کو ایک جارحانہ جھپٹے کے لیے تیار کرچکا تھا۔

ایسے جذباتی مواقع پر ہر جوان مرد مشتعل ہو کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے' اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے لیکن جب لڑکے نے اپنی گردن گھما کر سرور کی طرف دیکھا تو اسے لڑکے کی آنکھوں میں کوئی رقیبانہ چمک نظر نہیں آئی۔ ان نگاہوں میں ہلکی سی حیرت مجسم تھی۔ شاید لڑکی نے اس

Downloaded from https://paksociety.com

سے سرور کے آنکھ مارنے کی شکایت نہیں کی تھی۔

پھر لڑکے کے بجائے وہ لڑکی اپنی کرسی سے اٹھی۔ لڑکا شاید لڑکی کی ہدایت پر سرور کی طرف پشت کیے سیدھا بیٹھا رہا۔ وہ سیدھی سرور کی طرف آئی۔ اس کے رکنے تک سرور اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ بیٹھے رہنے کی صورت میں لڑکی کا طمانچہ زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

"تم نشے میں تو نہیں ہو۔ میں ابھی مار مار کر تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گی۔" وہ آتے ہی بلا کسی تمہید' سرگوشیانہ آواز میں غرائی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنے شولڈر بیگ پر تھا۔

"میں کوبرا کا آدمی ہوں۔" سرور نے اس سے زیادہ دھیمی مگر نرم آواز میں کہا "مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔" وہ برہمی سے بولی۔ "وہ خود کہاں ہے؟"

لڑکی نہ جانے کس زعم میں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ کوبرا کا نام سنتے ہی لڑکی کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے۔ میں نے سرور کو بھی یہی بتایا تھا۔ لڑکی کے بے پروایانہ رویے پر وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"یہیں بیٹھے رہو۔" لڑکی نے سختی سے سرور کے سینے پر انگلی مار کر کہا "میں فارغ ہو کر آتی ہوں۔"

وہ دوبارہ اپنی میز کی طرف چلی گئی۔ سرور تھکے ہارے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

دور سے وہ لڑکی جتنی حسین اور دلکش نظر آرہی تھی' قریب آنے پر سرور کے لیے اس سے زیادہ درشت اور تند خو نظر آئی تھی۔ اس کے لہجے میں خرانٹ عورتوں جیسی رعونت آگئی تھی۔ سرور نے سمجھ لیا تھا کہ وہ آسانی سے اس کے دام میں آنے والی نہیں تھی۔

سرور کو میں نے صرف کوبرا کا نام بتایا تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ کوبرا کا صحیح پس منظر کیا تھا۔ اس نے میرے کہنے پر خود کو کوبرا کا آدمی ظاہر کر دیا تھا مگر یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ لڑکی نے اس سے کوبرا کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیے تو وہ بغلیں جھانکنے کے سوا کیا کر سکے گا۔ لڑکی کے معاملے میں اسے الٹی آنتیں اپنے گلے پڑتی نظر آرہی تھیں۔ وہ لڑکی کو چھیڑ کر سلسلہ شروع کر چکا تھا۔ لڑکی اس کے سامنے موجود تھی۔ اس مرحلے پر سرور کے لیے پسپائی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اسے ہر حال میں آنے والے واقعات کا سامنا کرنا تھا۔

وہ اس لڑکے سے مزید چند منٹ تک الوداعی باتوں میں مصروف رہی۔ سرور یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ لڑکی نے اس کے بارے میں لڑکے کو کوئی معاندانہ بات نہیں بتائی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس نے سرور کو اپنا کوئی شناسا ظاہر کر کے لڑکے سے معذرت چاہی ہو۔ وہ سب ان دونوں کی آپس کی باتیں تھیں۔ ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی وہ ملاقات اختتام کو پہنچتی ہوئی نظر آنے لگی۔ لڑکے نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر سرسری نظروں سے سرور کی طرف دیکھا۔ وہ بے فکری سے لاتعلقانہ انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

شاید ان کا بل پہلے سے آچکا تھا۔ لڑکے نے اپنی جیب سے پرس نکال کر چند سرخ نوٹ ٹیبل کور کے نیچے دبائے اور وہ دونوں کیفے کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لڑکے کو دروازے سے رخصت کر کے وہ اطمینان سے واپس آئی اور سرور کی میز پر' اس کے سامنے والی کرسی پر جم گئی۔

"ہاں' اب بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔" اس نے خراب تیوروں کے ساتھ براہِ راست سرور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔ باہر میرا ساتھی موجود ہے۔ وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔" سرور نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔ تو تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" لڑکی کے ہونٹوں سے تنفر آمیز سرگوشی برآمد ہوئی۔

"اخلاقاً"

"آپ۔ کے تحفے کا بہت بہت شکریہ۔"

"ارے صاحب..... چھوڑیے..... اتنی معمولی سی چیز کا کیا شکریہ ادا کرنا....."

"خیال تو میرا بھی یہی تھا..... لیکن میری بیوی بضد تھی کہ میں اخلاقاً آپ کا شکریہ ادا کر دوں۔"

تعلق

"بے خوابی کے علاج کے بعد تمہیں بہت سکون ملا ہوگا؟"

"ہاں.... واقعی بہت سکون ملا ہے۔ اب تو میں آدھی آدھی رات تک جاگ کر یاد کرتا رہتا ہوں کہ بے خوابی کی وجہ سے میں کتنی تکلیف میں تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"سرور اثبات میں اپنا سرہلا کر رہ گیا۔ وہ لڑکی سے گفتگو کے معاملے میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب اس نے پورے شہر کو میری یہاں موجودگی سے باخبر کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس نے طنز سے کہا۔ ظاہری غصے اور اشتعال کے باوجود اس لڑکی نے اپنی آواز اتنی دھیمی رکھی ہوئی تھی کہ کیفے میں موجود کسی اور فرد کو اس کی گفتگو کی ہوا نہ لگ سکے۔

"اس کے معاملات کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سرور نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی پھر لڑکی نے ہی تھکی ہوئی آواز میں اس سکوت کو توڑا "دیکھو! میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ حالات بگڑ گئے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس سے کہاں رابطہ قائم کرسکتی ہوں۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ارجن کے قتل کے بعد سب کچھ بدل گیا ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ میرا ساتھی تمہاری کوئی مدد کرسکے۔" سرور نے اس پر اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے گول مول سا جواب دیا۔

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" لڑکی نے سرور کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"پارکنگ میں ہمارا انتظار کررہا ہوگا۔" سرور نے کہا۔

لڑکی روانگی کے لیے آمادہ ہوگئی۔ ویٹر نے اپنے تجربے کی بنا پر ان کی روانگی کا اندازہ لگالیا تھا۔ وہ بل سمیت قریب ہی موجود تھا۔ سرور اسے فارغ کرکے اٹھ گیا اور وہ دونوں ہوٹل سے نکلنے کے راستے کی طرف چل دیے۔ لڑکی نے یکایک بالکل خاموشی اختیار کرلی تھی۔ وہ فطری طور پر بہت محتاط معلوم ہوتی تھی' اس نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ سرور محض پیچ کا آدمی تھا۔ اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی اس لیے اس سے بات کرنا بے سود تھا۔

میری نگاہیں مسلسل ہوٹل سے آنے والے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ روشن اور تاریک دھبوں میں وہ مجھے دور سے ہی نظر آگئے اور میں نے اس لڑکی کے استقبال کے لیے اپنی انگلی میں موجود سبز رنگ والی انگوٹھی کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمالیا۔ راکے کم از کم چار آدمی ہمارے ہاتھ سے یوں نکل گئے تھے کہ ہم انہیں زندہ پکڑنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکے تھے۔ بلیک کیٹس میں سے کسی ایک کو زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا تاکہ اس کی زبان سے تازہ بھارتی عزائم کے بارے میں کچھ اگلوایا جاسکے۔

وہ دونوں محافظ کے قریب سے گزر کر پارکنگ لاٹ میں داخل ہوئے اور میری طرف بڑھتے چلے آئے۔ میں نے جان بوجھ کر ایک تاریک حصے کا انتخاب کیا تھا تاکہ آنے والی پہلی نظر میں مجھے نہ پہچان سکے۔ سرور نے اپنے مشاہدے کی بنا پر مجھے یہ بتادیا تھا کہ شاید وہ لڑکی ماضی کے کسی حوالے سے مجھے نہیں پہچانتی تھی مگر میں پھر بھی محتاط تھا۔ ہوٹل کی لابی میں وہ پوری طرح مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ پارکنگ لاٹ میں میرے بہت قریب آکر شاید وہ مجھے ذہبی بلکہ مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لیتی۔ بلیک کیٹس کا چکر شروع ہونے سے اس وقت تک وہ مسئلہ میرے ذہن سے مسلسل چپکا ہوا تھا۔

"وہ مجھ سے کئی فٹ کے محفوظ فاصلے پر رک گئی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر ابھری تھی جو زیادہ قوی نہیں تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا "اوہو ... یہ تم ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم ہی فیروز کی نگرانی کررہے تھے۔"

لڑکی کے اس ایک فقرے نے میرے ذہن کے کئی بوجھ ہلکے کردیے۔ اس نے دہلی میں مجھے مظہر کے روپ میں دیکھا تھا اور نہ مجھے چہرے سے پہچانتی تھی۔ اس نے مجھے پہلی بار اسی وقت دیکھا تھا جب میں اس کے فون بوتھ میں موجود ساتھی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس بارے میں سرور کا مشاہدہ سو فیصد درست تھا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ سامنے آئی تھی کہ اس کے ساتھی نے کراچی میں قیام کے دوران میں فیروز کا فرضی نام اختیار کیا ہوا تھا۔ نام کے ذریعے ہوٹل میں اس کے کمرے کا سراغ لگانا بہت سہل ہو گیا تھا۔

میرا ارادہ اس سے زیادہ باتیں کرنے کا نہیں تھا۔ میں پہلی فرصت میں اسے بے ہوش کرکے اسٹیشن فور کی طرف روانہ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ بہت گھاگ تھی۔ مجھ سے اتنی دور رکی تھی کہ میں جھپٹ کر اسے اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا تو مجھے ناکامی کا سامنا ہوسکتا تھا۔

"میں وہی ہوں۔" میں نے اس کے ذہن کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک رکھنے کے لیے کہا "میں چھ بجے سے ان ہی اطراف میں موجود ہوں۔ کوبرا فیروز کی کارکردگی سے خوش نہیں ہے۔"

"کون فیروز؟" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اسی لمحے مزید پیچھے سرک گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھی کی بات کررہا ہوں۔ پانچ بجے وہ واقعہ نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔" اسے وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔

لڑکی ہذیانی انداز میں بڑبڑائی "آخر میرا شبہ درست نکلا۔ تم دونوں فراڈ ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک اپنے سینے میں سے ایک پستول نکال کر میرے اوپر تان لیا اور سرور سے بولی "چلو۔۔۔ اپنے ساتھی کے برابر میں آجاؤ۔ ذرا بھی دیر کی تو میں گولی ماردوں گی۔"

میں لڑکی سے غافل نہیں تھا لیکن مجھے اس سے اتنی پھرتی دکھانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ یکایک خطرے میں گھر گئی تھی۔ پستول نکالنے کے بعد وہ کسی بھی لمحے ہم دونوں پر فائر کرسکتی تھی۔

"میں نے تم دونوں کو پرکھنے کے لیے جان بوجھ کر اس کا غلط نام لیا تھا۔ تم گوبرا کے آدمی ہوتے تو مجھ سے پوچھتے کہ میں کس فیروز کی بات کررہی ہوں۔ تم دونوں ابھی بہت کچے ہو۔ میرے پہلے ہی جھٹکے میں ڈھیر ہوگئے۔" وہ زہریلی آواز میں بولتی چلی گئی "اب بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو۔۔۔ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"اِی۔۔۔ اسے نیچے کرلو۔" میں نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی اور فریادی انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں پھیلا دیا "یہ چل گیا تو میں مفت میں مارا جاؤں گا۔"

میں نے لڑکی کو گھیرنے کے لیے جان بوجھ کر پارکنگ لاٹ کے ایسے حصے کا انتخاب کیا تھا جہاں کسی کی مداخلت کے اندیشے کے بغیر کارروائی پوری کی جاسکے۔ اس وقت وہی ویرانی ہمارے لیے مسئلہ بن گئی تھی۔ پلک جھپکتے میں وہ لڑکی ہم پر پوری بے خوفی سے غالب آگئی تھی اور دور تک میدان صاف پڑا ہوا تھا۔

لڑکی میری فریاد پر آسودہ انداز میں ہنسی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں پھیلا کر ایک لمبی قلابازی کے لیے پر تول رہا تھا۔

اس نے جس عیاری' مکاری اور پھرتی سے چشم زدن میں ہمیں اپنے نشانے پر لیا تھا اس کی بنا پر مجھے دل ہی دل میں مان لینا پڑا کہ وہ بہترین تربیت اور تجربے کے ہتھیاروں سے لیس تھی۔ وہ میری اور اس کی پھرتی کا براہِ راست مقابلہ تھا۔ اگر مجھے اسے گرانے میں ذرا سی بھی تاخیر ہوجاتی تو وہ اسی لمحے مجھے فضا میں اڑتے ہوئے گولی ماردیتی۔

میں نے داہنا ہاتھ گرائے بغیر ایک مرتبہ پھر درمیانی فاصلہ' اپنے قدموں کی قوت اور لڑکی کی پوزیشن کا اندازہ لگایا اور پھر اچھل کر اپنی جگہ چھوڑدی۔ میں فضا میں اڑتا ہوا لڑکی پر جا پڑا۔ میرے دونوں جوتے پوری قوت سے اس کے سینے پر

سدا بہار فلمی گیتوں کا نوٹیشن

سُر سنگ گیت

موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!
اس کتاب میں دیئے گئے گیتوں کا نوٹیشن ایسا ہے جس پر عمل کرکے گلوکاروں کی گائیکی کے مخصوص انداز بھی اپنائے جاسکتے ہیں۔ "سرنوٹیشن" میں نئی علامات اختراع کرکے گلوکاروں کے ہر انداز کو اجاگر کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔

صفحات 208 | ڈاک خرچ 25 روپے | قیمت 200/-

کتاب کی قیمت، بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز، لوہار چاول، اسٹریچن روڈ، کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

پڑے تھے۔

وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ لڑکی کے حلق سے چیخ بھی نہیں نکل سکی۔ شاید اضطراری چیخ اس کے سینے میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ ایک زوردار چکی کے ساتھ پکی زمین پر گر گئی۔ اس کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اس کو مار گرانے کے چکر میں' میں خود بھی بے طرح زمین پر گرا تھا۔ اپنی کھوپڑی کو کسی کاری ضرب سے بچانے کے چکر میں میری ہتھیلیوں پر کنکروں کی خراشیں آئی تھیں مگر میرے پاس ان معمولی باتوں کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں تیزی سے سنبھل کر پلٹا تو وہ زمین پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

وہ چوٹ کی بے ہوشی تھی جو کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا ذرا سا زہر اس کی صراحی دار گردن کی رگوں میں اتار دیا۔

وہ بہت اہم اور فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ کوئی اس طرف آنکلتا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ سرور میری ہدایت کا انتظار کیے بغیر اپنی گاڑی لینے کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس وقت کی ذرا سی تاخیر کتنی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

گاڑی آتے ہی ہم دونوں نے تیزی سے اس لڑکی کو پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ میں نے اس کے زمین پر پڑے ہوئے شولڈر بیگ کو کھول کر دیکھا تو میری توقع کے مطابق ہوٹل کے کمرے کی چابی اس میں موجود تھی۔ چابی کے ساتھ جھولتے ہوئے سفید پلاسٹک پر ہوٹل کے مونوگرام کے ساتھ کمرے کا نمبر بھی درج تھا۔

چابی اپنی جیب میں ڈال کر میں نے بیگ لڑکی کے اوپر پھینکا اور ہاتھ لہرا کر سرور کو اشارہ کیا۔ گاڑی کا انجن بیدار تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے کپڑے جھاڑے اور پھر ہوٹل کی عمارت کی طرف چل دیا۔

لڑکی کے شولڈر بیگ سے سات سو چار نمبر چابی برآمد ہوئی تھی۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ دونوں الگ الگ کمروں میں رہ رہے تھے یا ایک ساتھ مقیم تھے۔ کسی کمرے کا رخ کرنے سے پہلے یہ اندازہ ہونا ضروری تھا کہ اندر کی کیا صورت حال تھی۔

لڑکی شروع سے اپنی چابی سمیت کیفے میں موجود تھی جب کہ مرد فون بوتھ سے ایک کال کرنے کے بعد ساتویں منزل پر واپس چلا گیا تھا۔ قرائن یہ بتا رہے تھے کہ وہ دونوں اپنی غیر حاضری میں کمرا غیر مقفل چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ایک کمرے کی ایک ہی چابی گاہکوں کو فراہم کی جاتی تھی۔ اگر وہ ایک کمرے میں اکٹھے رہ رہے ہوتے تو مرد کو کمرے میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت پڑتی۔ لڑکی کے بیگ سے چابی برآمد ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ الگ کمرے میں رہ رہی تھی۔

لڑکی بے ہوش ہو کر اسٹیشن فور کی طرف سدھار چکی تھی۔ اس کا کمرا خالی ہونا چاہیے تھا۔

سلطان شاہ کی طرف جاتے ہوئے' میں نے راستے سے انٹر کام پر لڑکی کے کمرے کا نمبر ملایا تو دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ کافی دیر تک جواب نہ ملنے پر میں نے فون بند کر دیا۔

میں واپس پہنچا تو سلطان شاہ لابی میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

"لڑکی کا قصہ نمٹ گیا۔ اب اس کا ساتھی رہ گیا ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے تفصیلات کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر پوچھا۔

"کچھ دیر اور بیٹھو میں اوپر کا جائزہ لیتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا "اس کے بعد سوچیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اوپر جاؤں اور وہ اس دوران میں ادھر سے نکل آئے۔ اسے ہر قیمت پر اور ہر حالت میں ہمارے ہاتھ آنا چاہیے۔"

میں نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھا دیا "یہ رکھ لو۔ ضرورت ہوئی تو میں اس پر تم سے بات کروں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں ساتویں منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ لڑکی کا کمرا بدستور مقفل تھا۔ مجھے اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

میں نے تیزی کے ساتھ کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر وہاں کپڑوں کے چند جوڑوں' ریزگاری اور میک اپ کے ہلکے پھلکے سامان کے علاوہ کوئی چیز نہیں مل سکی جس سے لڑکی کے اصل یا فرضی نام کے بارے میں کچھ پتا چلتا یا اس کے ماضی کا کوئی سراغ ملتا۔ وہاں مجھے ہوٹل کے دوسرے کمرے کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں چل سکا جس میں لڑکی کا ساتھی ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ عجیب جمود تھا۔ میرا شکار میرے آس پاس کے کسی کمرے میں موجود تھا مگر میں اس کے نام یا کمرے کے نمبر سے واقف نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محض اس کی پیشانی کے زخم کے سہارے کسی سے اس کے بارے میں کیسے بات کی جائے۔ میں لڑکی کے بے داغ بستر پر بیٹھا سوچتا رہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

آخر کار میں نے روم سروس والوں سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے کارڈ پر نمبر دیکھ کر روم سروس کو چائے کا آرڈر دے دیا اور آنے والے سے مذاکرے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

ادھیڑ عمر کی ایک طرح دار ویٹرس میرے لیے چائے لے کر آئی تو مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔ اس نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا لیکن میز پر چائے کے برتن لگاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"سر! کیا مس سونیا کہیں گئی ہوئی ہیں؟"

جمود ٹوٹا تھا۔ ویٹرس نے لڑکی کا مفروضہ نام خود بہ خود اگل دیا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا "وہ اپنے اسی ساتھی کے ہمراہ فارمیسی تک گئی ہے جس کے ماتھے پر زخم کا پرانا نشان ہے۔"

"ابرار صاحب!" بسیار گو ویٹرس نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرا نام بھی خود اگل دیا۔ "وہ تو برابر والے کمرے میں بیٹھے کچھ کام کر رہے ہیں۔ ابھی میں نے انہیں سگریٹ کا پیکٹ پہنچایا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھا کر میرے کمرے کی داہنی دیوار کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں رہ گئی ہو۔ ابھی آجائے گی۔" میں نے اپنا سرسری انداز برقرار رکھا پھر اس سے فرمائش کی "ذرا میرے لیے چائے بھی بنا دو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ لے کر اپنے بلاؤز میں اڑس لیا۔

اس کے مزاج سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے سو روپے کی ٹپ وصول کرنے کے بعد بھی باہر جا کر خاموش نہیں رہے گی۔ میرے بارے میں اپنے ساتھیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور بتائے گی۔ اس کا منہ بند کرنے کے لیے رشوت کے ساتھ کسی قسم کی دھونس بھی بہت ضروری تھی۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "کل تمہارے ہوٹل میں ارجن بہت عجیب حالات میں مارا گیا تھا۔ میں اسی کے قتل کی تفتیش کرنے یہاں آیا ہوں۔ پولیس کی وردی سے ہوٹل میں خوف و ہراس پھیلتا ہے اس لیے تم مجھے سادہ کپڑوں میں دیکھ رہی ہو۔ میرا نام انسپکٹر باجوہ ہے۔"

میری زبان سے پولیس کا ذکر سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "تو کیا مس سونیا۔۔۔"

"شش!" میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ "سونیا نہیں، ہمیں ابرار پر شبہ ہے مگر تم یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ اپنی زبان کھولی تو مجرموں کے ساتھ تم بھی گواہی شہادت کے چکر میں رگیدی جاؤں گی۔ تم شریف عورت ہو اس لیے میں نے یہ بات تمہیں بتا دی ہے۔"

"سر۔۔۔ مجھے اپنی شفٹ انچارج کو بتانے پڑے گا کہ اس کمرے میں مس سونیا کے بجائے آپ موجود ہیں۔"

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا ورنہ تم خود نتیجے کی ذمہ دار ہو گی۔" میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھا دیا "تمہاری اس حرکت سے ابرار کو بھنک مل سکتی ہے۔ وہ بھاگ گیا تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گی۔"

وہ بری طرح سہم گئی۔ "انسپکٹر صاحب، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر یہ ہماری ڈیوٹی ہے کہ کسی کمرے میں ہوٹل کے مہمان کے بجائے کوئی اور موجود ہو تو فوراً شفٹ انچارج کو خبر کریں۔ آپ کے چائے کے بل پر بھی مس سونیا کے دستخط ہونے ضروری ہیں ورنہ بل کلرک اعتراض کرے گا۔"

"بل کی تم پروا نہ کرو۔ وہ میں نقد ادا کروں گا۔ بس تم اپنی زبان بند رکھو۔ میرے جانے کے بعد تمہیں آزادی ہو گی کہ جس سے چاہو، کہتی رہو۔"

"سر! بعد میں بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ بے بسی سے بولی "مجھ پر الزام آئے گا کہ میں نے وقت پر کسی کو اطلاع کیوں نہیں دی۔ ارجن صاحب کے مرنے کے بعد سے ہوٹل کا سارا اسٹاف سہما ہوا ہے کہ پتا نہیں کب کس کی باری آجائے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ بولتے رہنے پر آمادہ تھی۔ اچانک مجھے حشمت کا خیال آگیا۔ میں نے کہا "کل ارجن مارا گیا اور کل ہی تیسرے فلور کا ایک آدمی اچانک اپنا کمرا چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں کوئی بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہم سارے معاملات کی چھان بین کر رہے ہیں۔"

"تین سو دس نمبر والے کے بارے میں سب چہ میگوئیاں کر رہے ہیں لیکن دفتر والوں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ وہ ارجن صاحب کا پکا دوست تھا۔ جب بھی یہاں ٹھہرتا تھا، ارجن صاحب دن میں کئی بار اس کے کمرے میں جاتے رہتے تھے۔"

"تم نے اسے دیکھا تھا۔" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"ڈیوٹی ٹائم میں ہم اپنے فلور پر رہتے ہیں۔ کچن اور کیفے میں آتے جاتے ہوئے ایک دو بار اسے دیکھا تھا۔" وہ بول رہی تھی "لمبا چوڑا، داڑھی مونچھوں والا، رعب دار آدمی ہے، لمبی ناک طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے مڑی ہوئی

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ آواز بھی اونچی اور گرجدار ہے۔ دیکھنے میں دلیر آدمی لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ چپکے سے کمرا کیوں چھوڑ گیا۔"

اس عورت نے حشمت کی مڑی ہوئی ناک کا ذکر کر کے میرا دل خوش کر دیا تھا۔ اپنی اس پہچان کو سو بھراج کس طرح چھپا سکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس وقت تک اول خان کا کوئی آدمی حشمت کے خدوخال کی اس نمایاں ترین خوبی یا خامی کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر رہا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے سو روپے کا ایک اور نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی "سو روپے میں نے بے خبری میں لے لیے تھے۔ پولیس والوں سے ٹپ لینا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ رکھ لو۔ تم ضرورت مند معلوم ہوتی ہو۔ وردی کے بغیر میں تمہاری طرح کا عام آدمی ہوں۔"

اس نے دوسرا نوٹ بھی بلاؤز میں رکھ لیا اور بولی "میرا نام نرگس ہے' کوئی ضرورت ہو تو روم سروس کا نمبر ملا کر مجھے نام سے بلا لیں۔"

وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ بہت معمولی سی ویٹرس تھی لیکن اس نے ذرا سی دیر میں میری کئی مشکلات آسان کر دی تھیں۔ اس نے برابر کے کمرے میں سونیا کے ساتھی کی موجودگی کی مصدقہ اطلاع دے کر میرے ذہن میں ایک ہلچل سی برپا کر دی تھی۔

میں تذبذب میں پڑ گیا تھا کہ اسے کمرے سے باہر نکال کر زیر کروں یا پھر بے خبری کے عالم میں اسے کمرے میں ہی دبوچ لوں۔ دونوں صورتوں کے اپنے اپنے فائدے اور نقصانات تھے۔ میں چائے نوشی کے دوران میں اسی ادھیڑبن میں مبتلا رہا۔ چائے ختم ہونے تک میں اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل طے کر چکا تھا۔

میں سونیا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے دائیں طرف والے کمرے کا نمبر سات سو چھ تھا۔ سامنے والی قطار طاق نمبروں والے کمروں پر مشتمل تھی میں نے ایک مرتبہ پھر باہر نکل کر ابرار کے کمرے کے نمبر کی تصدیق کی اور دوبارہ سونیا کے کمرے میں آ کر فون پر براہِ راست لائن ملا کر اپنا موبائل فون نمبر ملایا۔ سلطان شاہ نے جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ بدستور لابی میں بیٹھا ہوا تھا۔ مطلوب چہرہ ابھی اسے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے اطمینان سے ابرار والے کمرے میں آنے کی ہدایت کی اور اٹھ گیا۔

اپنی داہنی جیب میں موجود بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے میں باہر نکلا۔ سونیا کی چابی میں نے اندر ہی چھوڑ دی تھی۔ کیونکہ میرا دوبارہ اس کمرے میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ بھی تھا' اوارث پڑا رہنا تھا۔ سونیا کا کمرا بند کر کے میں نے چند قدم آگے ابرار کے دروازے پر دستک دی۔ میں جان بوجھ کر ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا کہ ذرا سا دروازہ کھلتے ہی وہ میری شکل نہ دیکھ سکے۔ میرے حساس کانوں نے اندر کے نرم قالین پر قدموں کی دھمک محسوس کی' دروازے کا لیور گھوما اور پھر محتاط انداز میں دروازے میں جھری پیدا ہوتی چلی گئی۔

پیشانی پر زخم کے نشان والا چہرہ سامنے آتے ہی بہ یک وقت دو واقعات رونما ہوئے۔

ابرار کے فرضی نام سے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا وہ خبیث شخص یقینی طور پر مجھے دہلی میں منظر کے روپ میں دیکھ چکا تھا۔ میرے چہرے پر پہلی نظر پڑتے ہی اس نے بوکھلا کر تیزی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر اس وقت میں دروازے میں اپنا جوتا اڑا چکا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ زور آزمائی کے لیے جیب سے باہر آ چکا تھا۔

"یو بلاڈی باسٹرڈ' سن آف اے بچ۔" اندر وہ ہانپتی ہوئی اور خوف زدہ آواز میں انگریزی میں گالیاں بکتے ہوئے دروازہ بند کرنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے دروازے پر اس کے دباؤ کا اندازہ لگایا ....اور پھر ایک جھٹکے سے پٹ کو پوری طاقت سے اندر دھکیل دیا۔

ابرار اس جھٹکے کو نہیں روک سکا۔ دروازے میں جگہ پیدا ہوتے ہی میں پھنس کر اندر گھس گیا۔ وہ اپنی ناکامی کا احساس ہوتے ہی بہت تیزی سے واپس پلٹا تھا مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرے اوپر کوئی ہتھیار اٹھا لے گا۔ میں نے کہنی مار کر اپنے عقب میں کھلا ہوا دروازہ بند کیا اور اپنی جیب سے بیم گن نکال کر اس پر تان لی۔

سامنا ہو جانے کے بعد میں اسے ذرا سی بھی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ انگوٹھیاں گھمانے اور استعمال کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں نے پیچھے سے اس پر جست لگائی اور اس کی داہنی کنپٹی پر بیم گن کے آہنی دستے کی شدید ضرب لگا کر' اسے اپنی گرفت میں دبوچے' قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

وہ میرے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس پر دوسرا وار کرنے کے لیے میں نے اس کے بدن کے نیچے دبا ہوا اپنا بایاں ہاتھ

Downloaded from https://paksociety.com

نکالنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ وہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں نے اسے اتنی تیزی سے زیر کر لیا تھا۔

طویل ذہنی مشق اور کوششوں کے بعد دو بلیک کیٹس کی زندہ گرفتاری ایک معجزے سے کم نہیں تھی۔

میرے ذہن پر یہ فکر سوار ہو گئی کہ اسے ہوٹل کے بند کمرے سے کیسے نکالا جائے۔ میں اپنے طور پر کوشش نہیں کر سکتا تھا اس کام میں اول خان کی مدد ضروری تھی۔

میں اس مخمصے سے دوچار تھا کہ سلطان شاہ آگیا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ اوندھے اور بے حس پڑے ہوئے شکار پر گئی تو وہ حیران رہ گیا۔ "ہائیں۔۔۔ ابھی ابھی تو تم اوپر آئے تھے اور تم نے آتے ہی اسے مار بھی لیا۔"

"مجھے اس فلور پر آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون لے کر کہا "میں نے لڑکی کے کمرے میں بھی خاصا وقت گزارا ہے۔"

"میں فون کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ تم نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔" اس نے اپنی بات کی تصحیح کی۔

"امید تو نہیں کہ کچھ مل سکے گا لیکن تم جلدی سے کمرے کی تلاشی لے ڈالو۔ ابرار کی جیبیں بھی دیکھ لینا۔ اتنی دیر میں 'میں اول خان سے بات کیے لیتا ہوں۔"

"ابرار!" سلطان شاہ نے چونک کر حیرت سے کہا "تو کیا یہ کوئی مقامی مسلمان ہے؟"

"جب تک اس کا اصل نام کا علم نہیں ہو جاتا' ہم اسے اسی نام سے پکارنے پر مجبور ہیں جو ہوٹل میں لکھا ہوا ہے۔"

سلطان شاہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں نے موبائل فون پر اول خان کا وہ نمبر ملا لیا جس سے سی ایس ڈی منسلک نہیں تھی۔ مجھے توقع تھی کہ ایک بلیک کیٹ کی اسٹیشن فورپر آمد کی خبر ملنے کے بعد وہ اپنا دفتر نہیں چھوڑ سکے گا۔ میری وہ خوش فہمی درست ثابت ہوئی۔ کال اول خان نے خود وصول کی تھی۔

"تمہارا تختہ کہاں ہے میں اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں۔" اس نے میری آواز سن کر کہا "اور تم نے سی ایس ڈی والی لائن پر فون کیوں نہیں کیا؟"

"میں موبائل سے بات کر رہا ہوں' لڑکی کو سرور لے گیا ہے۔ وہ راستے میں ہو گا۔ یہاں سات سو چھ نمبر میں دوسرا مرغا تیار ہے۔"

"کمال ہے جن کا اتنا شور اور شہرہ تھا۔ تم نے ان دونوں کو زندہ پکڑ لیا ہے۔" حیرت سے اس کی آواز خاصی بلند ہو گئی۔

"یہ خاموشی سے مار کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے باہر کیسے نکالوں؟"

"یہ اور بھی حیرت کی بات ہے کہ اس نے کوئی اودھم نہیں مچایا۔ وہ ذرا سی بھی چیخ و پکار کرتا تو وہاں ایک تماشا بن جاتا۔"

"وہ جانتا تھا کہ اس کی چیخ و پکار اسے لے ڈوبے گی۔ آواز نکلتے ہی میں اس کے دل یا دماغ پر بیم گن فائر کر دیتا۔ تم ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ مجھے میری پریشانی کا کوئی حل بتاؤ۔ کوئی حل نہیں ہے تو میں اسے مار کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ میں اس موذی کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا۔"

"باتیں کرتے ہوئے بھی میرا ذہن کام کر رہا ہے۔" اس نے مجھے تسلی دی پھر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ایسا کرو کہ تم اسے بیہوش حالت میں لے کر ہوٹل سے دو میل نرسوں کے ساتھ ایمبولینس بھیجتا ہوں۔ وہ خاموشی سے اسے نکال لائیں گے۔"

وہ سہل ترین ترکیب تھی۔ نہ جانے میرا ذہن اس طرف کیوں مبذول نہیں ہوا تھا۔

"بس تم جلدی سے ایمبولینس بھیج دو اور گھر نکل جاؤ۔ رات بھر اٹینشن فورپر رہ کر دونوں قیدیوں کے دماغ ٹھکانے پر آجائیں گے تو صبح ان سے بات کریں گے۔"

"میں تو ابھی ان کی گوشمالی کا ارادہ کر رہا تھا۔ ان دونوں سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"یہ کہو کر انہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ ہمیں کیا بتاتے ہیں' اس کا انحصار خود ان کے رویے پر ہے۔ فی الحال انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

اول خان نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جلد از جلد ایمبولینس بھجوانے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

میں نے ہوٹل میں اپنا بیشتر وقت بے کار رہ کر یا انتظار کرتے ہوئے گزارا تھا۔ صحیح معنوں میں کام کرنے کا موقع صرف پچھلے ایک آدھ گھنٹے میں ملا تھا جس کے نتیجے میں میری طبیعت کچھ بحال ہوئی تھی ورنہ طبیعت پر تھکن کا احساس غالب تھا۔ میں اپنی مصروفیات سے نمٹ کر جلد از جلد گھر واپس جانے کا خواہش مند تھا۔

سلطان شاہ کمرے کی تلاشی سے فارغ ہو چکا تھا۔ سونیا کی طرح ابرار کے کمرے میں سے بھی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ شاید وہ لوگ دشمن ملک میں اپنے ساتھ کوئی شناخت رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ دونوں کمروں سے ان کی

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی سفری دستاویز تک نہیں ملی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھارت کے ساتھ ملی ہوئی سیکڑوں میل لمبی سرحد کے کسی مقام سے خفیہ طور پر پاکستان میں داخل ہوئے تھے اور پھر انہوں نے میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کے لیے کراچی میں ڈیرے ڈال دیے تھے۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر ابرار کو قالین سے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ ہمیں ناگواری کے عالم میں اس کے ہاتھ پیر بھی سیدھے کرنے پڑے۔ اسے ایک بے جان لاش کی طرح سیدھا کر کے سلطان شاہ نے اس کے پیروں پر سفید چادر میں ملفوف کمبل ڈال دیا۔

"مجھے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ سب کچھ تم نے تنہا کر ڈالا۔" فرصت پا کر سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"یہ نہ سوچو۔ تمہارے آنے سے مجھے بہت مدد ملی ہے۔ تم نے ہوٹل سے نکلنے والے راستے کی نگرانی سنبھال لی تھی اسی لیے میں یکسو ہو کر ان لوگوں کے خلاف کام کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ تم نہ ہوتے تو مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں وہ ہمارے بے خبری میں فرار نہ ہو جائیں۔ یہ منصوبہ صرف تمہاری موجودگی کی وجہ سے روبہ کار آیا ہے۔"

وہ ہنس پڑا۔ "تم میرا دل رکھنے کے لیے یہ سب کہہ رہے ہو۔ سرور پہلے سے تمہارے ساتھ موجود تھا۔ تم نے اس سے اہم کام لیا ہے۔ چاہتے تو میں بھی لڑکی کو گھیر سکتا تھا۔"

"تم نے سونیا کو نہیں دیکھا تھا۔ میں اپنی شناخت کے ڈر سے اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ سرور اس کام کے لیے موزوں ترین آدمی تھا۔"

"خیر، اب صبح میں ابرار کی خبر لے کر اس سے اس کا اصل نام اگلواؤں گا۔" اس نے اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے کہا۔

"یہ ماننے والی بات ہے۔ ویرا کے لیے سونیا حاضر ہو گی۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔"

"پھر تو تمہیں غزالہ کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔" اس نے برجستہ کہا۔

"میری بیوی صابر و شاکر ہے۔ وہ ویرا کے ساتھ مل جل کر اپنا دل خوش کر لے گی۔"

وقت گزاری کے لیے سلطان شاہ سے گپ شپ کرتے ہوئے میں اپنے دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہا تھا کہ دونوں بلیک کیٹس کا فتنہ رات ڈھلنے سے پہلے ختم ہو گیا تھا۔ اگر انہیں مزید وقت مل جاتا تو آنے والی صبح کے اخباروں میں میرے خلاف چھپنے والے اشتہار دیکھ کر وہ کسی نہ کسی طرح امریکی ایجنٹوں کو میرے گھر کے پتے سے آگاہ کر سکتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ہم سب کے لیے ناقابلِ تصور مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں بلکہ شاید ہمیں ہنگامی طور پر اپنا گھر ہی چھوڑنا پڑ جاتا۔

اس وقت تک کے حالات یہ بتا رہے تھے کہ بلیک کیٹس نے اپنی کامیابی کا ثمر اپنے سینوں میں چھپائے رکھا تھا۔ وہ بھارت سے مجھے ختم کرنے کا مشن لے کر آئے تھے اور یہ کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا چاہتے تھے۔ انہیں اس کام میں کسی اور کی دخل اندازی گوارا نہیں تھی۔ اگر انہوں نے فراخ دلی سے کام لے کر دوسروں کو اپنے ساتھ شامل رکھا ہوتا تو شاید وہ میرے لیے بہت پہلے مشکلات پیدا کر کے خود ایک بہت برے انجام سے بچ سکتے تھے۔

وہ قصہ اتنی تیزی سے نمٹ جانے کا ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ ہم میں سے کسی کو ہوٹل میں رات بسر کرنے کی ضرورت رہی تھی نہ اول خان والے کمرے میں مقیم افراد کی تعداد بڑھوانے کی ضرورت تھی۔ سرور پہلے ہی سونیا کو لے کر اسٹیشن فور جا چکا تھا۔ ابرار کی روانگی کے بعد ہم دونوں بھی اپنے گھر جا سکتے تھے۔

اول خان نے دوسرے قیدی کے لیے ایمبولینس اور عملے کا بندوبست کرنے میں خاصی تیزی دکھائی۔ اس کے آدمی آدھے گھنٹے کی قلیل مدت میں ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان کے کسی کمرے میں کوئی مہمان شدید علالت کا شکار ہو چکا تھا۔

ایمبولینس کے ساتھ آنے والوں سے کمرا نمبر سات سو چھ کا ذکر سنتے ہی ہوٹل کے ہاؤس فزیشین نے بوکھلا کر اوپر فون کیا۔ مجھ سے رابطہ ہونے پر اس نے کمرے میں کسی مریض کی موجودگی کے بارے میں استفسار کیا۔ میرا جواب اثبات میں سن کر اس نے قلق کا اظہار کیا کہ اس سے اس واقعے کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی ورنہ وہ بروقت طبی امداد دے کر مریض کو ابتری کی جانب جانے سے بچا سکتا تھا۔

مجھے اشارہ مل گیا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے اوپر آ سکتے تھے۔ ہمارا مجرم اپنی بے ہوشی کی وجہ سے فرار ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ہم دروازہ بند کر کے آرام سے نکل سکتے تھے۔

"تم کو بیٹھے بیٹھے نت نئی باتیں سوجھتی ہیں۔ ابھی تم نے ہاؤس فزیشین سے انٹر کام پر بات کی ہے۔ وہ اوپر آئیں گے تو کمرا خالی ہو گا۔ وہ شبے میں پڑ جائیں گے۔" سلطان شاہ نے

Downloaded from https://paksociety.com

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اعتراض کر ڈالا "ذرا سی دیر میں اسٹریچر کے ساتھ ہی واپس چلے جائیں گے۔"

"احمق آدمی! نکل جاؤ۔" میں نے تنک کر کہا "اگر ہم لوگوں کی نگاہوں میں آنے سے بچ سکتے ہیں تو ہمیں بچنا چاہیے۔ ہوٹل والے کچھ بھی سمجھیں' وہ ابرار کی منتقلی کو نہیں روک سکتے۔"

سلطان شاہ پادل ناخواستہ میرے ساتھ ہو لیا۔ بٹن دبانے پر لفٹ اوپر آ کر رکی تو اس میں سے اسٹریچر والا جلوس برآمد ہوا۔ مجھے دوسروں سے دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے یہ کافی تھا کہ اول خان کے دو آدمی میل نرسوں کے سفید لباس میں اسٹریچر اٹھائے سب سے آگے تھے۔

لفٹ کی واپسی پر ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ مسکراتے ہوئے بولا "اس وقت ہاؤس فزیشین کھن چکر بنا ہوا ہو گا۔"

"شکر ادا کرو کہ میں نے چلتے ہوئے دروازہ مقفل نہیں کیا تھا ورنہ ان لوگوں پر وقت پڑ جاتا۔"

ہوٹل سے نکلنے سے پہلے ہم نے پانچویں منزل پر رک کر اول خان والے کمرے سے سلطان شاہ کا بیگ لیا جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ سی ایس ڈی بھی موجود تھی۔ وہاں اول خان یا سرور کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ دونوں ایس ٹی ایف کے درویش تھے جو بے سروسامانی کی حالت میں بھی اپنا گزارہ کرنا جانتے تھے۔ ان کو ہوٹل میں مختصر قیام کے لیے کوئی چیز لانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اول خان دکھاوے کے لیے اپنے ساتھ جو کچھ لایا تھا وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔

کمرا نمبر پانچ سو بیس کی چابی ہوٹل کے کاؤنٹر پر واپس دے کر ہم دونوں واپس نکلے اور گھر روانہ ہو گئے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیسے ہوتا چلا گیا مگر میں نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے۔" راستے میں سلطان شاہ نے الجھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں خود حیران ہوں کہ تم نے ابھی تک میرا دماغ چاٹنا شروع نہیں کیا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بس رحم کر رہا ہوں۔ معلوم ہے کہ گھر پہنچتے ہی تم کو جرح کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہاں مجھے بھی اپنے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔"

میں نے کوئی جوابی تبصرہ نہیں کیا۔ میرا ذہن ابرار کے اغوا میں الجھ گیا تھا۔ اس کو ایس ٹی ایف کے آدمی طبی امداد دینے کے بہانے اٹھالے جانے والے تھے۔ وہ دونوں اتنے چالاک نظر آ رہے تھے کہ ان کا باتوں کے کسی جال میں پھنسنا محال نظر آ رہا تھا۔ ویسے تو شہر میں ابرار کو لاوارث ہونا چاہیے تھا۔ اگر ہوٹل والوں کو یکایک اس کی خبر گیری کی فکر سوار ہو جاتی تو وہ شہر کے کسی اسپتال میں اس کی موجودگی کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔

ابرار کے مقابلے میں سونیا رازداری کے ساتھ قابو میں کی گئی تھی۔ ہوٹل میں کسی کو بھنک نہیں مل سکی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ ہوٹل کے کمپنے میں موجود تھی اور اس سے کچھ دیر بعد وہ غائب ہو گئی۔ ہوٹل انتظامیہ کے لیے ارجن کے قتل کے بعد' چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تین مہمانوں کا پراسرار انداز میں غائب ہونا ایک چیلنج سے کم نہیں تھا۔

حشمت کا معاملہ صرف اس وجہ سے ذرا مختلف تھا کہ اس نے غائب ہونے کے بعد خود فون کر کے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ارجن سے اپنے خصوصی تعلقات اور پھر مشتبہ انداز میں یکایک روپوشی اختیار کرنے کی وجہ سے' مقامی پولیس کی نظروں میں اس کی ذات بدستور شکوک و شبہات کی زد میں تھی۔

ان لوگوں کی اندر کی کہانیاں کچھ اور ہی تھیں جن کا پولیس کو سرے سے کوئی علم نہیں تھا۔

○✻○

غزالہ اور ویرا کو یہ معلوم تھا کہ بلیک کیٹس کے چکر میں ہم دونوں کی وہ رات ہوٹل میں گزرے گی۔ ان کی توقع کے برعکس' سلطان شاہ نے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن بجایا تو ابرار سے پہلے وہ دونوں گیٹ پر آ گئیں۔ ان کے چہروں پر حیرت اور مسرت ناچ رہی تھی۔

"کیسا حیران کن اتفاق ہے کہ ہمارے گھر میں ایس ٹی ایف کا ابرار کام کر رہا ہے اور ہمارے ایک دشمن نے بھی ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے اسی نام کو اپنایا ہے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

"یہ بات بھی ابھی میرے ذہن میں آئی تھی۔ خیر' صبح یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ اپنا نام بتا دے گا۔" وہ کچھ سوچ کر از خود ہنس پڑا۔ وہ اپنی رو میں مست رہنے والا موذی آدمی تھا۔ میں نے اس کی ہنسی کے بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

اس وقت غزالہ کی مسرت دیدنی تھی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ہوٹل میں بلیک کیٹس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو وہاں بلایا تھا۔ ان دونوں کی مشترکہ

Downloaded from https://paksociety.com

رائے تھی کہ اس بار بھارتی ایجنٹوں سے ہمارا دھواں دھار مقابلہ ہوگا لیکن ہم دونوں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ آئے تھے۔ ان دونوں کے لیے یہ ناقابل فہم سی بات تھی۔

"تمہارا تو ہوٹل میں شب بسری کا ارادہ تھا۔ اتنی جلدی واپس کیسے آگئے؟" اندر پہنچنے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"کھیل تماشا توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے ختم ہوگیا اور ہم لوٹ آئے۔" میں نے صوفے پر نیم دراز ہوکر جواب دیا "یہ سب باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے میرے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ کام ختم ہونے کے بعد بھوک ایک دم چمک اٹھی ہے۔"

غزالہ نے اسی لمحے ابرار کو آواز دی۔ وہ کسی ہدایت کے انتظار میں نیچے ہی منڈلا رہا تھا۔ غزالہ اسے بریف کرتی ہوئی کچن میں جا گھسی۔

میں نہانے کے لیے اٹھنے کا ارادہ کررہا تھا کہ میرے موبائل فون پر اول خان کا فون آگیا۔ وہ راستے میں تھا اور میرے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔

"میں ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔ موڈ ہے تو اسی طرف آجاؤ۔" میں نے اسے پیش کش کی۔

"تم تھکے ہوئے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری آمد تمہاری طبیعت پر بوجھ بن جائے!"

"اب ان تکلفات کو چھوڑو۔ آرام کے لیے لمبی رات پڑی ہوئی ہے۔ صبح دیر تک سوکر میں ساری کسر پوری کرلوں گا۔"

"پھر میں آرہا ہوں۔ آکر ہی بات کروں گا۔" فون بند ہوگیا اور میں یہ سوچتا رہ گیا کہ وہ مجھ سے کیا خاص بات کرنے کا ارادہ لے کر آرہا تھا۔

میں شام سے نہانے کے موڈ میں تھا۔ ہوٹل میں بھی وہ ارادہ ٹل گیا تھا۔ میں تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گیا تاکہ اول خان کی آمد سے پہلے نہا دھوکر تازہ دم ہوسکوں۔ ہوٹل کی خنک فضا اور آرام دہ ماحول میں طویل وقت گزارنے کے باوجود میں اس وقت اکتاہٹ محسوس کررہا تھا۔

اول خان نے ہمارے گھر کے بہت قریب پہنچنے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ میرے غسل خانے سے برآمد ہونے سے پہلے گھر کی فضا میں اس کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"آج ڈینی نے سب کچھ تس نہس کرڈالا۔" میں نے نیم تیار ہوکر اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے اس کی آواز سنی "اس نے آج بلیک کیٹس کو بے جان چوہوں کی طرح آسانی سے گھیر کر زندہ پکڑلیا۔"

"آج صبح تک ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ بلیک کیٹس کون ہیں اور کہاں ہیں۔ اب تم اچانک ان کے پکڑے جانے کی کہانی سنا رہے ہو۔" ویرا نے بے اعتباری سے کہا "یہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ تم لوگوں نے بلیک کیٹس کے دھوکے میں کسی للو پنجو کو پکڑ کر بند کردیا ہو۔"

"وہ اچانک نہیں پکڑے گئے۔" میں نے کھانے کی میز کا رخ کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ذہن میں یہ بات ابتدا سے جمی ہوئی تھی کہ وہ شہر کے کسی ہوٹل میں روپوش ہیں۔ ارجن کا قصہ سامنے آنے پر وہ ہوٹل بھی میری نظروں میں آگیا۔ وہاں محنت کی گئی جو آخر کارباراور ثابت ہوئی۔"

ایک ایک کرکے سب کھانے کی میز پر آگئے۔ اول خان کسی تکلف کے بغیر ہمارے ساتھ شامل ہوگیا۔

"کیا پکڑے جانے والوں نے یہ اقرار کرلیا ہے کہ وہی بلیک کیٹس ہیں۔" ویرا نے اس بار ذرا مہذب انداز میں اپنا بیہودہ سوال دہرایا۔

"اقرار یا انکار کی نوبت نہیں آئی۔ فی الحال انہیں پکڑ کر بند کردیا گیا ہے۔ صبح دیکھا جائے گا کہ وہ دونوں کیا کہتے ہیں۔" اول خان بولا۔

"ان سے کسی بازپرس کے بغیر تم انہیں بلیک کیٹس قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"سب سے پہلا اور بنیادی سراغ اس تل والی لڑکی نے فراہم کیا تھا جو سلمٰی کو راستے میں نظر آئی تھی۔" اول خان نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا "اسے جہانگیر کے گھر میں جانے پر آمادہ کرنے والے شخص کی پیشانی پر چوٹ کا پرانا نشان تھا۔ یہ ہمارے ایک دشمن کی پہلی پہچان تھی جو سامنے آئی تھی۔ ڈینی کی ساری کامیابی اسی کی مرہون منت ہے۔"

ویرا کی تسلی نہیں ہوسکی۔ سلطان شاہ بھی کسی حد تک اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں اول خان کے ساتھ مغز زنی کرتے رہے۔ میں اطمینان کے ساتھ اپنی شکم پری میں مصروف رہا۔

شاید وہ سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جاتا لیکن جب اول خان نے انہیں ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں ٹائم بم کی تنصیب کے بارے میں بتایا تو ویرا کو ماننا پڑا کہ ہوٹل میں غلط آدمیوں کو زیادتی کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اب تم ثبوت کی طرف آئے ہو۔ ایسی حرکت کوئی دہشت گرد ہی کرسکتا ہے۔" ویرا نے اعتراف کیا "ہوسکتا ہے اس طرح وہ ارجن کے قتل کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہ رہا ہو۔ ارجن ان دونوں کا مربی اور سرپرست تھا۔ اس نے انہیں اپنے ہوٹل میں ٹھکانا فراہم کیا ہوا تھا۔"

"یہ بات شاید ان کو بھی معلوم نہیں ہوگی کہ ارجن کو نک نے مروایا ہے۔" غزالہ بولی۔

"یہ راز شاید کبھی نہ کھل سکے۔" میں نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے نک نے بہت تیزی سے مروایا۔ وہ فیصلہ نک کا تھا لیکن وہ خود اس پر عمل نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے یقینی طور پر حشمت سے کام لیا۔ حشمت اس ہوٹل میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے گرگے ہوٹل کے آس پاس منڈلا رہے ہوں۔ حشمت نے نک کی بات سنتے ہی کسی چیلے کو ہدایت کی اور اس نے ہوٹل میں گھس کر ارجن کو ٹھکانے لگادیا۔ ہوسکتا ہے کہ حشمت' ارجن کے قتل سے پہلے ہوٹل سے نکل گیا ہو اور یہ بات کسی کو یاد نہ رہی ہو۔"

"ان کی ساری سازشوں کا محور فریب اور دھوکے پر ہے۔ وہ دشمنوں کے ساتھ ساتھ اپنوں کو بھی فریب دیتے ہیں یا ان پر اعتماد نہیں کرتے۔" اول خان بولا "نک کے ذہن میں ایک بات آئی اور ارجن کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ وہ نہ مارا جاتا تو شاید وہ ہوٹل کبھی ڈینی کی توجہ کا مرکز نہ بنتا۔ ان سب کو نک نے مروایا ہے۔"

"اس طرح تم نک اور بلیک کیٹس سے ہمدردی کے مرتکب ہورہے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ آج کل بھارتیوں پر امریکی ایجنسیوں کا کتنا غلبہ ہے۔"

"قرینی گٹھ جوڑ میں یہی ہوتا ہے۔ ادارے اپنی انفرادیت کھو کر دوسروں کی مصلحتوں کے تابع ہوجاتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسے حالات میں بھی بلیک کیٹس نے اپنے اصول کسی نہ کسی حد تک برقرار رکھے اور میرے یا جہانگیر کے گھر کا پتا کسی اور کو نہیں دیا۔" میں نے سرسری انداز میں ان لوگوں کو بتایا۔

"شاید تمہیں بتایا نہیں گیا کہ صبح کے اخباروں میں ڈینی کے خلاف امریکی اشتہار آرہے ہیں۔" اول خان نے ان تینوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا۔

"اشتہار آرہے ہیں۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "جب بھی ان کی دم پر پاؤں پڑتا ہے' وہ اشتہار بازی پر اتر آتے ہیں۔"

درجواب آں غزل کے طور پر میں نے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اول خان کے تبادلے کے لیے بھی دباؤ آنا شروع ہوگیا تھا۔ میں کھانے سے فارغ ہوچکا تھا۔ میں نے میز چھوڑ دی اور کچن میں ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ ذرا سی دیر میں ایک ایک کرکے سب وہیں جمع ہوچکے تھے۔

"فون پر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ تم مجھے کوئی خاص بات بتانے کے لیے آرہے تھے۔" میں نے دوبارہ سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔" اس نے متردد انداز میں کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا "یہاں سب اپنے ہی ہیں۔ دراصل نک کا فون آیا تھا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"خوب!" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "اس نے پہلی بار ایسی کوئی کوشش کی ہے۔ اب تک میں ہی فون پر اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا ہوں۔"

"کل کی تلخ کلامی اور اس کے نتیجے میں ارجن کے قتل کے بعد اس کی یہ خواہش معنی خیز ہے۔" ویرا پراشتیاق لہجے میں بولی۔

"میں خاک نہیں سمجھ سکا۔" سلطان شاہ پلکیں جھپکاتا ہوا بولا "ڈینی کے لیے اسے اول خان کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے ساتھ تمہاری عقل بھی معدے میں اتر گئی ہے۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تمہیں یاد نہیں کہ کل انہوں نے کرنل داور بن کر اس سے بات کی تھی۔"

"اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔" ویرا اپنی جگہ سے اچھل کر بولی "غنیمت ہے کہ آج تمہیں بھی سلطان شاہ کے کند ذہن کا اندازہ ہوگیا۔"

"غلطی میری ہے۔" اول خان نے متانت سے بات اپنے سر لے لی "مجھے کہنا چاہیے تھا کہ وہ کرنل داور سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔"

"جو بات ہونی تھی وہ ہوگئی۔ اب تم بلاوجہ سلطان شاہ کو سہارا دینے کی کوشش کررہے ہو۔" ویرا نے احتجاج کیا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ وہ مجھ سے کیا بات کرے گا؟" میں نے ویرا کی بک بک کو نظرانداز کرکے اول خان سے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔ وہ دھمکیاں دینے کے سوا اور کیا کرسکتا ہے۔"

"اسے بلیک میل کیس کے انجام کی خبر تو ابھی نہیں ملی ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت دیر پہلے کی بات ہے۔ اس وقت تک ایمبولینس والی بات طے نہیں ہوئی تھی اور وہ شخص شاید آزاد تھا۔"

"اس بارے میں اتنی سوچ بچار کی کیا ضرورت ہے۔" غزالہ بولی "آپ اسے فون کیوں نہیں کرلیتے۔ وہ کسی کو کھا تو نہیں جائے گا۔"

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے متانت سے اس کی تائید کی "جب سے اس کے سر پر سے کچن کا بوجھ کم ہوا ہے' اس کی عقل چلنے لگی ہے۔"

غزالہ اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گئی۔ سلطان شاہ نے اپنا بدلہ چکانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"اچھا ہے کہ ہم سب یک جا ہیں۔ اسی وقت بات کرلوں۔" اول خان کسی تاخیر کے بغیر غزالہ کا ہم نوا ہوگیا۔

"چائے کا دور ہوجائے پھر بات ہوگی۔ اتنی دیر میں کھانا بھی ہضم ہوچکا ہوگا۔" میں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"کھانا ہضم ہونے کا بات سے کیا تعلق ہے۔" ویرا نے برجستہ سوال کرڈالا۔

"یہ طبی مسئلہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد معدے کی طرف خون کا بہاؤ بڑھ جاتا ہے اور دماغ سمیت دوسرے اعضا سست پڑجاتے ہیں۔" میں نے ناصحانہ انداز میں اسے بتایا "اسی لیے ہر معالج قیلولے کی افادیت تسلیم کرتا ہے۔ کھانا ہضم ہونے کے ساتھ ساتھ سارے اعضا اعتدال پر آتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ہر عضو کو اس کے حصے کا خون ملنا شروع ہوجاتا ہے۔"

"یہ ان حکیمانہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تم ابھی اس مردود سے بات کرو۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"یہ بات میں نے بھی کہیں پڑھی یا سنی ہے۔" اول خان نے ویرا کی بات اڑا کر میری تائید کی "تم کو یہ سب کس نے بتادیا۔"

"پڑھی ہوئی بعض باتیں ذہن میں ہمیشہ کے لیے اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ یہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید اسی لیے کہتے ہیں کہ پڑھنا ایک اچھی عادت ہے مگر کمپیوٹر کی وبا نے نئی نسل میں پڑھنے کے رجحان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" اول خان نے محسن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا اور میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے ویرا کے مطالبے کی شدت سے بچانے کی کوشش میں بات سے بات نکال رہا تھا۔

"یہ ایک عارضی بحران ہے جو اگلے دس پندرہ سالوں میں گزر جائے گا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔ "مغرب اس بحران سے گزر چکا ہے۔ وہاں پڑھنے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے اور اشاعتی ادارے خوب پھل پھول رہے ہیں۔ یہ وقت یہاں بھی لوٹے گا۔"

"یہ تم دونوں نے کیا بقراطیت شروع کردی۔" ویرا وہ خشک گفتگو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکی "میں کہہ رہی ہوں کہ نک سے بات کرڈالو۔"

"لو' چائے بھی آگئی۔" سلطان شاہ نے اعلان کیا "اب اس کے بعد ہی کچھ ہوسکے گا۔"

"میں چائے وائے نہیں پیوں گی۔" ویرا نے تنک کر کہا۔

"ابھی تم سے نہیں پوچھا گیا۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں کہا "جب باری آئے تو نرمی سے انکار کردینا۔"

"میرا خیال ہے کہ نک کو بلیک میلنگ کے بارے میں بتادینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" ویرا کے چراغ پا ہونے سے پہلے میں نے موضوع یکایک بدل دیا۔

"فون پر گفتگو ہوتی ہے تو بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے۔ اس کا جواب تمہاری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اول خان نے جواب دیا "پچھلی بار ہم سب کا خیال تھا کہ تم کو کوبرا سے ملاقات کے لیے آمادہ ہوجانا چاہیے تھا مگر تم بات کرتے کرتے ایک جگہ اڑ گئے۔ میری دانست میں وہ بات بگڑ گئی تھی مگر وقت نے آج ثابت کردیا کہ تمہارا وہ فیصلہ اور موقف درست تھا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "جب آدمی کے ستارے یاوری کررہے ہوں تو اس کے احمقانہ فیصلے بھی درست ثابت ہونے لگتے ہیں۔ یہ ڈینی کا نہیں اس کے ستاروں کا کمال ہے کہ اس کا ایک الٹا فیصلہ درست ثابت ہوگیا۔"

سلطان شاہ نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے آنکھیں دکھا کر اسے خاموش کردیا۔ اس وقت ویرا نظرانداز کیے جانے کی بنا پر بری طرح کھسیا گئی تھی۔ اگر اس نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے میری ذات کو ہدف بنالیا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا تو اسے اس کا حق حاصل تھا۔

"میری تم سے ایک غلط گزارش ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے اول خان سے کہا "ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر یہ درست نکلے۔ کہیں سے سوبھراج کی دو چار تصویریں حاصل کرلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کی ناک آگے سے طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تو نہیں ہے۔"

"بالکل ہے۔" اول خان نے کسی توقف کے بغیر میری تائید کردی "میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اخباروں میں اس کی تصویریں چھپتی رہتی ہیں۔ آگے سے اس کی ناک خاصی خم دار ہے۔"

"حشمت کی ناک بھی بالکل ایسی ہی تھی مگر تمہارے کسی آدمی نے یہ بات تمہیں نہیں بتائی۔" میں نے شکایت کی۔

"میرے آدمی نے اپنی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ہوٹل کے عملے سے اسے جو کچھ معلوم ہوسکا' وہ اس نے آگے بڑھادیا۔ وہ لوگ ارجن کے قتل کے بعد سے حواس باختہ ہیں۔ میرے آدمی نے جس سے بھی بات کی ہوگی' سرسری انداز میں کی ہوگی۔ وہ کوئی بااختیار پولیس والا نہیں ہے۔ لوگوں نے اسے ٹالنے کے لیے موٹی موٹی باتیں بتادیں۔ کسی کو حشمت کی ناک کا خیال نہیں آیا ہوگا۔ اس کی ناک کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟" اول خان نے میری شکایت کے جواب میں ایک طویل وضاحت پیش کردی۔

"ہوٹل کی ایک ویٹریس نے یہ تفصیل بتائی تھی۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"کوئی عورت ہی تم سے کھل کر بات کرسکتی ہے۔" ویرا کا وہ جلا کٹا فقرہ سن کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا "میں غزالہ کو بھی یہی سمجھاتی ہوں کہ وہ عورتوں سے ہوشیار رہا کرے۔ بگڑی ہوئی عورتوں کے لیے تمہاری باتیں اور حرکتیں بہت پرکشش ہوتی ہیں۔"

اول خان نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولا "اپنی دانست میں تم مجھ پر الزام لگانے کی کوشش کررہی ہو مگر یہ حقیقت میں اس کی تعریف ہے کہ وہ اپنے کام کی عورتوں کو آسانی سے متاثر کرلیتا ہے۔ اس نے ویٹریس سے بہت اہم بات معلوم کی ہے۔ اگر یہ درست ثابت ہوتی ہے تو پھر سوبھراج کا نام ہماری لسٹ پر آجاتا ہے۔"

"تم یہ کام کرہی ڈالو۔ اس کی ایک تصویر میں داڑھی مونچھوں کا اضافہ کرکے ہوٹل کے عملے کو دکھاؤ۔ ہر ایک اسے حشمت کے نام سے پہچان لے گا۔" میں نے کہا۔

"اتنے پُریقین ہو تم اس بارے میں!" اول خان نے حیرت سے پوچھا "ویسے تمہارا ایک اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔ حشمت کا فیصل آباد کا پتا بالکل فرضی اور بے سروپا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ حشمت کی ناک کی بناوٹ اس ویٹریس کی باتوں میں سب سے زیادہ اہم تھی۔" میں نے اس کے آخری فقرے کو نظرانداز کرکے جواب دیا۔

"فکر نہ کرو۔ یہ کام کل ہی ہوجائے گا۔ زبانی طور پر حلیہ پوچھتے پھرنے کے مقابلے میں تصویر دکھانا آسان کام ہے۔" اول خان نے مجھے یقین دلایا۔

"میں مانتی ہوں کہ یہ سب باتیں بہت اہم ہیں مگر تم میری بات کو مسلسل ٹال رہے ہو۔" یکایک ویرا نے سنجیدگی سے دخل اندازی کی۔

"ہرگز نہیں۔ میں نے تمہاری کون سی بات ٹالی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر تم نک سے فون پر بات کرنے سے ڈر رہے ہو تو مجھے صاف بتادو۔ میں انتظار میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے اپنے کمرے میں جاکر آرام کروں گی۔" اس نے بے جان اور آزردہ آواز میں کہا۔

"چائے ختم ہوچکی ہے۔ اب آپ کو اسے دیکھ لینا چاہیے۔" غزالہ نے تاکید کی۔

میں نے ہنس کر ویرا کی طرف دیکھا۔ جواب میں وہ بھی مسکرانے لگی۔ میں نے خاموشی سے اسپیکر فون اپنے قریب سرکالیا۔

میں نمبر ملانے والا تھا کہ سلطان شاہ ایک منٹ کا نعرہ لگا کر اچھل پڑا۔ سب کی نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھ گئیں۔ "سی ایس ڈی میرے بیگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت لائن ڈائرکٹ ہے۔ اس نے کہا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

فون کی بیل لائن ہمارے کمرے سے ہوکر آرہی تھی۔ اس نے اپنے کمرے سے سی ایس ڈی لاکر ہمارے کمرے میں فون لائن سے جوڑی اور اسے آن کرکے چند منٹ میں لوٹ آیا۔

"اس تاخیر کی ذمے داری سلطان شاہ پر ہے۔ اسے آتے ہی سی ایس ڈی جوڑ دینی چاہیے تھی۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی اور میں نے نک کے گھر کا نمبر ملالیا۔ فون اٹھانے والا ٹام تھا۔ وہ نک کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے اسے آواز سے پہچانا تھا۔ اسے میرا نام پوچھنا پڑا۔ میں نے کرنل داور بن کر نک سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور وہ مجھے چند ثانیوں کے انتظار کی ہدایت کر کے غائب ہو گیا۔

چند ثانیوں کے بعد نک لائن پر آگیا۔ "تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں جو کہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔" اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ ارجن کے انجام کی طرف تھا مگر میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کس بات کو یاد دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم نے تیزی سے ارجن تک پہنچنے کی کوشش ضرور کی ہوگی۔" اس کی آواز ابھری۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن مجھے اس کے قتل کی خبر مل چکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ وہ تمہارے اعتماد کا آدمی تھا۔"

"اس سے زیادہ قریبی آدمیوں کو تمہاری گرفت سے بچانے کے لیے اس کا مارا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تمہارے سامنے زبان کھول کر ایسی بھیانک غلطی کی تھی جس پر مجھے زندگی بھر پچھتاوا رہے گا۔ تمہارے اس تک پہنچنے سے پہلے اسے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے المناک انجام پر مجھے اب بھی دکھ ہے۔"

"اسے مار کر تم کسے بچانا چاہ رہے تھے؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"مجھے تمہارے کسی ذاتی معاملے سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ارجن کے قتل ہوتے ہی یا اس سے ذرا دیر پہلے اس کا حشمت نامی ایک قریبی دوست اچانک ہوٹل سے فرار ہو گیا۔ وہ اکثر وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس بار اس نے بھاگنے کے بعد فون پر خود کو چیک آؤٹ کرایا ہے۔ ہوٹل والوں نے حشمت کی اس غیر معمولی حرکت کی اطلاع پولیس کو دے دی ہے۔"

"اس ہوٹل میں بہتیرے لوگ مقیم ہوں گے۔ تم صرف حشمت کا ذکر کیوں کر رہے ہو۔"

"وہ ارجن کا اور شاید تمہارا دوست تھا۔ وہ مشتبہ انداز میں ہوٹل سے بھاگا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں کسی حشمت وغیرہ کو نہیں جانتا۔ تم نے بلاوجہ ایک غیر ضروری تذکرہ نکال لیا ہے۔"

"تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا فیصل آباد کا رہائشی پتا بالکل بے بنیاد ثابت ہوا ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔

دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ انکشاف اس لیے حیران کن ثابت ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ بات بھی ابھی پولیس کے ریکارڈ پر نہیں ہے۔"

میں ہنس پڑا "ابھی تم حشمت سے اپنی شناسائی تک سے منکر تھے۔ اب اس کے بارے میں پولیس ریکارڈ سے آگاہی کا دعویٰ کر رہے ہو۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔"

"حشمت کوئی الگ کیس نہیں ہے۔ وہ ارجن کے مرڈر کیس کا ایک حصہ ہے۔ مجھے اس کی تفتیش سے دلچسپی ہے۔"

"اگر تم اب بھی اس بات پر مصر ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہے تھے۔" میں نے یکایک موضوع بدل دیا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ اس سے حشمت کے بارے میں زیادہ باتیں کرنا میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

"میری پیشکش کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" اس نے تصحیر آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"کل یہ بات ختم ہو گئی تھی۔ میں کسی نقاب پوش کو جواب دہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میری یہ پوزیشن ارجن کے قتل کے بعد بھی برقرار ہے۔ تمہاری اس حرکت نے تمہارا اور کوئی مقصد پورا کیا ہو یا نہ کیا ہو' کم از کم مجھے خوف زدہ نہیں کیا۔ تم نے اپنے کسی آدمی کو میری تلاش میں بھیجا تو اس کی لاش لینے کے لیے تمہیں خود میرے پاس آنا ہو گا۔"

"تم بہت ضدی اور انا پرست آدمی ہو۔ ہمارے درمیان ڈینی سے نفرت کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں ہے اور میں اسی اشتراک کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔"

"پہلے اپنی تصحیح کر لو۔ تم اس سے نفرت کر سکتے ہو۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہے۔ میں اس کی حرکتوں کو ناپسند کرنے لگا ہوں۔ شاید کل بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ اب وہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے ہمارے کاموں میں دخل انداز ہونے لگا ہے' اسے لگام دینے کی ضرورت ہے۔"

"تم پاکستانی ہو اس لیے ڈینی کے بارے میں نرم الفاظ استعمال کر رہے ہو۔ دوسروں کے الفاظ نہیں دل بھی ڈینی کے لیے بہت نرم ہیں۔ اسے رفتہ رفتہ ہیرو بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مجھے ایس ٹی ایف اور ہر پاکستانی ایجنسی کے رویے

Downloaded from https://paksociety.com

سے سخت شکایات ہیں مگر میں تمہارے ذاتی نظریات کی قدر کرتا ہوں۔ میں ڈینی کے بارے میں تمہارا تعاون چاہتا ہوں۔ تمہارا اپنے نقاب پوش سربراہ پر اعتراض تھا۔ اگر اسے ہٹا دیا جائے۔ تم صرف فون پر اس سے اپنا رابطہ استوار رکھو۔"

"نہیں نک۔ یہ اس سے زیادہ ذلت کی بات ہوگی۔ باوقار طریقہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس شخص کو جواب دہ ہوں۔ اس سے رابطے کے لیے کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت فرد اور اس کی واضح شناخت کی ہے۔"

"لیکن کل تم مجھ سے کوبرا کا سیٹ لائن فون نمبر پوچھ رہے تھے!" اس نے مجھے یاد دلایا "تم نے کہا تھا کہ آواز کا مقابلہ آواز سے ہو سکتا ہے۔"

"وہ کل کی بات تھی اسے بھول جاؤ۔ آج تمہاری سفاکی میرے سامنے ہے۔ تم نے اپنے اعتماد کے ایک آدمی کو جس سرعت سے مروایا ہے وہ میرے لیے عبرت آموز ہے۔"

"میں مانتا ہوں کہ ارجن کو میں نے اپنی غلطی کا بھرم رکھنے کے لیے راستے سے ہٹایا مگر مجھے اپنے اس فیصلے پر دکھ ہے۔ شاید ایک مدت تک مجھے اس کا کوئی متبادل نہ مل سکے۔ میں اپنے پرانے اور تربیت یافتہ آدمیوں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ وہ میرے لیے قیمتی اثاثہ ہیں۔"

"ضرور کرتے ہو گے مگر میں تمہارے لیے بالکل نیا ہوں۔ اپنی کسی اور غلطی کی پردہ پوشی کے لیے تم میری گردن اڑا دو گے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہ رہا تھا۔ ایک طرف وزرات داخلہ پر دباؤ ڈال کر میرا کراچی سے تبادلہ کرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اور دوسری سمت سے میری طرف دست تعاون بڑھا رہا تھا۔ وہ اس کی کھلی منافقت تھی۔

"تم ڈینی کو ذرا بھی ناپسند کرتے ہو تو ہمارا ساتھ دو ورنہ ہم تمہیں ڈینی کا ساتھی تصور کریں گے۔" ہر طرف سے زچ ہو کر وہ دھمکی پر اتر آیا۔

"سنو نک! تمہارے تصور کر لینے سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔" اس کی دھمکی سن کر میرا خون کھول اٹھا "دشمن بن کر سامنے آؤ گے تو میں تمہاری دھجیاں اڑا دوں گا۔ بات جہاں چل رہی ہے اسے وہیں رہنے دو۔ اسے اپنے قومی مزاج میں ڈھالنے کی کوشش مت کرو۔ دوستی اور دشمنی کے درمیان غیر جانب داری بھی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اس وقت میں تمہارا دوست ہوں نہ ڈینی کا ساتھی میں اپنی حدود میں رہ کر اپنے منصب کی ذمے داریاں پوری کر رہا ہوں۔ بات نہیں بن سکتی تو مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہنے دو۔"

"غیر جانب داری اگر کوئی چیز ہے تو وہ ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ بڑھتے ہوئے تجربات کے ساتھ اس کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ ظلم اور جبر پر خاموش رہنا ظالم اور جابر کا ساتھ دینے سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ تم کو دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ تمہارے لیے کوئی تیسری راہ نہیں ہے۔"

"تم میری تجویز کیوں نہیں مان لیتے ہو۔" میں اسے دو ٹوک جواب دینے کے بجائے اپنی باتوں کے جال میں الجھا رہا تھا۔ میں نے بات جاری رکھی "میں تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم سے ہدایات لیتا رہوں گا۔ وہی کروں گا جو تم چاہو گے۔ تم میرے دیکھے بھالے آدمی ہو۔ اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے۔"

"یہ ہمارے ڈسپلن کے خلاف ہے۔" اس نے چند

"وضاحت ضروری ہے"

بات وضاحت سے کی جائے تو بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم اس واقعے سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے۔ گاؤں میں وینو لوہار نے اپنے نئے شاگرد کو گھوڑے کی نعل بنانا سکھانا شروع کیا اور کہا "دیکھو یہ لوہا بھٹی میں تپ کر لال ہو چکا ہے۔ اب میں اسے اہائی پر رکھوں گا۔ جب میں سر ہلاؤں تو تم اس پر ہتھوڑا دے مارنا۔"

وینو نے سر ہلایا اور شاگرد نے ہتھوڑا رسید کر دیا۔ لوہے پر نہیں وینو کے سر پر!

"وضاحت"

عامل بابا نے شو بزنس میں ہاتھ پاؤں مارنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ دیکھ کر بتایا "عنقریب ایک بڑے فلم ڈائریکٹر کی تم پر نظر پڑنے والی ہے۔ بہت جلد تم بہت بڑی فلم اسٹار بن جاؤ گی۔"

"لیکن یہی بات آپ نے میری سہیلی نیلما کو بتائی تھی۔" لڑکی نے شکوہ کیا۔

"اب میں کیا کروں۔" عامل بابا قدرے بیزاری سے بولے "آج کل تم جیسی لڑکیاں اس سے کم پر تو خوش ہی نہیں ہوتیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

ثانیوں کی خاموشی کے بعد ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔
"دنیا میں کہیں بھی ہم براہِ راست اپنی مقامی فیلڈ فورس کی کمان نہیں کرتے۔ وہ سب کسی مقامی کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے میں ایف بی آئی کے اس عالمی ڈسپلن کو نہیں توڑ سکتا۔"
"ابھی تک تو میرا تم ہی سے رابطہ ہے۔ کوئی مقامی میرے سامنے نہیں آیا۔"
"ابھی تم ہماری صفوں میں شامل نہیں ہو۔ میں تم سے کوئی مفاہمت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کل بات بن جاتی تو میں درمیان سے اپنا قدم نکال لیتا۔ سارے معاملات تمہارے اور کوبرا کے درمیان طے ہوتے۔ یہاں کوبرا ہماری فیلڈ فورس کو کنٹرول کرتا ہے۔"
"تم سے پہلے آنے والے یہاں براہِ راست بہت کچھ کرتے ہیں۔ جان ایش کوف تمہاری طرح ایف بی آئی کا افسر تھا۔ وہ خود میدان عمل میں سرگرم تھا۔ حالات ناسازگار پا کر یہاں سے خاموشی سے نکل گیا۔ میں نے اس کی یا کسی اور کی زبان سے کوبرا کا نام نہیں سنا۔"
"ان میں سے کسی نے تم کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ وہ تمہیں ایس ٹی ایف کا پکا نمک خوار سمجھتے رہے۔ کل میں تم کو بتا رہا تھا کہ واشنگٹن اور ورجینیا میں بیٹھے ہوئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فورس کے آدمی مر سکتے ہیں' بک نہیں سکتے۔ مجھے ان بڑوں سے اختلاف ہے۔ میرے نزدیک ہر شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے۔ کسی کی کم اور کسی کی زیادہ۔ کوئی پیسوں کے مول بکتا ہے کوئی دوسرے دام مانگتا ہے۔ پہلے آنے والوں کے لیے تم مخالف کیمپ کے کنڑکٹن تھے۔ اس لیے تمہارے سامنے کوبرا کا کوئی ذکر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے تمہارے دل کو ٹٹولا اور راہ پا کر اس کا نام کھول دیا۔ شاید میں نے زیادہ عجلت سے کام لیا اور ارجن سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مجھے صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں اس بڑے نقصان سے بچ سکتا تھا۔"
"تم پے در پے غلطیاں کر رہے ہو۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "تم نے ابھی تک کوبرا کا بھی نام نہیں کھولا۔ اس کا اصل نام کھول دو' جمود ٹوٹ جائے گا اور مسئلہ حل ہو جائے گا۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں برائے فروخت نہیں ہوں۔ ڈینی کی بڑھتی ہوئی آزادروی بلکہ بے راہ روی سے پریشان ہوں۔ وہ ہمارے لیے مسائل پیدا کر رہا ہے۔ اس نے خود اپنی راہ بنالی ہے۔"
"مجھے تمہارے سامنے کوبرا کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کا نام بہت دور کی بات ہے۔ وہ کبھی تمہارے علم میں نہیں آسکے گا۔" اس کی متکبرانہ آواز آئی۔
میں اپنے دل ہی دل میں اس کی کج فہمی پر ہنس کر رہ گیا۔ کوبرا حشمت اور سوبھراج دراصل ایک ہی تھے۔ وہ تینوں نکتے ایک ذات میں مرکوز تھے مگر نک انہیں کھینچ تان کر ایک بڑی مثلث بنا رہا تھا جس کا صرف ایک نکتہ اس کے محل نظر تھا۔ کوبرا کے دوسرے دو ناموں کو وہ اپنی دانست میں صرف اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔
اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ارجن کے سفاکانہ قتل کے بعد پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ اس کے قتل کا فیصلہ کر کے نک نے کوبرا کے مستقبل پر بھی مہر لگا دی تھی۔ بات صرف وقت کی تھی۔ وہ مرحلہ زیادہ دور نہیں تھا جب ایک شخص کی ہلاکت کا ماتم تین ناموں سے کیا جانے والا تھا۔
اس سے گفتگو کرتے ہوئے' میں نے چند منٹ پہلے از خود حشمت کا ذکر نکالا تھا۔ میں اسے اس کی صحیح اوقات جتا کر اس کے دماغ سے بڑا خناس نکالنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن بروقت مجھے احساس ہو گیا کہ نک سے اس بارے میں قبل از وقت بات کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کرلوں گا۔
نک کو یہ بھنک مل جاتی کہ میں کوبرا حشمت اور سوبھراج کی تکون کے راز سے واقف ہو چکا ہوں تو وہ دو کام کر سکتا تھا۔ ارجن کی طرح اسے بھی خاموشی' پھرتی اور مکمل راز داری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتروا کر اپنے رازوں کو محفوظ کر لیتا اور اگر اس پر زیادہ مہربان ہوتا تو اسے میرے خطرے سے آگاہ کر کے ہوشیار کر دیتا اور ہمارے لیے سوبھراج تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔
میرے لیے وہ دونوں صورتیں قابلِ قبول نہیں تھیں اس لیے میں نے اس سے بات کرتے کرتے اچانک موضوع بدل دیا تھا۔ کوبرا کا اس وقت کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں نے ہوٹل سے حشمت کی پراسرار روانگی کی بات چھیڑی ہوئی تھی۔ وہ ذکر وہیں ادھورا رہ گیا۔ نک نے اس کے بعد حشمت کا نام نہیں لیا تھا۔
اس بار وہ کوبرا کے گن گا رہا تھا۔ دشمنوں کی دسترس سے اس کے باہر ہونے کے دعوے کر رہا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کوبرا کو تم نے بہت عرصہ سے پالا ہوا ہے۔"
"اس کے لیے ایسی نازیبا اور ہتک آمیز زبان استعمال نہ

Downloaded from https://paksociety.com

کرنل!" اس کی آواز اچانک غضب ناک ہوگئی "وہ ہمارا کلیدی آدمی ہے۔ ہم دوسروں سے اپنے کتوں کی بھی عزت کرانا جانتے ہیں۔"

"میرا ارادہ ہتک کرنے کا نہیں تھا۔ بس لفظوں سے کھیلنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اس کا لقب کوبرا ہے۔ سانپ کو برا ہو یا وشیش ناگ' اسے پالا ہی جاتا ہے۔"

"تم بہت چبا چبا کر باتیں کررہے ہو۔ اب میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو کسی بھی وقت تمہاری زندگی کا چراغ گل کیا جا سکتا ہے۔ شہر میں ڈینی کے لہو کے پیاسے گھوم رہے ہیں جو ہر اس شخص کے دشمن ہیں جو ڈینی کی مدد کرتا ہو۔ تم اور اول خان اس کے بڑے مددگار ہو۔"

غصے کی گرمی کھا کر وہ دھیرے دھیرے کھل رہا تھا۔ اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اول خان اور کرنل داور کو کراچی سے باہر بھجوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا مگر اس نے وہ دونوں نام ایک ساتھ دہرا کر ثبوت فراہم کردیا تھا کہ کراچی سے جبری تبادلے کے بارے میں اول خان کی اطلاعات غلط نہیں تھیں۔

اچانک مجھے جھٹکا سا لگا۔ وہ کن لوگوں کو ڈینی کے لہو کے پیاسے قرار دے رہا تھا۔ اس سوال کا جواب پانے کے لیے مجھے اپنے ذہن پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے اس کے ذہن میں بلیک کیٹس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

شہر میں میرے لیے دوستی اور دشمنی کی فضا کافی عرصے سے ایک ہی نہج پر چل رہی تھی۔ ماضی قریب میں اس میں ذرا سی تبدیلی یہ آئی تھی کہ شہر میں بلیک کیٹس کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں۔ وہ سفاک قاتل تھے اور دبلی سے میرے قتل کا مشن لے کر کراچی آئے تھے۔ وہ شہر میں اپنے طور پر کام کر رہے تھے لیکن ہوٹل میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لیے شاید انہوں نے کوبرا کے ذریعے ارجن کی مدد حاصل کی تھی اس لیے نک بھی ان کی شہر میں آمد سے باخبر ہوگیا۔ میں ڈینی کی حیثیت سے ان سب کا بدترین اور مشترکہ دشمن تھا اس لیے نک کو ان کی آمد کے مقصد کا بھی علم رہا ہوگا۔

یہ بات بہرحال طے تھی کہ بلیک کیٹس نے مجھے مارنے کا اعزاز خود حاصل کرنے کے چکر میں ان میں سے کسی کو یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ انہوں نے مکاری سے کام لے کر میرے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا تھا۔ نک کو میرے گھر کا علم ہوگیا ہوتا تو وہ دوسرے طریقوں سے ڈینی تک پہنچنے کی کوشش نہ کر رہا ہوتا۔

میں نے حشمت یا سوبھراج کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ خود موقوف کردیا تھا کیونکہ اس بارے میں میری کہی ہوئی کوئی غیر محتاط بات ہماری آنے والی کامیابیوں پر منفی اثرات ڈال سکتی تھی لیکن بلیک کیٹس کے بارے میں نک سے کھل کر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ان کے معاملے میں بازی ہماری ہاتھ میں ہی رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں ہمارے ہاتھ آچکے تھے۔ انسٹیشن فور میں ان دونوں کی قید کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی قسمت کے آخری فیصلے پر اثرانداز نہیں ہو سکتی تھی۔

"میں چبا چبا کر باتیں نہیں کر رہا۔ یہ حرکت تم سے سرزد ہوئی ہے۔" میں نے بہت تیزی کے ساتھ وہ سب سوچنے کے بعد' محض چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا "تھوڑی دیر پہلے تم کوبرا کے کن گا رہے تھے۔ اب ڈینی کے لہو کے پیاسوں کی دھمکی دے رہے ہو۔ وہ جو کوئی بھی ہوں' مجھے خوف زدہ نہیں کرسکتے۔"

نک کی غرور آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "وہ کسی کو خوف زدہ ہونے کا موقع نہیں دیتے۔ اچانک اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں اور حیران ہونے سے پہلے اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔"

"کہیں تم بلیک کیٹس کی بات تو نہیں کر رہے!" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سکوت چھا گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری زبان سے بلیک کیٹس کا ذکر سن کر وہ بھونچکا رہ گیا ہو پھر اس کی خشک آواز آئی "تم ان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"وہ سلطنت در سلطنت ہیں۔" میں نے بات گھماتے

وجہ

شراب کے نقصانات پر لیکچر دیتے ہوئے ایک صاحب نے مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی "اگر ایک گدھے کے سامنے بھی ایک بالٹی میں پانی اور ایک میں بیئر رکھی جائے تو وہ کس بالٹی میں سے پیئے گا؟"

"پانی والی بالٹی میں سے" "ہال میں سے آواز آئی۔

"بالکل ٹھیک" مقرر خوش ہوکر بولے "وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"کیونکہ وہ گدھا ہے۔" جواب آیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے جواب دیا "را کا ایک حصہ ہیں لیکن ان سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے کام کرنے کے طریقے سب سے الگ اور نرالے ہیں۔ وہ مارو اور بھاگ نکلو کے اسی فلسفے پر عمل کرتے ہیں جو تم نے ابھی ابھی بتایا تھا۔"

میرا جواب سن کر اول خان کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے ان کے بارے میں تمہاری جنرل نالج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شاید اس نے تنگ کر کہا تھا "میں شہر میں ان کی موجودگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"اس وقت شہر میں ڈینی کے لوگ کے نئے پتا سے وہی تھے۔ اگر تم ان پر تکیہ کیے ہوئے تھے تو سن لو کہ ان کا گھمنڈ خاک میں مل چکا ہے۔ وہ وہاں نہیں ہیں جہاں ان کو ارجن نے رکھا ہوا تھا۔"

"کرنل! مجھ سے لفاظی مت کرو۔" اس کا لہجہ مضطربانہ ہو گیا "کیا تم لوگ ان کی راہ پر لگ گئے تھے۔"

"مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسروں کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"پھر وہ کہاں ہیں؟ ان پر کس نے ہاتھ ڈالا ہے؟" اس کے دونوں سوال اضطراری تھے۔

"یہ کوبرا ہی تمہیں بتا سکے گا۔ میں لاعلم ہوں۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ آج ڈینی نے پھر من مانی کی ہے اور اپنے دشمنوں کو لے اڑا ہے۔"

اس خبر نے نک کو ایسا حواس باختہ کیا کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ چند لمحوں قبل مجھ سے کس فضا میں اور کیا باتیں کر رہا تھا۔ "کرنل! یہ بات تمہیں سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔ ڈینی اب کسی پاگل کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹتا پھر رہا ہے۔ اس وقت اس خبر کی تصدیق ضروری ہے۔ میں پھر تم سے بات کروں گا۔"

"ویری گڈ!" ویرا نے مسرت آمیز آواز میں اونچا نعرہ لگایا۔ "اسے کہتے ہیں تھلے پہ دہلا۔ اب تک رات بھر کانٹوں کے بستر پر لوٹتا رہے گا۔"

"تمہارے اصرار پر میں نے اسے فون کر لیا۔ اس سے بہت لمبی بات ہوئی۔ یہ بتاؤ کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے کہا۔

"بہت سی باتوں کے فوری نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ تم نے بہت خوبصورتی سے اسے چکمے دیے ہیں۔" ایک دو روز میں اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے ضرور آئے گا۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"بس اسے ڈرا کر ہم نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ورنہ کام کی کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے میری تائید کی۔

"حیرت ہے کہ تم یہ کہہ رہی ہو۔" اول خان نے غزالہ سے کہا "تم نے سنا نہیں کہ حشمت کے ذکر پر وہ کتنا بے آرام ہو گیا تھا۔"

"اب ہمارے سامنے دو محاذ رہ گئے ہیں۔" میں نے بات سمیٹتے ہوئے کہا "اسٹیشن فور پر موجود دونوں بلیک کیٹس سے باز پرس اور سوبھراج کی بیخ کنی۔"

"ڈینی! فی الحال اسے حشمت ہی رہنے دو۔ جب تک اول خان اس کی تصاویر میں داڑھی مونچھوں کا اضافہ کر کے اسے ہوٹل کے عملے سے شناخت نہیں کروا لیتا، ہمیں سوبھراج کا نام نہیں لینا چاہیے۔" ویرا نے اس بار پوری سنجیدگی اور متانت سے اپنی زبان کھولی تھی۔ "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ سوبھراج کے بارے میں جلال تم کو پہلے ہی بہت کچھ بتا چکا ہے۔ بات قبل از وقت باہر نکل گئی تو تمہارا بلکہ ہمارا کام بہت مشکل ہو جائے گا۔"

میں خالی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا۔ اس وقت میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔ بلیک کیٹس کی بربادی کی تازہ خبریں سوبھراج کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال سکتی تھی۔ اس سے رابطے کے فون نمبر اول خان فراہم کر چکا تھا مگر خرابی وہی تھی کہ اس وقت سوبھراج سے براہِ راست چھیڑ چھاڑ کام بگاڑ سکتی تھی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان کا مشاہدہ بہت تیز تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں سوچ کے سائے لرزتے دیکھ لیے۔

"ویرا کے مشورے کے برعکس سوبھراج کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ اسے اپنے ذہن سے جھٹک دو تاکہ تم یہ رات آرام سے گزار سکو۔ اس بارے میں صبح دیکھ لیا جائے گا۔" اس نے اپنا پرخلوص مشورہ دیا۔

میں نے کچھ کہنے کے لیے زبان کھولی ہی تھی کہ اول خان کے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے لیے آنے والی اس غیر متوقع کال پر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے فون پر بات شروع کی تو پتا چلا وہ فون اسٹیشن فور سے آیا تھا جہاں دونوں بلیک کیٹس قید تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded From https://paksociety.com

رہا تھا۔ ایران کا بحران اور وہاں امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدہ کے منظر عام پر آنے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مشتعل ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہیملٹن واپس انگلینڈ جانے کے بجائے ہمارے ساتھ ہی ٹھہر گئے۔ بعد ازاں انہوں نے سرکاری طور پر استعفیٰ دے دیا تھا۔ ہمارے علم میں نہیں تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک دوست کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارے ساتھ ان کے طاقتور رشتہ دار بھی ہیں۔ ہمارے لئے یہ بات ہی کافی تھی۔ ہیملٹن نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ایک ریٹائرڈ جنرل کے داماد ہیں۔ ان کی بیوی جنرل کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ جنرل کا نام ہمیں یاد نہیں رہا۔ ہیملٹن کی بیوی کا نام ہمیں یاد رہ گیا تھا۔ وہ ایلینا تھا۔ ایلینا

سونیا نامی اس لڑکی کے بارے میں تھی جسے بلیک کیٹ ہونے کے شبے میں اسٹیشن فور پہنچایا گیا تھا۔

"تلاش کرو۔ اسے ہر طرف تلاش کرو۔ اسے کسی قیمت پر نہیں نکلنا چاہیے۔" اول خان نے اضطراری لہجے میں وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کردیا۔

"کیا ہوا۔ کون نکل گیا؟" فون سے اس کے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ اُلّو کی پٹھی سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہوگئی۔" اول خان نے جھلّائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"اسٹیشن فور سے غائب ہوگئی۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

"سیل کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اندر اس کے سارے کپڑے فرش پر پڑے ہوئے ہیں اور اونچے روشن دان میں لگی ہوئی سلاخیں لکڑی کی چوکھٹ سے اکھاڑ دی گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہنہ ہوکر روشن دان کے راستے کو نکڑی سے نکلی ہے۔"

"تمہارے ہر سیل کی دیواریں سپاٹ اور سیدھی ہیں۔ شاید روشن دان بھی نو فٹ سے کم بلندی پر نہیں ہیں۔ وہ وہاں تک کیسے پہنچ گئی؟" ویرا ابھی وہ بات سن کر حیران رہ گئی۔

"اتنی بلندی تک پہنچنا اور پھر زور آزمائی کرکے روشن دان کی سلاخوں کو اکھاڑنا آسان کام نہیں تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"چھپکلی کی طرح دیوار پر چپک کر چلنا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ کوئی اور۔" غزالہ نے بھی اس واقعے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہا لیکن میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"اس دور میں کچھ بھی ناممکن نہیں رہا۔ اسپائڈر مین ایک فلمی کردار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سونیا اسپائڈر وومن رہی ہو۔ یہ واقعہ کیوں اور کیسے ہوا۔ یہ سب ثانوی باتیں ہیں۔ اس وقت کی سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ وہ سیل سے باہر نکل چکی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا "وہ سیل سے ضرور نکل گئی ہے لیکن اسٹیشن فور کی حدود سے باہر نہیں جاسکے گی۔ ایس ٹی ایف کے محافظ اسے دوبارہ اپنے شکنجے میں دبوچ لیں گے۔"

"اسٹیشن فور میں کسی کام میں دیر نہیں لگتی۔" اول خان نے اپنی جگہ پر کسمسا کر جواب دیا "اس کے غائب ہونے کا انکشاف ہوتے ہی وہاں ایمرجنسی کا اعلان کرکے ساری سرچ لائٹس آن کردی گئی تھیں۔ اسے ہر طرف تلاش کیا گیا لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو کسی جوان، خوش بدن اور برہنہ لڑکی کی مدد سے انکار کریں۔ ہوسکتا ہے کہ جبری تجرد سے اکتائے ہوئے، تمہارے ہی کسی آدمی نے اسے پناہ دے دی ہو۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"عام انسانی نفسیات کی رو سے ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "لیکن میرے آدمی اپنے بدترین انجام کے خوف سے ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کرسکتے۔ وہاں کوئی قیدی لایا جاتا ہے تو پورے کیمپ کو اس کی آمد کی اطلاع مل جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ کوئی کسی قیدی کا مددگار نہیں بن سکتا۔ کڑی سزا، بدنامی اور ملازمت سے ذلت آمیز برطرفی کا خوف ہر شیطانی تحریک پر غالب آسکتا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ میرے کسی آدمی نے اسے پناہ دی ہوگی۔"

"پھر وہ کہاں گئی؟" میں نے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔

"بس ایک امکان ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے، دھیمی آواز میں جواب دیا "وہ اعلیٰ ترین تربیت یافتہ لڑکی ہے اور شاید ضرورت سے زیادہ ذہین بھی۔ رات کے وقت اسٹیشن فور کی حدود میں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ کہیں کہیں گہرے اندھیرے کا راج بھی ہوتا ہے۔ شاید اس نے روشن دان سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھ کر اپنے فرار کا منصوبہ سوچا اور پھر اس پر عمل کر گزری۔ کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا ہوگا۔ وہ کسی تاریک مقام پر باڑھ کے پار نکل گئی ہوگی۔"

وہ اول خان کا نظریہ تھا لیکن بہت زیادہ قابلِ قبول نہیں تھا۔ اس پر بحث چھڑ گئی۔

اول خان نے اپنے نظریے کے دفاع میں جو نکتے بیان کیے وہ واقعی قابلِ غور تھے۔ اسٹیشن فور وسیع رقبے پر پھیلا ہوا اور خاردار تاروں کی باڑھ میں گھرا ہوا محفوظ کیمپ تھا جہاں کسی کا خفیہ طور پر داخلہ ممکن نہیں تھا لیکن اس علاقے میں آوارہ کتوں کی بہتات تھی جو اکا دکا اور رات کے وقت چھوٹی بڑی ٹولیوں کی صورت میں بلا روک ٹوک اسٹیشن فور کی حدود میں آتے جاتے رہتے تھے۔ خوراک کی طلب اور کسی گوشۂ عافیت کی تلاش ان چوپایوں کو اسٹیشن فور کی طرف آنے پر مجبور کرتی تھی۔

سونیا کو یقینی طور پر یہ سب معلوم نہیں تھا۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے سرور نے وہاں

Downloaded from https://paksociety.com

پہنچایا تھا۔ سونیا کو یہ تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کی قید میں تھی۔ اس نے بنیادی طور پر صرف ایک نکتہ طے کیا ہوگا کہ اسے سیل کی حدود سے باہر نکل کر کسی چوپائے کی طرح چاروں ہاتھوں اور پیروں پر چلتے ہوئے فرار ہونا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح سیل سے باہر نکلی تو ماحول سازگار تھا۔ اس کا بدن لباس کے جھنجٹ سے آزاد تھا۔ اس نے اپنی پوری پیشہ ورانہ مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے چوپائے کی چال اختیار کی اور تاریکی کی طرف ہولی۔ دور سے اگر کسی نے اسے دیکھا بھی ہوگا تو قد آور کتا وغیرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ وہ باہر نکلی اور کسی طرف فرار ہو گئی۔

ایس ٹی ایف کے کسی محافظ کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں آسکا ہوگا کہ ان کی قیدی اسٹیشن فور کی حدود میں کسی چوپائے کی طرح چل رہی ہوگی۔

سونیا کے فرار کا وہ طریقہ سہل نہیں تھا۔ کوئی اردگرد کے ماحول سے پوری طرح واقف ہونے اور بھرپور منصوبہ بندی کرنے کے بعد ہی وہ خطرہ مول لے سکتا تھا مگر مجھے اس سے زیادہ حیرت اس کے ہوش میں آنے پر تھی۔

میں نے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس کے اوپر حملہ کر کے اسے بے ہوش کیا تھا۔ ضرب کی بے ہوشی کو ناکافی سمجھتے ہوئے میں نے اس کے جسم میں مکمل بے ہوشی کا ایک ڈوز بھی اتار دیا تھا۔ میرا اندازہ بلکہ تجربہ تھا کہ اول خان کی دی ہوئی انجکشن کے کھوکھلے نکینے میں پوشیدہ سیال کے اثرات خاصے دیرپا ہوتے تھے لیکن وہ لڑکی بہت جلدی ہوش میں آئی تھی۔ وہ نہ صرف ہوش میں آئی تھی بلکہ ذہنی اور اعصابی طور پر اتنی توانا تھی کہ اس نے فوری طور پر اس قید سے اپنے فرار کی ایک کامیاب راہ بھی تلاش کر لی۔

"اس کا ساتھی کہاں اور کس حال میں ہے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"لڑکی کے غائب ہونے کا انکشاف ہوتے ہی اس کی خبر لی گئی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے سیل کے فرش پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"لعنت ہے اس پر۔" ویرا بولی "وہ مرد ہو کر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ لڑکی ہوش میں آکر بھاگ بھی گئی۔"

"عام طور پر لڑکیاں ہی بھاگتی ہیں۔" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا "وہ بے چارہ مرد ضرور ہے لیکن اسے کافی دیر بعد بے ہوش کیا گیا تھا۔"

"یہ مرد اور عورت کی کیا واہیات بحث شروع کر دی تم نے!" اول خان نے اسے گھور کر کہا "اس وقت ہم ایک سنگین مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔"

"وہ کپڑے چھوڑ کر بھاگی ہے۔" میں نے بات شروع کی تھی کہ سلطان شاہ بول پڑا۔

"اسٹیشن فور سے نکلنے کے بعد جب کسی نے اسے دو پیروں پر بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا تو اسے مظلوم سمجھا ہوگا۔ اوباش مردوں کے چنگل سے نکل بھاگنے والی لڑکیوں کو عام طور پر مظلوم ہی سمجھا جاتا ہے۔"

"تم کچھ دیر کے لیے اپنی زبان کو لگام نہیں دے سکتے۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

سلطان شاہ نے زبان سے کچھ کہے بغیر سعادت مندی سے اپنا سر جھکا لیا۔

"تم سونیا کے کپڑوں کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"ہاں' ان کا جائزہ لو۔" میں نے اول خان سے کہا "بعض اوقات مجرموں کے لباس سے بھی کوئی نہ کوئی سراغ مل جاتا ہے۔"

"ان کپڑوں میں سونیا کے بدن کی مہک رچی ہوئی ہوگی۔" ویرا نے بے ساختہ کہا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی برقرار تھی۔

"میں نے اسے چپ کیا تو اب تمہارا دماغ چل رہا ہے!" میں نے ویرا پر آنکھیں نکالیں۔

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی!" ویرا نے اسی گہری سنجیدگی سے جواب دیا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "تربیت یافتہ کتے اس بُو کے سہارے ہمیں سونیا تک پہنچا سکتے ہیں۔"

"فضول بات ہے۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا "یہ کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ابھی تک انہی اطراف میں موجود ہو۔ وہ ایک چالاک اور مکار عورت ہے۔ کسی نہ کسی کی گاڑی میں لفٹ لے کر یہاں سے میلوں دور نکل چکی ہوگی۔"

"یہ بہت برا ہوا کہ وہ ہمارے ہاتھ آکر نکل گئی۔" فرزانہ متاسفانہ لہجے میں بولی "بدحواسی میں شاید وہ اسٹیشن فور کے محل وقوع پر زیادہ دھیان نہ دے سکی ہو مگر اس کی کھاگ نظروں نے یہ اندازہ ضرور لگایا ہوگا کہ وہ کسی فوجی چھاؤنی کے علاقے میں رکھی گئی تھی۔"

اس وقت وہی بات میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے تک سے کرنل داور بن کر بات کرنے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے اسے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ ارجن کے ہوٹل سے ڈبی نے دونوں بلیک کیٹس کو اٹھالیا تھا۔ میری اس کوشش کا دہرا ہدف تھا۔ اول یہ کہ وہ میرے اصل نام سے مزید خائف ہوجائے۔ دوئم یہ کہ بلیک کیٹس کے بارے میں کسی ایجنسی وغیرہ کا نام نہ آنے پائے۔ اگر یہ بات کھل جاتی کہ ان دونوں کو کسی سرکاری ایجنسی نے اٹھایا ہے تو پھر انہیں جنم واصل کرنا ممکن نہ رہتا۔ ضابطوں کے مطابق جرم ثابت کرکے انہیں سزا یاب کیا جاتا اور پھر کسی بھی مرحلے پر' قیدیوں کے باہمی تبادلے کے نتیجے میں وہ دونوں دوبارہ بھارت چلے جاتے۔

میرے لیے ان کا وہ انجام ہرگز پسندیدہ نہیں تھا۔ انہوں نے غیر قانونی طور پر پاکستان میں گھس کر دہشت گردی اور سازشوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان کو سخت ترین باز پرس سے گزرنے کے بعد آخر کار موت کے گھاٹ اتر جانا چاہیے تھا۔ سونیا کے فرار کے بعد مجھے وہ کام مشکل ہوتا نظر آرہا تھا۔

"اب وہ دوبارہ ہوٹل کا رخ نہیں کرے گی۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "دیکھنا ہوگا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔"

"ہمیں فوری طور پر شہر میں اس کی تلاش شروع کردینی چاہیے۔" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر اپنی رائے پیش کردی "کوبرا منظر سے یکایک غائب ہوگیا ہے۔ ابرار قید میں ہے۔ وہ بالکل بے یارومددگار رہ گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرے' ہمیں دوبارہ اسے دبوچ لینا چاہیے۔"

"اسے سورو سمیت میرے متعدد آدمیوں نے دیکھا ہے۔" اول خان نے کہا "وہ اسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

"سورو کی سربراہی میں اپنے ان آدمیوں کو شہر میں پھیلا دو۔ اس کا کسی سے رابطہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اسے تاکید کی "ایک بار اسے کوئی سارا مل گیا تو وہ مضبوطی سے اپنے قدم جمالے گی۔"

"مجھے دوبارہ دفتر جانا ہوگا۔" اول خان نے مضطرب ہو کر یکایک اپنی جگہ چھوڑ دی "میں ابھی تک حیران ہوں کہ وہ اتنی خالی سیل میں آٹھ نوٹ اونچے روشن دان تک کیسے پہنچ گئی!"

"صاف بات یہ ہے کہ اس میں تمہاری یا تمہارے کسی آدمی کی کوتاہی کا دخل نہیں ہے۔ یہ اس لڑکی کا کمال تھا کہ وہ وہاں سے نکل گئی۔" اس کو کسی قسم کی آزردگی سے بچانے

"مثال"

کلاس روم میں ٹیچر نے کہا "عمران! کسی آسان مثال کے ذریعے بتاؤ کہ ریڈیو کس طرح کام کرتا ہے؟"

"سر!" عمران سر کھجاتے ہوئے بولا "اگر آپ کے پاس ایک بہت لمبا سا کتا ہو جس کا سر کراچی میں ہو اور دم لاہور میں تو اگر آپ لاہور میں اس کی دم پر پاؤں رکھیں گے وہ کراچی میں بھونکے گا بس سمجھ لیں ریڈیو بھی کچھ اسی قسم کی چیز ہے۔" عمران نے مثال کے ذریعے واضح کیا۔

کے لیے مجھے ناچار وہ بات کہنی پڑگئی جو میں دیر سے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا۔

"تم نے تو اسے دیکھا اور گھیرا تھا۔ کیا وہ واقعی اتنی چالاک اور تیز و طرار نظر آتی تھی۔" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

"عام سی مگر خوش شکل اور سڈول عورت ہے۔ صورت سے گاؤدی لگتی ہے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر ڈورے ڈالے جائیں تو ذرا سی کوشش سے پھنس جائے گی۔ اس کے طور طریقوں میں اوباش مردوں کے لیے ایک خاص کشش پائی جاتی ہے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ میری بات پوری ہوتے ہی وہ بولی "ذرا سی دیر پہلے میں تمہارے بارے میں یہی بات بتا رہی تھی۔ اس کو اول خان نے تمہاری خوبی قرار دیا تھا کہ تم آسانی سے عورتوں سے اپنا کام نکال لیتے ہو۔"

"چلو' اب برابر کی ٹکر ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کس کی کشش زیادہ کام دکھاتی ہے۔" سلطان شاہ نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

اول خان کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ چاروں اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ سکوت غزالہ نے توڑا "اس بار ہمارے سامنے غیر معمولی حریف ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ جتنی آسانی سے ہاتھ آئی تھی' اس سے زیادہ آسانی سے صاف نکل گئی۔ کوبرا کے بارے میں تمہیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

"جب ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں تو پھر کھل کر اس کا نام لو۔" ویرا نے جواب دیا "کوبرا اور خشمت اس کے فرضی

Downloaded from https://paksociety.com

نام اور بہروپ ہیں۔ ہوٹل کی ویٹریس کے بیان کے بعد اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ان دونوں ناموں کے پیچھے سوبھراج کی شخصیت کارفرما ہے۔"

"میں بھی اسی کے بارے میں بات کررہی تھی۔ وہ ہمارے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوسکتا ہے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے تنکے کی طرح اڑایا جاسکتا ہے۔" ویرا نے حقارت سے کہا "تمہارے حکمرانوں کی وجہ سے اسے وی وی آئی پی کا درجہ دے کر اتنا اہم بنادیا ہے ورنہ اس کے گلے میں کسی بھی وقت طوق ڈالا جاسکتا ہے۔"

"مفروضات میں الجھ کر اپنا دماغ خراب مت کرو!" غزالہ نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا "وہ اپنے سارے تحفظات اور مراعات کے ساتھ ہمارے مدمقابل آیا ہوا ہے تو اس سے اسی طرح مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ بات سب سے پہلے ہمارے علم میں آئی ہے کہ وہ کوبرا بن کر بلیک کیٹس کی سرپرستی کررہا ہے۔ اول خان نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے' کھل کر ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے ان دونوں کو رگڑ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ سونیا کے ستارے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ نکل گئی۔"

"اب ہمارے سامنے صرف سوبھراج رہ گیا ہے۔ میں خود بھی اس پر کوئی اوچھا ہاتھ نہیں ڈالوں گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

شام تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک جارہا تھا۔ پیشانی پر زخم کے نشان والے کے پکڑے جانے کے بعد کھیل یکایک سمٹا ہوا نظر آنے لگا تھا مگر ان آخری لمحات میں بازی کچھ بکھری گئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک' اپنی جگہ ملول اور افسردہ تھا۔ اس بوجھل ماحول میں روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف ہولیے۔

سونیا اکیلی رہ گئی تھی اور بھری ہوئی تھی مگر پھر بھی میں اس کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بلیک کیٹس نے میدان میں آتے ہی جس تیزی سے اول خان کے بازو کو زخمی کرکے ہمارے گھر کا سراغ لگایا تھا اس کے پیش نظر' آنے والے گھنٹوں میں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سونیا نے ہمارا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ہمارا گھر اول خان کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ غنیمت یہ تھا کہ ایک جعلی سرویر کو ہمارے گھر میں بھیجنے کے باوجود وہ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔

چائے کے سروے کے بہانے ہمارے گھر آنے والی لڑکی سے پہلے میرا اور پھر ویرا کا سامنا ہوا تھا۔ اس کے لیے مجھے پہچاننے کا براہ راست کوئی ذریعہ نہیں تھا مگر مجھے یہ خوف تھا کہ بہت روانی سے شستہ اردو بولنے کے باوجود ویرا اس سرویر کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ یہ بات سونیا ہی نہیں' ہمارے سارے دشمن جانتے تھے کہ مقامی لب ولہجے میں رواں اردو بولنے والی غیر ملکی لڑکی ویرا ہے۔ وہ دو اور دو چار والا معاملہ تھا۔

اگر سرویر لڑکی نے ان لوگوں کو یہ بتادیا تھا کہ ہمارے گھر میں ایک اردو داں' سفید فام غیر ملکی عورت رہ رہی تھی تو ان کے لیے سب کچھ سمجھ لینا آسان تھا اور اگر سرویر لڑکی نے اپنی بے وقوفی کی بنا پر ویرا کے غیر ملکی ہونے کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور اپنے آقاؤں کو محض ایک گوری چٹی مقامی عورت اور مرد کی موجودگی کی خبر دی تھی تو پھر معاملہ زیادہ سنگین نہیں تھا۔

وہ دونوں امکانات بہت نازک تھے۔ میں اس بارے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ہمارے ساتھ کسی بھی وقت کوئی بدترین صورت حال رونما ہوسکتی تھی۔ بے خبری میں مارے جانے سے بہتر یہ تھا کہ ہم ہر قسم کے ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ وہ پس پردہ رہنے کی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود شہر میں بہت زیادہ غیر معروف نہیں تھا۔ بہت سے لوگ اور خاص طور پر ہمارے دشمن یہ جانتے تھے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک اہم اور ذمہ دار افسر تھا۔ بلیک کیٹس نے اسے چلتی گاڑی میں ٹاک کر زخمی کیا تھا۔ سب کو میری اور جہانگیر کی گہری دوستی کا علم تھا۔ اسی دوستی کی بنا پر جہانگیر کے گھر پر بھی ایک زر خرید سرویر کے ذریعے وار کیا گیا تھا۔ وہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔ ان کے پس پشت کیا عوامل کارفرما تھے' اس کا فوری تعین ممکن نہیں تھا۔ صبح کے اخبارات بازار میں آنے کے چند گھنٹوں بعد ہمیں اپنی صحیح پوزیشن کا اندازہ ہوسکتا تھا۔

اگر سونیا اس گھر میں میری اور ویرا کی موجودگی کے بارے میں جان چکی تھی تو اخبارات میں امریکیوں کا جاری کردہ' انعامی اشتہار دیکھتے ہی اس کو ان لوگوں سے رابطہ کرلینا چاہیے تھا۔ وہ میرے اور ویرا کے لہو کے پیاسے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی نہ کوئی بڑی کارروائی کرگزرتے۔ اگلا دن

Downloaded from https://paksociety.com

سکون اور عافیت سے گزر جاتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ہمارے گھر آنے والی تیرویر نے سونیا یا ابرار کو کوئی اہم یا قابل ذکر بات نہیں بتائی تھی۔

میں نے اپنے کمرے میں جانے سے پہلے چھت پر جاکر ایس ٹی ایف کے دونوں محافظوں سے دوستانہ انداز میں ان کے آرام اور ضروریات وغیرہ کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد بتایا کہ اگلے چوبیس گھنٹے ہم سب کے لیے بہت کٹھن تھے۔ ہمیں ہر لمحے ہوشیار رہ کر اپنے اردگرد کے ماحول پر کڑی نظر رکھنی تھی۔

وہ دونوں بہت سمجھ دار تھے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ مطلع صاف ہونے تک وہ دونوں پلک جھپکائے بغیر' گلی میں آنے جانے والوں پر نگاہ رکھیں گے۔

ان کو بریف کرنے کے بعد میں کمرے میں پہنچا تو غزالہ شب خوابی کے لباس میں' سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنے دراز گیسو ایک جوڑے کی شکل میں سمیٹ رہی تھی۔ میں نے اس سمیت کسی سے بھی اپنے ان اندیشوں کا تذکرہ نہیں کیا جو اندر ہی اندر مجھے بے چین کیے ہوئے تھے۔

میں معنی خیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا ہوا' مسہری پر جا بیٹھا۔ وہ غزالہ کا ایک خاص انداز تھا۔ جب وہ رفاقت کے کسی اچھے موڈ میں ہوتی تھی تو عام طور پر اسی انداز میں میرے سامنے آتی تھی۔ میرے ذہن میں شگوفے سے چٹکنے لگے' اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کسی کڑے وقت کا پامردی سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک اچھی رفیق حیات کتنی ضروری بلکہ ناگزیر ہوتی ہے۔ غزالہ میری ذہنی اور جسمانی ضروریات کا ہر وقت بہت خیال رکھتی تھی۔

میں کپڑے بدل کر بستر پر آیا تو غزالہ نے شوخ لہجے میں اچانک نادرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ بھی ایک دلچسپ عورت تھی۔ کلفٹن کے علاقے میں ہم کچھ عرصے کے لیے اس کے آرائستہ فلیٹ میں کرایے دار رہے تھے۔ وہ مجھ سے بہت باتیں کرتی تھی۔ غزالہ کا خیال تھا کہ وہ مجھ پر ریجھ گئی تھی۔

پرانی یادوں کے تازہ ہوتے ہی نئی پریشانیاں میرے ذہن سے تحلیل ہونے لگیں۔ غزالہ نے بہت خوش اسلوبی سے مجھے اپنی ہلکی پھلکی گفتگو کے سحر میں لے لیا تھا۔

ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر غزالہ تھک ہار کر گہری نیند سوگئی۔ کچھ دیر کے لیے میرے ذہن پر بھی غنودگی کی لہر طاری ہوئی مگر پھر دماغ کے نہاں خانوں میں دبکے ہوئے خطرات نے سر ابھارا اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

خوف اور خطرے کی حالتوں میں رات کا اندھیر زور آور ہوتا ہے۔ غنیمت تھا کہ میرے کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں آنکھیں کھولے بستر پر پڑ میرے ذہن میں خیالات کی رو دوبارہ چل پڑی تھی۔ والے وقت کے وسوسوں نے غزالہ کے ساتھ گز ہوئے وقت کے سرور کو بہت بے رحمی سے نگل لیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے پہلی گھنٹی ہونے سے پہلے ہی لپک کر ریسیور اٹھالیا تاکہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ دوسری طرف سے اول خان بول رہا

"فون کرنے کے لیے یہ وقت نامناسب ہے مگر پاس دو اہم خبریں تھیں جو۔"

"کم آن اول خان!" میں نے اس کی بات درمیا کاٹ دی "ہمارے درمیان ایسے تکلف کا کوئی رشتہ ہے۔ جو کہنا ہے' کسی تمہید کے بغیر کہہ ڈالو۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ آدمیوں نے سونیا کے کپڑے سمیٹ کر احتیاط سے کردیے تھے۔ میں نے انہیں نکلوا کر دیکھا ہے۔ اس جانے کے اندرونی حصے پر ایک واٹر پروف یا شاید آل فیگ چسپاں ہے۔ بادی النظر میں وہ زیر جامے بنانے فیگ نظر آتا ہے۔ اس پر دو مسہل سے انگریزی الفاظ کے نیچے ایک الفانیو مریکل کوڈ درج ہے۔ میں کافی اس میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی ابھی عقدہ کھلا ہے کہ دونو کے حروف تہجی الٹی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ اس ا کوڈ کے مطابق سونیا کا اصل نام سیتا کانت اور کوڈ پا پندرہ ہے۔"

"ویری گڈ!" اول خان کی فراہم کی ہوئی دو واقعی حوصلہ افزا تھی "ابھی تک ان دونوں کے بار کچھ پتا نہیں تھا۔ اب ہم سیتا کے نام اور کوڈ سے اٹھا سکتے ہیں۔ بی سی یقینی طور پر بلیک کیٹس کا مخفف سونپ دہ اس کا نمبر ہے۔"

"بالکل یہی ہے۔" اول خان کی پر زور تائید کی "سیکرٹ سروسز میں اہم ترین مہمات پر جانے وا شناخت کے لیے کوئی نہ کوئی خفیہ بندوبست کیا جاتا حادثاتی موت کی صورت میں ان کو پہچانا جاسکے۔ کے لیے زیر جامے کا استعمال پہلی بار میرے سا ہے۔"

"سیتا اس راز سے بے خبر نہیں رہی ہوگی اپنے سارے کپڑے چھوڑ بھاگی۔" میں نے اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

ظہار کیا۔

"کپڑے چھوڑنا اس کی مجبوری تھی۔" قدرے توقف کے بعد جواب آیا "اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے زیر جامے کا ٹیگ نکال گئی ورنہ اس مختصر سے چیتھڑے کو اپنے ساتھ ضرور لے جاتی۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اپنے کوڈنگ ٹیگ کو بالکل محفوظ تصور کررہی ہو۔ اسے گمان ہی نہیں ہوا ہو کہ کوئی اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں کامیاب ہوجائے گا۔"

"قطعی ممکن ہے۔" اس نے بلا تردد اعتراف کرلیا "میرے آدمیوں نے اس کے کپڑوں کو سیل کررہی تھا۔ یہ میری ذہنی اختراع تھی کہ مجھے یہاں آکران کو دوبارہ کھلوانا اور آخرکار مطلوبہ معلومات ہمارے سامنے آگئیں۔"

"انہوں نے اس قدر آسان طریقہ بلکہ کوڈ استعمال کرکے اس کی ڈی کوڈنگ کو اور مشکل بنادیا۔ کوئی سوچ بھی سکتا کہ رایا بلیک کیٹس والے اپنے آدمیوں کی بعد از شناخت کے لیے ایسا پچگانہ طریقہ استعمال کریں گے۔ بتاؤ کہ ابرار کا نام کیا ہے!"

"میں نے اپنے دفتر میں سیتا کانت کا نام دریافت کرتے تمہیں فون کیا ہے۔ ابھی اس کی باری نہیں آئی۔ وہ ہوش آچکا ہے۔ اب میں اس کی طرف جاؤں گا اور اس کے کپڑے اتروادوں گا۔"

میں نے سرعت سے غور کیا۔ اس وقت لے دے کر ایک شکار ہماری گرفت میں رہ گیا تھا۔ اسے ذرا بھی مس کیا جاتا تو معلومات حاصل کرنے کا ایک معتبر ذریعہ ہاتھوں سے نکل سکتا تھا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "اب میری بھی رات کالی ہوگی۔ میں آرہا ہوں۔ میرے پہنچنے سے پہلے نہ چھیڑنا۔"

"تم آجاؤ تو ہم ایک اور ایک گیارہ ہوجائیں گے!" اس کی آواز مسرت آمیز تھی۔ اس نے میری تجویز کا برا نہیں مانا تھا۔

"یہ بتاؤ کہ تمہاری سی ایس ڈی تو صحیح کام کررہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بالکل۔ وہ اس وقت بھی آن ہے۔ کیا تم کو اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

"میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہوسکے گا۔ تمہاری دوسری خبر کیا ہے؟"

"تمہاری یہ بات میرے دل میں چبھ گئی تھی کہ کہیں میرے کسی آدمی نے سیتا کو پناہ نہ دے دی ہو۔ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ ایک خوب صورت اور بے لباس لڑکی کے ہزار ہمدرد پیدا ہوسکتے ہیں۔ میں نے یہاں آتے ہی اسٹیشن فور کا ہر کونا اور کمرا، حتیٰ کہ کباڑ خانہ تک چھان مارا ہے۔ سیتا یہاں نہیں ہے۔"

"میری باتوں کو اپنے دل پر نہ لیا کرو۔ وہ بات میں روانی میں کہتا چلا گیا تھا۔ مجھے پکا شبہ ہوتا تو میں خود تمہارے ساتھ گیا ہوتا۔"

"آجاتے تو اچھا تھا۔ شاید سیتا کے نام اور کوڈ کا مسئلہ جلد حل ہوجاتا۔"

"کچھ نہیں بگڑا۔ میں اب آرہا ہوں۔"

اس سے بات ختم کرکے میں نے خاموشی اور آہستگی سے بستر چھوڑ دیا۔ میں غزالہ کی بے خبری میں نکل جانے کا ارادہ کرچکا تھا۔

میں کپڑے تبدیل کررہا تھا تو ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے تیزی سے ریسیور اٹھالیا۔ میں حیران تھا کہ اول خان کو دوبارہ فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ کہیں ابرار کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہ آگیا ہو۔

"ابھی کس کا فون آیا تھا؟" میں ویرا کا وہ سوال سن کر حیران رہ گیا۔

"تم اس وقت کہاں سے فون کررہی ہو؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔

"زیادہ ہکلنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ڈرائنگ روم والی لائن سے ڈبل ون ٹو ملا کر گھنٹی بجائی ہے۔"

"اوہ! یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ اس طرح تو دو لائنوں کو انٹرکام کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"بالکل کیا جاسکتا ہے۔ بس ہر بار ایک کال لگ جائے گی۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"وہ اول خان کا فون تھا۔ میں اسٹیشن فور جارہا ہوں۔" میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"بس میں بھی دو منٹ میں تیار ہورہی ہوں۔ مجھے نیند نہیں آرہی۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

اس کے جانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا تو نقصان بھی نہیں تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔ میں چند منٹ میں تیار ہوکر کمرے سے باہر نکلا تو ویرا، سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔

ویرا کے چہرے پر محض بے خوابی کی گرانی کے آثار تھے۔ سلطان شاہ کی سرخ آنکھیں ویرا کی زیادتی کی چغلی کھا

Downloaded from https://paksociety.com

رہی تھیں۔ اس نے سلطان شاہ کو گہری نیند سے اٹھایا تھا۔ نیند خراب ہونے کی وجہ سے وہ جھنجلایا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پھٹ پڑا "اسٹیشن فور پر کیا قیامت آگئی جو تمہارا اس وقت وہاں جانا ضروری ہے۔"

"اپنے کمرے میں جاؤ اور دوبارہ سوجاؤ۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "گھر میں کسی نہ کسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کہاں جارہے ہیں تاکہ ہماری گمشدگی کی صورت میں تلاش میں کوئی دشواری نہ ہو۔"

میرے تیور دیکھ کر سلطان شاہ کی تیوریوں کے بل فوری طور پر دور ہوگئے۔ میرے لہجے کی درشتی کی بنا پر اس نے مجھ سے کوئی سوال تک نہیں کیا اور ہم دونوں گھر سے روانہ ہوگئے۔

اول خان نے خوش دلی سے ہم دونوں کا استقبال کیا۔ ویرا کو میرے ساتھ دیکھ کر اسے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا تھا۔ میرے ایما پر اس نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں' وقت ضائع کیے بغیر' اس کی رہنمائی میں ابرار کے سیل کی طرف چل دیے۔

مجھے اول خان سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے راستے میں ویرا کو بتادیا تھا تاکہ وہ بے خبری میں کسی حماقت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔

"اس نے ہوش میں آنے کے بعد کچھ اودھم مچایا مگر پھر پرسکون ہوگیا۔ ابھی تک اسے صرف ایک بار پانی دیا گیا ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"خطرناک مجرموں کا سکون بھی خطرناک ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اب کیا بولتا ہے۔" میں نے کہا۔

اس کے سیل کے باہر دو مسلح نگراں موجود تھے۔ ایس ٹی ایف والے ایک شخص نے جونہی دروازے کی کنڈی کھولی' پرانی طرز کے دروازے کے دونوں پٹ کسی نے اندر کی طرف کھینچ کر کھول دیے۔ کھلے ہوئے دروازے کے سامنے ابرار ہمارے مدمقابل سینہ تانے کھڑا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر پڑیں اور وہیں مرکوز ہوکر رہ گئیں۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ میرے مقدر کی گردش مجھے یہاں لے آئی ہے مگر وقت میرا ساتھ ضرور دے گا۔" اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر' اپنے بازو دباتے ہوئے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"بچنے کی کوشش نہ کرو ورنہ مار کھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا۔ مجھے اس کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

اس کے قدموں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تو میں نے ویرا کو کہنی ماری۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے فضا میں ا اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے ابرار کے سینے پ اور وہ ایک دبی دبی کراہ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔ ویرا سے ہوتی ہوئی' دوسری طرف اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔

راستہ بن گیا تھا۔ ہم دونوں بھی کمرے میں ہوگئے۔ ابرار گٹھے ہوئے جسم کا مالک اور خاصا سخت تھا۔ دھیرے دھیرے وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مظہر خان! تم مجھ سے مارپیٹ کرسکتے ہو۔ مجھے سے بھی مار سکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ اب تمہارا وقت ہوچکا ہے۔ پوری دہلی کو معلوم ہوچکا ہے کہ تم ہی ڈینی نام میرے بڑوں کو شروع سے پسند نہیں ہے۔ وہ بندوبست کرچکے ہیں۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا

"تم میرا نام جانتے ہو تو اب اپنا بھی تعارف کرا میں نے سختی سے مطالبہ کیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ ا کوئی آرموڑا اختیار کرنے کے بجائے خود ہی دہلی کا ذک ایک بہت بڑا اعتراف کرلیا تھا۔ شاید اس طرح وہ غیر مارپیٹ اور تشدد سے بچنا چاہ رہا تھا۔

"میرا نام ابرار احمد ہے۔ یہ بات تم ہوٹل کے سے بھی چیک کرسکتے ہو۔" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

"دہلی والے کسی ابرار احمد کو یہاں نہیں بھیج میں نے زہریلے لہجے میں کہا "شرافت سے اپنے بار نہیں بتاؤ گے تو ہم تمہارے ساتھ دوسرے طریقے ا کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"تم دوسرے طریقے اختیار کرو یا تیسرے' مجھے بتانا تھا' وہ میں نے بتادیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں بازی ہار چکا ہوں۔ اس کا حساب کوئی اور چکائے گا۔ موت سے خوف زدہ تھا اور نہ زندگی کی بھیک مانگنے پر آرہا تھا۔ اس سے کچھ اگلوانا جوئے شیر لانے سے تھا۔

"اپنی ساتھی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" اس سے اگلا سوال کیا "دہلی کا حوالہ دے کر تم بہ کرچکے ہو کہ تمہارا تعلق انڈین سیکرٹ سروس کے سے ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہاں سے مجھے مار لیے ایک مرد اور ایک لڑکی کو بھیجا گیا ہے۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تم کو کوئی ملی ہے تو اسے تلاش کرلو۔" اس نے ڈھٹائی سے جوا

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے میرے سوال کے پہلے حصے کا جواب نہیں دیا۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اس کا جواب تمہارے سوال میں موجود تھا۔ تم کو یہ بتانا ضروری تھا تاکہ تم مجھے مارنے کے بعد میری لاش بھارت بھجوا سکو اور وہاں میرا کریا کرم ہو سکے۔ زندگی میں ہماری دشمنی ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ مسلمان کسی مردے کی بے حرمتی نہیں کرتے۔"

"مسلمانوں کا کریا کرم نہیں ہوتا' ان کی تدفین ہوتی ہے۔" میں نے آستینیں سمیٹتے ہوئے' زہریلے لہجے میں اسے بتایا "اب شرافت سے اپنا نام بتا دو ورنہ میں تمہاری ہڈیاں اتار دوں گا۔"

ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ روانی میں وہ ایک متضاد بات کہہ گیا تھا مگر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور بولا جو باتیں تم کو معلوم ہیں' ان کے بارے میں مجھ پر دباؤ نہ ڈالو۔ مجھے جو کچھ کہنا یا بتانا تھا وہ میں کہہ چکا ہوں۔"

میں نے بڑھ کر اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ وہ سنبھلا تو اس کے دہانے کے سرے سے خون کی ہلکی سی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "مار پیٹ بازاری غنڈوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"تم اپنی موت کے لیے شاید ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ وہ ابھی بہت دور ہے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ تم یہاں کس کس سے رابطے میں تھے۔ تم نے زبان نہیں کھولی تو مرنے سے پہلے تم بار بار مرنے کی آرزو کرتے رہو گے مگر زندہ رہو گے۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے دھمکی دی۔

اس بار اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرائے پھر وہ بولا "تم جانتے ہو کہ تمہیں اس سوال کا جواب نہیں مل سکے گا۔"

"تم ٹھہرو!" مجھے بڑھتے دیکھ کر ایک دم ویرا بول پڑی "میں ابھی اس کا دماغ درست کرتی ہوں۔"

وہ اس پر اپنا پہلا وار کر چکی تھی۔ میں نے سر ہلا کر اسے اشارہ کیا اور اگلے ہی لمحے ویرا نے پھرتی سے پیش قدمی کر کے اس کے بائیں جبڑے پر زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ وہ جھکائی دے کر خود کو اس وار سے بچا گیا اور ویرا اپنے دانتوں پر گھوم کر رہ گئی۔

ابرار کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ باکسنگ میں بھی درک رکھتا تھا لیکن اسے ویرا کے مارشل آرٹس کے کمالات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ ویرا کے مکے سے ضرور بچ گیا لیکن ویرا کی گھومتی ہوئی لات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ مکے سے بچنے کے چکر میں نیچے جھکا ہوا تھا اس لیے ویرا کی لات نے اس کے سینے کے ساتھ چہرے کو بھی مجروح کر دیا۔ وہ غراتا ہوا ایک طرف لڑھک گیا۔

اس نے بہت پھرتی کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر ویرا اسے کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے ابرار کے سنبھلنے سے پہلے' اس کے سر پر سوار ہو کر اسے لاتوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

ویرا کے ان تابڑ توڑ حملوں نے اسے حواس باختہ کر دیا۔ ابتدا میں وہ خود کو ویرا کی مار سے بچانے کی کوششیں کرتا رہا اور ناکامی کے بعد اس نے ویرا کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ کسی طرح اسے فرش پر گرانے کے لیے کوشاں تھا تاکہ اس کے حملوں کا تسلسل توڑ کر خود سنبھالا لے سکے۔

ویرا اس وقت کسی چھلاوے کی طرح حرکت میں آئی ہوئی تھی۔ اس کی لاتیں اتنی تیزی اور قوت سے گردش کر رہی تھیں کہ ابرار پوری کوشش کے باوجود انہیں اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہا تھا۔ کافی دیر تک یک طرفہ مار کھانے کے بعد آخر کار اس کا داؤ چل گیا۔ ویرا کا بایاں پیر ابرار کی گرفت میں آ گیا اور ویرا لڑکھڑا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ ابرار نے اچھل کر اس کے سینے پر سوار ہونا چاہا۔ ویرا اس کا ارادہ بھانپ کر بروقت ایک طرف لڑھک گئی اور وہ اپنے زور میں دوبارہ فرش پر آ رہا۔

وہ ان دونوں کی سخت جانی کا ایک کڑا مقابلہ تھا۔ ایک حریف پٹ رہا تھا' دوسرا مار رہا تھا مگر دونوں ہی ہانپنے لگے تھے۔

اس بار ویرا زیادہ پھرتی نہیں دکھا سکی۔ وہ دونوں تقریباً ایک ساتھ فرش سے اٹھے اور خوں خوار انداز میں ایک دوسرے کے سامنے جم گئے۔

ابرار کی پیشانی پر چمکتے ہوئے پرانے زخم کے نشان کے اردگرد متعدد خون آلود زخم نمودار ہو چکے تھے۔ ویرا کا چہرہ اس وقت تک بالکل محفوظ تھا۔ وہ دونوں مشاق مکے بازوں کی طرح ایک دوسرے کا جبڑا توڑنے کی کوششیں کر رہے تھے مگر دونوں کا ہر وار اپنے حریف کی کلائیوں پر ضائع ہو رہا تھا۔ خاصی مار کھا لینے کے بعد ابرار کو سنبھل کر اپنا دفاع کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

کے بازی کرتے کرتے اچانک ابرار بہت تیزی سے اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر کولہوں کے بل فرش پر بیٹھا اور اس نے پوری قوت سے اپنی بائیں لات چلادی۔ ویرا کو خطرناک اڑنگا لگا اور وہ سریلی چیخ مارتی ہوئی نیچے گر گئی۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس بار ابرار' ویرا پر غالب آتا نظر آرہا تھا۔

میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ ابرار نے ویرا کے ہاتھوں بہت مار کھائی تھی۔ وہ اپنا اکلوتا موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور وحشیانہ انداز میں ویرا پر جا پڑا۔ اس کے بوجھ تلے دب کر ویرا بے ساختہ چیخ پڑی۔ ابرار اس کی گردن اور ٹانگوں میں ہاتھ دے کر اسے بے بس کرنے کے چکر میں تھا۔

بہت زیادہ مار کھا لینے کے باوجود ابرار کا سانس نہیں ٹوٹا تھا۔ اس بار وہ ویرا سے اپنا پورا حساب بے باق کر سکتا تھا۔ ویرا کو اس کے چنگل سے بچانے کے لیے میری مداخلت ضروری ہو گئی تھی۔ اسی لمحے ویرا نے اس کے ساتھ نہ جانے کیا حرکت کی کہ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ ویرا کے جسم سے کئی انچ اوپر فضا میں اچھل گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے ویرا کے بدن میں یکایک اسپرنگ نکل آئے ہیں جنہوں نے دشمن کو اوپر اچھال دیا ہو۔

ویرا بہت پھرتی سے ایک طرف سرک گئی اور ابرار دوسری مرتبہ پشت فرش پر آرہا۔

ویرا اپنی ٹانگیں کھول کر کسی شہسوار کی طرح ابرار کی پشت پر سوار ہو گئی اور اس کے بال پکڑ کر بے رحمی سے اس کی پیشانی کو بار بار فرش سے ٹکرانا شروع کر دیا۔

مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ابرار دلیر اور بے خوف دشمن تھا۔ وہ بہت زیادہ برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن پیشانی کی مسلسل ضربات نے ذرا سی دیر میں اسے بے حال کر دیا۔ اس کی خراٹیں بتدریج بے ساختہ چیخوں میں بدل گئیں۔

ویرا بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ ابرار بھی نڈھال ہو چکا تھا۔ اول خان نے بڑھ کر ویرا کا بازو تھاما اور نرمی کے ساتھ اسے ابرار کی پشت سے اتار لیا۔ وہ اسی حالت میں فرش پر اوندھا پڑا کراہتا رہا۔

"یہ کمینہ آدمی ہے۔ اسے میں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کروں گی" ویرا ہانپتے ہوئے غصے میں بولی "سمجھ رہا تھا کہ میں عورت ہوں اور یہ اپنی حرکتوں سے مجھے پریشان کر دے گا۔"

"اب تم جا کر آرام کرو" میں نے اس کی بات کاٹ کر' آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم اسے برہنہ کر کے اس کے زخموں پر نمک پاشی کریں گے۔ دیکھتے ہیں کہ یہ کب تک سخت جانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ذرا سی دیر میں اس کے سارے کس بل نکل جائیں گے۔"

ویرا کو علم تھا کہ سیتا کی طرح ابرار کی شناخت بھی اس کے زیر جامے میں لگے ہوئے ٹیک سے ہو سکے گی۔ وہ کچھ کہے بغیر سیل سے نکل گئی۔

اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو اندر بلا کر ہدایات دیں۔ ان میں سے ایک نمک اور پسی ہوئی مرچوں کا سفوف لینے چلا گیا۔ دوسرا ابرار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ابرار زخمی ہونے کے باوجود مزاحمت پر تل گیا۔ اول خان کے ایما پر ابرار کی قمیص پھاڑ کر اس کے بدن سے الگ کر دی گئی۔ اس دوران میں دوسرا آدمی کیمپ کے میس سے پسی ہوئی مرچوں اور نمک کی شیشیاں لے آیا۔ وہ اشیا اول خان کے حوالے کر کے وہ بھی اپنے ساتھی کے ساتھ مل گیا۔

اوپری دھڑ برہنہ ہو جانے کے بعد ابرار کی مزاحمت نے وحشیانہ رنگ اختیار کر لیا لیکن اس کی ایک نہ چل سکی۔ ذرا سی دیر میں اس کے بدن سے ہر دھجی الگ کر دی گئی اور وہ فرش پر اکڑوں بیٹھ کر ہم سب کو گالیاں بکنے لگا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی۔ وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیے دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔

ہذیانی گالیاں اس کے اعصاب کی ٹوٹ پھوٹ کی پہلی علامت تھیں۔ وہ ہماری طرف سے غافل تھا۔ میں نے پتلی سے اس کا زیر جامہ انتہایا تو الاسٹک کے ساتھ ہی مجھے ٹیک نظر آگیا۔ اس کو پڑھنے کا طریقہ مجھے معلوم ہو چکا تھا۔ اس کی رو سے اس شخص کا نام گوپال راج اور اور کوڈبی سی ایک سو دس تھا۔

میں نے نائلون کا وہ مضبوط زیر جامہ دوبارہ فرش پر پھینک دیا۔

"اب شری گوپال راج کے زخموں میں نمک مرچ بھرا ہو تاکہ ان کا دماغ کچھ کام کر سکے" میں نے اسے سنانے کے لیے کہا۔

میری زبان سے اپنا نام سن کر وہ یوں اچھلا جیسے اسے اچانک کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ اس نے پلٹ کر تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس کی نظریں فرش پر پڑے ہوئے کپڑوں پر مرکوز ہو گئیں۔ میرے اس ایک فقرے نے اس کے چہرے سے حوصلے اور ہمت کی ہر علامت رخصت

Downloaded from https://paksociety.com